strator\Desktop\02_09_2013_11_40_
not found.

:\Document
and
ninistrator\I
Nazia
Side.jpg
not found.

''عصرِ حاضر میں خواتین کی شہادت کی ضرورت اور ان کا شرعی مقام''

مقالہ برائے پی ایچ ڈی

مقالہ نگار

نازیہ عزیز

نگران مقالہ

ڈاکٹر عبدالرشید

(ستارہ امتیاز)

پروفیسر امتیازی

شعبہ شیخ زید اسلامک سینٹر

کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی۔

نومبر ۲۰۱۰ء

فہرست مضامین

﴿مقدمہ﴾

الحمدللہ! آج میرا پی ایچ ڈی مقالہ ''عصر حاضر میں خواتین کی شہادت کی ضرورت اور اس کا شرعی مقام''
تکمیل کے مراحل طے کر چکا ہے یہ مقالہ مقدمہ فہرست، چھ ابواب، اختتامیہ اور کتابیات پر مشتمل ہے۔

پہلا باب ''شہادت کا مفہوم اور اہمیت اور شہادت قرآن وحدیث کے حوالہ پر مشتمل ہے۔اس باب میں شہادت کے مفہوم، معنی ومطالب کے حوالے سے تحقیقی بحث کی گئی ہے۔اس کی وضاحت کیلئے شہادت کے لغوی اور اصطلاحی معنی کو اس انداز سے زیر بحث لایا گیا ہے کہ لفظ شہادت کا حقیقی معنی اور مفہوم آشکار ہو گیا ہے اور اس سے لفظ شہادت کی رسائی ممکن ہوئی۔اس باب کو دو اجزاء میں تقسیم کیا گیا ہے اور پھر قرآن وحدیث کے حوالے سے شہادت کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔

دوسرے باب ''خواتین کی شہادت اور ائمہ اربعہ'' سے متعلق ہے اس باب میں قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کی اساس پر ائمہ کرام نے وقت، دور اور خطے اور انسانی مزاج اور تقاضوں کی روشنی میں اپنی آرا کا اظہار کیا ہے اور قرآنی آیات اور احادیث نبوی ﷺ کی مختلف پیرایوں اور دلائل سے تشریح وتفسیر کی ہے۔اس باب میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعیؒ اور انکے مکتبہ فکر سے منسلک علماء اور فقہاء کی آراء و مباحث کی روشنی مٰں تحقیق کی گئی ہے۔

تیسرے باب کا تعلق ''مرد اور عورت کی شہادت کا بنیادی فرق'' ہے۔اس باب میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے مردوں اور عورتوں کی شہادت میں بنیادی فرق پر تحقیقی مواد پیش کیا گیا ہے۔اس کی وضاحت کے لئے اسے مزید انفرادی اور اجتماعی حیثیت کے تناظر میں اور تاریخ اسلام میں خواتین کی شہادت کی حیثیت میں تقسیم کیا گیا ہے۔

چوتھے باب میں ''مسلم اور غیر مسلم عاشرے میں خواتین کی شہادت، اہمیت اور حیثیت کا تعین'' پر بحث کی گئی ہے اور مختلف مفکرین اسلام کی رائے کو شامل کرتے ہوئے اس کے مزید دو ذیلی موضوعات مسلم معاشرے میں خواتین کی اہمیت و حیثیت اور خواتین کی شہادت اور مفکرین اسلام زیر بحث لائے گئے ہیں۔

پانچواں باب ''تغیر پذیر معاشرے کا جائزہ اور خواتین کی شہادت'' پر مشتمل ہے۔اس باب میں موجودہ دور میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے وضع کردہ قوانین کا جائزہ لیا گیا ہے۔اور مسلم معاشرے کے ساتھ ساتھ غیر مسلم معاشرے کے قوانین میں خواتین کی شہادت پر بحث کی گئی ہے۔اور خواتین کے حوالے سے قوانین سازی اور آئین سازی کے اقدامات بطور تجاویز پیش کی گئی ہیں۔اس باب کو بھی تین اجزاء میں تقسیم کیا گیا ہے۔

☆ موجودہ معاشرے میں خواتین کی شہادت کا جائزہ

☆ مسلم اور غیر مسلم معاشرے میں خواتین کی شہادت کی قوانین سازی۔

☆ تغیر پذیر معاشرے میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے قوانین اور آئین سازی کرنے کے اقدامات۔

چھٹے اور آخری باب میں ''عصر حاضر میں عورت کی شہادت کی خصوصیات'' زیر بحث لائی گئی ہیں۔ جس میں عورت کو بحیثیت گواہ، وکیل، جج کے کردار کے طور پر دیکھا گیا ہے اور اسکے ساتھ ہی پاکستان کے قوانین میں مروجہ قانون اور پارلیمانی نظام میں خواتین کی حیثیت اور اس کی گواہی کا تعین کیا گیا ہے۔ اور اس سلسلے میں دو ذیلی موضوعات بھی متعین کئے گئے ہیں۔

اختتامیہ میں مقالے کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے جبکہ کتابیات میں ان اہم کتابوں کو شامل کیا گیا ہے جس سے دوران تحقیق استفادہ کیا گیا۔

آخر میں، میں اپنے نگران جناب ڈاکٹر عبدالرشید پروفیسر امتیازی کی خصوصی طور پر شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی کمال مہربانی اور شفقت سے میری رہنمائی فرمائی اور اللہ کی توفیق اور ان کے تعاون سے آج میں مقالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہوں۔

اسکے ساتھ ساتھ شیخ زاہد اسلامک سینٹر اور کلیہ معارف اسلامیہ کے تمام اساتذہ کی ممنون ہوں کہ انہوں نے بوقت ضرورت بھرپور تعاون فرمایا۔ اپنے والدین کی شکر گزار ہوں جن کی رہنمائی و تعاون اور دُعاؤں کا ساتھ مجھے قدم قدم پر میسر رہا۔ بالخصوص مجلس تحقیق اسلامی کے جناب عامر طاسین اور تمام ارا کین کی جنہوں نے لائبریری سے استعفادہ حاصل کرنے کا موقع دیا اور ممکن حد تک تمام کتب مہیا کیں۔

اسکے ساتھ ساتھ میں **ہائر ایجوکیشن کمیشن** کی بھی بہت شکر گزار ہوں کہ ان کی مالی معاونت اور مشوروں سے میں اپنا مقالہ مکمل کر پائی۔ کہ انہوں نے بوقت ضرورت بھرپور تعاون فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کے تعاون حاصل کرنے کا انہیں اجر سلیم عطا فرمائے۔

دُعا ہے کہ اللہ ان تمام وسیلوں کی برکتوں سے میرے اساتذہ کرام کو دین و دنیا کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے اور میری اس کوشش کو شرفِ قبولیت بخشے۔ (آمین)

نازیہ عزیز

اُمیدوار برائے پی ایچ ڈی

شعبہ: شیخ زید اسلامک سینٹر

کلیہ: معارف اسلامیہ

نومبر ۲۰۱۰ء

باب اوّل:

شہادت کا مفہوم اور اہمیت

نظام عدل میں قوانین شہادت کو کلیدی حیثیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ جملہ تنازعات جن کا تعلق چاہے دیوانی سے ہو یا فوجداری سے ان کا حتمی فیصلہ قانون شہادت ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اگر کسی نظام عدالت میں شہادت کے قوانین میں کمزوریاں موجود ہوں تو اس صورت میں وہ نظام حقیقی عدل کے تقاضے پورے نہیں کرسکتا۔ انسانی معاشرے میں لوگ مختلف نوعیت کے جرائم میں ملوث ہوتے ہیں یا ان پر الزام عائد ہوتا ہے تو ایسی صورت میں انہیں عدالت کے روبرو اپنی بے گناہی ثابت کرنا پڑے گی یا اگر وہ جرائم میں ملوث ہیں تو ایسی صورت میں عدالت ان پر جرم کے ثبوت کے لئے گواہی کی روشنی میں فیصلہ دے گی۔ اگر بنظر غائب مطالعہ کیا جائے تو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نظام عدلیہ میں جہاں قاضی یا جج کی اہمیت ہے وہاں شہادت کی افادیت اور اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن جو کہ کل انسانی معاشروں کی رہنمائی کا آخری اور مستند صحیفہ ہے۔ جو انسانیت کے فطری ارتقاء کو جاری و ساری رکھنے کے ایسے فطری اصول اور رہنمائی عطا کرتا ہے جنہیں انسانی معاشروں کی صحت مند تعمیر و تشکیل کے لئے بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔ قرآن حکیم کی صدا عدل ہے وہ انسانی معاشرے کی روح رواں عدل کو قرار دیتا ہے۔ اور خالق کائنات کی طرف سے معاشرتی زندگی میں عدل و احسان کا اعلان ان الفاظ میں ہوتا ہے۔

" اِنَّ اللّٰہ یَامُرُ بِالْعَدلِ وَالْاِحْسَان "(1)

ترجمہ۔ ''بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتے ہیں۔''

اسلام کی روح چونکہ عدل ہے اور یہ مذہب انسانی معاشرے کو اسی عدل و انصاف کی فضاء میں پروان چڑھانے کا شعور و حکمت عملی عطا کرتا ہے لہٰذا اس مقصد کے لئے ایک اجتماعی نظام عدل کے قیام کی ضرورت کو بنیاد قرار دیتا ہے۔ اور ایک ریاست کی تشکیل اور پھر ریاستی نظام میں ایک مضبوط عدلیہ کے قیام کے اصول فراہم کرتا ہے۔ اور ایک قاضی اور جج کو عدل و انصاف کرنے کی سختی سے ہدایت کرتا ہے۔ قرآن حکیم عدل و انصاف کو تقوی کے قریب تر قرار دے کر اسکی اہمیت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

" اِعدلُو ھُوَ اَقْرَبُ لِتَّقْوٰی وَاتَّقُواللّٰہ اِنّ اللّٰہ خبیرٌ بِمَا تعملُون "(2)

ترجمہ۔ ''عدل کرو وہ بہت نزدیک ہے پرہیز گاری کے اور ڈرو اللہ سے تحقیق اللہ خبردار ہے ساتھ اس چیز کے کہ عمل کرتے ہو تم۔

قرآن حکیم یہ تاکید کرتا ہے کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر کرو۔'' ارشاد قرآنی ہے۔

"وَاِذَا حکمتُمْ بینِ النَّاس اَن تَحکُمُو بِالعَدلِ" (3)

ترجمہ۔ اور جب حکم کرو تم درمیان لوگوں کے یہ حکم کرو ساتھ انصاف کے۔

اسی اصول وہدایت کی روشنی میں خالق کائنات نے اپنے نبی کریم ﷺ کو ہدایت فرمائی کہ یہ اعلان کر دیں کہ مجھے معاشرے میں لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کا حکم دیا ہے۔ ارشادالٰہی ہے۔

"و اُمِرتُ لَا عدِل بینکُم" (4)

ترجمہ۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔

قرآن حکیم کی روشنی میں نظام عدلیہ کے قیام کی صورت میں یقینی طور پر معاشرہ عدل وانصاف کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ لیکن اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن حکیم عدالتی نظام میں افراد معاشرہ کے درمیان مختلف فیہ تنازعات چاہے ان کا تعلق دیوانی نوعیتوں سے ہو یا فوجداری حوالے سے ہو میں گواہی یا شہادت کو کس قدر اہمیت دیتا ہے اور قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں شہادت کا کیا مفہوم سامنے آتا ہے۔ آئندہ صفحات میں اس کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

شہادت کے معنی ومفہوم:

قرآنی احکامات کی روشنی میں شہادت کے مفہوم اور اہمیت کے بیان سے پہلے شہادت کے عمومی معنی ومفہوم کی وضاحت پیش کرنا ضروری ہے لہٰذا اس حوالے سے شہادت کے لغوی، اصطلاحی معنی ومفہوم کا جائزہ لیتے ہیں۔

شہادت کے لغوی معنی:

''لغت کے اعتبار سے لفظ شہادت کے معنی ہیں گواہی، شاھدی، درست خبر۔'' (5)

اسی طرح فیروز اللغات میں شہادت کے معنی یوں بیان کئے گئے ہیں۔

''شہادت لفظ (مؤنث) ہے۔ گواہی، صحیح خبر دینا۔'' (6)

اور لسان العرب کے مطابق:

''شہادت لغت میں خبر قاطع کو کہتے ہیں۔'' (7)

انگریزی زبان میں شہادت کے لئے Evidence کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ **انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا** کے مطابق اس لفظ کے معنی'' evidence,witness,testimony,martyrdom '' (8) بیان کئے گئے ہیں۔

امام خلیل بن احمد شہادت کے لغوی معنی تحریر کرتے ہیں کہ ''والشہادة ان تقول استشھد فلان فھو شھید''(9)

شہادت یہ ہے کہ تم یہ کہو کہ فلاں شخص کو گواہ بنایا گیا سو وہ گواہی ہے۔ **علامہ ابن اثیر الجذری** کے مطابق یہ ہے کہ

''اصل اشہادة الا خبار بما شاھدہ و شھود''(10)

جس چیز کا مشاھدہ کیا ہو یا جس پر کوئی شخص حاضر ہو اس کی خبر دینا اصل میں شہادت ہے۔

علامہ راغب الاصفہانی شہادت کے معنی تحریر کرتے ہیں۔

''والشہادة قول صدا رعن علمه حصل بماشهدة بصيرة او بصر''(11)

بصیرت سے آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے جس چیز کا علم حاصل ہو، اس کی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔

تاج العروس میں لفظ شہادت کے لغوی معنی بھی اسی طرح بیان کئے گئے ہیں کہ

''شہادت لغت میں خبر قاطع کو کہتے ہیں۔''(12)

جسٹس تنزیل الرحمٰن اسلامی قانون شہادت میں، شہادت کے لغوی تعریف کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

'' شہادت کا لفظ ''مشاھدہ'' سے بنا ہے جس کے معنی ''معائنہ'' کے آتے ہیں۔ بالعموم، چونکہ کسی واقعہ کے بیان کا سبب اس کا معائنہ ہوا کرتا ہے اس لئے اس بیان اظہار کو ''شہادت'' کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے''۔(13)

درج بالا حوالہ جات سے شہادت کے لغوی معنی یہ سامنے آئے ہیں کہ لفظ **شہادت** کا مطلب ومعنی، گواہی، صحیح خبر دینا، معائنہ، مشاھدہ اور خبر قاطع ہے۔ یہ عربی لفظ ہے گرامر کے اعتبار سے اسم ہے اور موئنث معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بعض ماہرین کے مطابق ''شہادت عربی کا لفظ ہے اسم ہے مذکر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے مئونث کے معنوں میں بھی مستعمل ہے اور اردو میں اسے گواہی کہتے ہیں جبکہ شہادت دینا ہندی لفظ ہے انگریزی میں اسے Evidence یا Witness کہتے ہیں ویسے شہادت کے لفظی معنی حاضر ہونے کے ہیں۔''(14)

شہادت کا اصطلاحی مفہوم:

لغوی معنی کی وضاحت کے بعد اب شہادت کے اصطلاحی مفہوم کی وضاحت پیش خدمت ہے۔

اصطلاحی زبان میں شہادت سے مراد وہ خبر ہے جو عدالت میں گواہی کے لفظ کے ساتھ دی جائے شہادت کی اصطلاحی تعریف یوں کی جاسکتی ہے ۔''کسی بالغ و عاقل شخص کا حکم مجاز کے روبرو عدالت مجاز میں لفظ ''اشھد'' (میں گواہی دیتا\دیتی ہوں) یا اس کے ہم معنی لفظ کے ساتھ کسی کے ذمہ حق کے اثبات کے لئے بموجودگی فریقین (اصالتاً وکالتاً یا حکماً) سچی خبر دینا اور اپنے سامنے رونما ہونے والے واقعات یا جرم سرزد ہونے کے واقعات عدالت میں بتانا شہادت کہلاتا ہے ۔''(15)

پاکستان میں رائج قانون شہادت 1984ء میں ''شہادت'' کی تعریف کے ضمن میں درج ذیل امور کو بھی داخل و شامل کیا گیا ہے ۔

''(1) گواہوں کے وہ تمام بیانات Statements جو عدالت کی اجازت یا حکم کے تحت ان واقعات کے متعلق دیئے جائیں جو زیر تحقیق ہوں اس قسم کے بیانات کو زبانی شہادت Oral Evidence کہتے ہیں ۔
(2) وہ تمام دستاویزات جو عدالت کے معائنہ کے لئے پیش کی جائیں اس قسم کی دستاویزات کو دستاویزی شہادت Documentary Evidence کہتے ہیں ۔ قانون شہادت کی رو سے شہادت کی تعریف میں وہ تمام امور شامل ہیں جن کے ذریعہ متعلقہ واقعات عدالت کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں ۔ مثلاً گواہوں کے بیانات اور دستاویزات لہٰذا اگر عدالت کسی مقدمہ کے سلسلے میں کسی موقعہ کا معائنہ کرتی ہے یا اگر کسی مقدمے میں کوئی ملزم اقبال جرم Confession کرتا ہے تو اس پر شہادت کی تعریف کا اطلاق نہیں ہوتا ہے ۔''(16)

''اسلامی شریعت میں شہادۃ کا لفظ خالص قانونی معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اس لحاظ سے شہادت اس قطعی اور فیصلہ کن بیان کا نام ہے جو قانونی عدالت میں حاضر ہوکر کسی ایسے معاملے کے متعلق دیا جاتا ہے جسے بیان کرنے والے یعنی شاہد صاف طور پر دیکھا ہو ۔''(17)

مختلف ائمہ اکرام اور فقہاء نے شہادت کی مختلف انداز سے تعریفات کی ہیں ۔ جو کہ عصری تقاضوں یا کسی مخصوص مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے کی ہیں یا اس لفظ کا استعمال کیا ہے ۔

فتاویٰ عالمگیری کے مطابق:

''عدالت میں گواہی کے لفظ کے ساتھ حق ثابت کرنے کے لئے سچی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں''(18)

احسن المسائل میں یہ تعریف بیان کی گئی ہے ۔

''شہادت کے لغوی معنی حاضر ہونے کے ہیں اور شرعی معنی یہ ہیں کہ جیسا آنکھوں سے دیکھا ہو ویسا ہی بیان کردے گمان یا اٹکل سے کہنا شہادت نہیں ۔''(19)

جسٹس تنزیل الرحمٰن لکھتے ہیں

''عدالت میں متنازعین کے روبرو یہ خبر دینا کہ فلاں کا حق فلاں پر ہے اس کو شہادت کہتے ہیں ۔'' (20)

اصول فقہ میں مولانا منیب الرحمٰن لکھتے ہیں ۔

''گواہی دینے کا بیان اخبار کی قسم کا ہے اس کی ضرورت تب پیش آتی ہے جب ایک شخص کا دوسرے پر کوئی حق واجب ہو لیکن وہ اس سے منکر ہو ۔'' (21)

''قانون شہادت کی رو سے شہادت کی تعریف میں وہ تمام امور شامل ہیں جن کے ذریعے متعلقہ واقعات عدالت کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں ۔'' (22)

اور اسی طرح ''جو بات حواس خمسہ کے مطابق صحیح اور صاف بیان کر دی جائے شہادت کہلاتی ہے ۔'' (23)

''مسلمان فقہاء نے گواہی کی تعریف اسی طرح کی ہے ۔ درست رائے یہ ہے کہ جو چیز حق بات کو ثابت کر دے وہی گواہی ہے ۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کسی طریقے سے بھی حق ظاہر ہو جانے کے بعد ہرگز کسی کی حق تلفی نہیں کی ہے بلکہ اس خدا نے جس کے سوا کسی کو مجال حکم نہیں اور اسکے رسول ﷺ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ جب کسی نہ کسی طریقے سے حق ظاہر ہو جائے تو اس کی تقید اور تائید ضروری ہے اور حق تلفی کرنا قطعی حرام ہے ۔'' (24)

فقہا شافعیہ میں سے شارح **مہذب** لکھتے ہیں ۔

''و الشهادة خبر قطع بما حضرو عاين ثمه قديعون بما علمه و استغا ض'' (25)

جو شخص کسی جگہ حاضر ہو یا اس نے کسی چیز کو دیکھا ہو اسکی یقینی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں اور کبھی اس چیز کی خبر کو شہادت کہتے ہیں جس کا اس کو یقین ہو یا وہ چیز مشہور ہو ۔

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی تحریر کرتے ہیں ۔

'' الشهادة اخبار صدق الا ثبات حق بلفظ الشهادة فی مجلس القضاء '' (26)

''subject index of quran کے مطابق قرآن کی درج ذیل صورتوں میں لفظ شہادۃ ''shahadah کے testmony meaning کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں ۔

☆ البقرہ ۔ آیت 23 تا 133

☆ ایضاً ۔ آیت 140

☆ ایضاً ۔ آیت 282 تا 283

☆ آل عمران ۔ آیت 99

☆النساء۔آیت۔ 6,15,41

☆ایضاً۔آیت۔ 79,135

☆ایضاً۔آیت 166,159

☆المائدہ۔آیت۔ 8,44,106,107,117

☆الانعام۔آیت 16,144,150

☆یونس۔آیت۔ 46,29

☆الرعد۔آیت۔ 43

☆بنی اسرائیل۔آیت۔ 90

☆النور۔آیت۔ 4,6,13

☆العنکبوت۔آیت۔ 52

☆الطلاق۔آیت۔ 2 ‘‘ (27)

قرآن حکیم میں شہادت کا مفہوم:

شہادت یا شہادۃ عربی زبان کا لفظ ہے۔’’قرآن وحدیث میں گواہی کے لئے شہادت کا مادہ (یعنی شھد کے مشتقات) ہی باربار استعمال ہوا ہے۔اس لئے گواہی دیتے وقت لفظ شہادت (یعنی میں شہادت یا گواہی دیتا ہوں) کا استعمال شرط ہے کیونکہ عربی زبان میں گواہی کے مفہوم کو شہادت کا لفظ ہی ادا کرتا ہے اس لئے قرآن حدیث (جنکی زبان عربی ہے) میں اسے مفہوم کے لئے ہر بار شہادت کا لفظ ہی استعمال کیا گیا ہے اور کوئی دوسرا لفظ نہیں لایا گیا۔‘‘(28)

’’شاھد بہ معنی گواہ شہادت سے ماخوذ ہے اور اسم فاعل واحد مذکر کا صیغہ ہے۔‘‘(29)

’’شہادت دینے والے شخص کو شاہد کہا جاتا ہے جس شخص کے حق میں شہادت دی جائے اسے مشہود لہ کہتے ہیں۔اور جس شخص کے خلاف شہادت دی جاوے اسے مشہود علیہ کہا جاتا ہے شہادت کے ذریعے جو چیز ثابت کرنا مقصود ہو یا جس امر کے بارے میں شہادت دی جائے اسے مشہود بہ کہتے ہیں۔‘‘(30)

’’قرآن حکیم میں شہادۃ کا لفظ تقریباً 40 مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔‘‘(31)

اور’’قرآن پاک میں ایسے الفاظ جن کا مادہ’’ش ہ د‘‘ ہے کل 126 مرتبہ وارد ہوئے ہیں مجموعی طور پر

51سورتوں میں ایسے الفاظ آئے ہیں۔''(32)

قرآن حکیم میں شہادۃ کا جولفظ استعمال کیا گیا ہے اس کے فقہاء نے مختلف جگہوں پر مختلف مفاھیم بیان کئے ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مشاہدہ کرنا اور حاضر ہونا:

بعض مقامات پر ''اس کے معنی کسی چیز کا مشاہدہ کرنے کے ہیں خواہ بصر سے ہو یا بصیرت سے اور صرف حاضر ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔''(33)

قرآن حکیم میں ارشادہوتا ہے۔

" عَالِم الغیب و الشہادۃ "(34)

ترجمہ۔پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا۔

اس آیت کے ضمن میں **امام راغب اصفہانی** بیان کرتے ہیں کہ

''شھود کے معنی صرف حاضر ہونا ہوں اور شہادۃ میں حاضر ہونے کے ساتھ مشاہدہ کا بھی اعتبار کیا جائے۔''(35)

قرآن حکیم کی درج ذیل آیات میں یہ لفظ ''شھادۃ'' ان ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

☆سورۃ الانعام۔آیت 47

☆سورۃ التوبہ۔آیت 49، 105

☆سورۃ الرعد۔آیت 9

☆سورۃ المومنون۔آیت 29

☆سورۃ السجدہ۔آیت 6

☆سورۃ التغابن۔آیت 81

☆سورۃ الکذبون۔آیت 22

☆سورۃ الجمعۃ۔آیت 8

درج بالا آیت کریمہ میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ شہادت کا اطلاق صرف ان واقعات اور اشیاء پر کیا جا سکتا ہے جن کا ادراک انسان کے حواس خمسہ نے کیا ہو۔ گویا شہادت وہ بات ہے جو کامل یقین کے ساتھ کی جائے چاہے اس کا علم مشاھدے کے ذریعے سے ہو یا بصیرت سے۔

شہادۃ میں حاضر ہونے کے ساتھ مشاھدہ کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے جیسے ''المختصر بہ معنی مشہد یعنی حاضر ہونے کی جگہ کو کہا جاتا ہے ۔مشھد وہ عورت جس کا خاوند حاضر ہو اور مشہد کی جمع مشاھد آتی ہے اسی سے مشاھد الحج ہیں یعنی وہ جگہ جہاں فرشتے اور نیک لوگ حاضر ہوتے ہیں ۔بعض مشاھد الحج کے معنی مناسک حج کے لیتے ہیں ۔''(36)

قرآن کریم میں مندرجہ ذیل آیات میں شہادۃ کو حاضر ہونے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے ۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے ۔

''یشھدو منافِعُ لھُم ''(37)

ترجمہ۔تا کہ وہ اپنے فائدہ کے لئے حاضر ہوں ۔

سورہ نور میں ارشاد ہوتا ہے۔

''و یشھَد عذابھما ''(38)

ترجمہ۔اور ان کی سزا کے وقت موجود ہو۔

اور ایک اور جگہ پر ارشاد ربانی ہے۔

''وَالشھدنا مھِلك آھِله ''(39)

ترجمہ۔ہم تو اسکے گھر والوں کے موقع ہلاکت پر کہتے ہی نہیں ۔

پھر ارشاد ہوتا ہے ۔

''و الذین لا یشھدون الزور ''(40)

ترجمہ۔اور وہ جو جھوٹی شہادت نہیں دیتے۔

''یعنی زَوّر کے موقع پر خود ہی حاضر ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کا مقصد یا ارادہ کرتے ہیں ۔''(41)

گواہی کے معنوں میں استعمال:

قرآن حکیم میں شہادت کا لفظ گواہی کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے اس حوالے سے درج ذیل آیات پیش کی جاتی ہیں ۔

(1)''واستشھدو شھیدین ''(42)

ترجمہ۔اور دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو۔

(2)''شَھَدِ علیھم سمعُھم ''(43)

ترجمہ۔ان کے کان ان کے خلاف اعمال کی شہادت دیں گے۔

(3)''وَلاَ یَابَ الشھَدَاءُ''(44)

ترجمہ۔تو گواہ انکار نہ کریں۔

تمام فقہاء متفق ہیں کہ ''شہادت کے معنی کسی جگہ حاضر ہونے کے ہیں اور شھدت علی کذا کے معنی کسی واقعہ کی شہادت کے ہیں۔''(45)

کسی امر کا فیصلہ کرنا یا حکم کرنا:

شہادت کا لفظ ''کبھی کبھار فیصلہ اور حکم کے لئے استعمال ہوتا ہے''(46) جیسے قرآن حکیم کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ۔

''الشھدوانہ لا الہ الا ھو والملئکتہ واولو العلم قائماً بالقسطَ''(47)

ترجمہ۔گواہی دی اللہ نے اس کی کہ بجز اس ذات کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی اور معبود بھی اس شان کے ہیں کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں۔

ایک دوسری آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

''والشھد مشاھدٌ من اھلھا''(48)

ترجمہ۔اس کے قبیلہ میں سے ایک فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ کیا۔

اقرار واعتبار کے معنی میں استعمال:

شہادت کا لفظ قرآن حکیم میں بعض ایسی جگہوں پر استعمال ہوا ہے جہاں کسی بات کا اقرار کرنا یا اپنی ذات کے متعلق گواہی ہو تو اعتبار کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

''امام راغب فرماتے ہیں کہ جب شہادت اپنی ذات کے متعلق ہو تو اس کے معنی اقرار کے ہوتے ہیں۔''(49)

جیسے قرآن حکیم کی یہ آیت مبارکہ ہے۔

''ولم یکن لَّھم مشھداءِ لَا اَنْفُسَھُم فشھَادَۃ اَحدِھِم اَربَعْ شَھاَداتِ بااللہ''(50)

ترجمہ۔اور خود ان کے گواہ نہ ہوں سوائے ان کے تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ چار بار خدا کی قسم کھائے۔

اس کی وضاحت کے لئے ''امام قرطبی نے ''والملائکہ یشھدون''(النساء 661) کی مثال دی ہے۔''(51)

اقرار کے حوالے سے آیت کریمہ ملاحظہ ہو۔

''ما شھدنا الا بما علمنا''(52)

ترجمہ۔اور ہم نے تو اپنی دانست کے مطابق (اس کے لئے آنے کا) عہد کیا تھا۔

اس آیت میں ''شھدنابمعنی اخبرنا'' (53) کے استعمال ہوئے ہیں۔

ایک دوسری آیت۔

''شاھدین عَلیہ انْفُسھِمْ بالکفر'' (54)

ترجمہ۔جب کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے۔

اس آیت میں ''شھدین بمعنی مقرین'' (55) یعنی کفر کا اقرار کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

لفظ شہید بمعنی گواہ یا شاہد:

قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

''سائق و شھید'' (56)

ترجمہ۔اس کے ساتھ ایک چلانے والا اور ایک گواہ ہوگا۔

اس آیت میں شہید گواہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے اسی طرح ایک دوسری آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے۔

''فکیف اذا جئناَ من کلِّ اُمتِہ بشھید وَ جئینَا بِكَ عَلیٰ ھئو لآ شھیدًا '' (57)

ترجمہ۔بھلا اس دن کیا حال ہوگا جب ہم پر امت سے احوال بتانے والے کو بلائیں گے اور تم لوگوں کا حال بتانے کو گواہ طلب کریں گے۔

اور پھر ارشاد قرآنی ہے۔

''اَو اَلغنی السّمعَ وَ ھُوَ شھید ''(58)

ترجمہ۔با دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے۔

'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ جو کچھ سنتے ہیں ان کے دل اس کی شہادت دیتے ہیں''۔(59)

شہادت (شہید ہونے کے معنی میں استعمال)

''لفظ شہادت کا مادہ ش ہ د ہے۔شہید کا ایک معنی المقتول فی سبیل اللہ بھی ہے۔'' (60)

قرآن حکیم کی یہ آیت لفظ شہید کو ان ہی معنوں میں بیان کرتی ہے۔

''وَالشُّھدَا ءِ عِندَربھم '' (61)

ترجمہ۔اور پروردگار کے نزدیک شہید ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے۔

''وَالشھداء عند ربھم لھم اَجَرھُم ''(62)

ترجمہ۔ اور اپنے پروردگار کے نزدیک شہید ہیں اور ان کے لئے ان کے اعمال کا صلہ ہوگا۔

خلاصہ کلام:

گذشتہ صفحات میں قرآن حکیم کی روشنی میں ''شہادت'' کے مفہوم پر بحث کی گئی اور قرآن کی آیات کے ان مقامات کی نشاندہی کر دی گئی۔ جہاں جہاں اور جن معنوں اور مفہوم میں یہ لفظ استعمال ہوا۔ اس تمام بحث کا خلاصہ یہ سامنے آیا کہ۔ قرآن حکیم میں لفظ شہادت درج ذیل مفاہیم بیان کرتا ہے۔

☆ مشاھدہ کرنا اور حاضر ہونا۔

☆ گواہی کے معنوں میں استعمال ہوا۔

☆ کسی امر کا حکم دینا یا فیصلہ دینا۔

☆ اقرار و اعتبار کے معنی میں استعمال ہوا۔

☆ بمعنی گواہ یا شاہد۔

☆ شہید ہونے کے معنی میں استعمال۔

☆ ''اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام شہید ہے جب اللہ تعالیٰ کا مطلق علم مدنظر ہو تو اللہ علیم ہے اور اگر امور باطنہ کے حوالے سے دیکھا جائے تو خبیر ہے اور امور ظاہرہ کی طرف نسبت ہو تو شہید ہے اور بعض اوقات قیامت میں مخلوق پر گواہی کے معنی میں بھی آیا ہے۔''(63)

اور اسی طرح لفظ مشاھدہ نبی اکرم ﷺ کے اسمائے گرامی میں سے ایک ہے۔ اس کا ثبوت قرآن حکیم کی یہ آیت ہے۔ ''یآ یھاالنبی اِنّا ارسلنٰك شاھدَ وّبَشیراوَّ نذیرًا ''(64)

ترجمہ۔ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

شہادت کی اہمیت قرآن حکیم کی روشنی میں:

قرآن حکیم ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور انسانی معاشرے کے جملہ پہلوؤں کی تکمیل و ارتقاء کے فطری اصولوں کا ترجمان ہے۔ معاشرے میں حقیقی نظام عدل کے قیام کے لئے قرآن حکیم جہاں دیگر ضابطے اور قوانین کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہاں قانون شہادت کو ایک ضابطہ قرار دے کر اس کی اہمیت و افادیت بیان کرتا ہے۔

''اسلام کا قانون شہادت اسکے قانون ضابطہ کا ایک اہم حصہ ہے۔ معاملات میں بعض چیزیں ثابت ہوتی ہیں اور بعض کو ثابت کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر لوگوں کے تمام دعوے ایسے ہی قبول کر لئے جائیں تو عدالتوں میں بہت سے مقدمات درج ہو جائیں اور معاشرہ درہم برہم ہو کر رہ جائے ان تمام حالات سے نبرد

آزما ہونے کے لئے حق دار کی داد رسی کرنے کے لئے انصاف کے تمام حقیقی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے شریعت نے ضابطہ مقرر کیا ہے۔اور شہادت کا ضابطہ ان ضابطوں میں سے ایک ضابطہ ہے جو غیر مبہم چیز کو واضح صریح اور صاف کردیتا ہے حق کو واضح اور غالب کردیتا ہے۔'' (65)

یہ حقیقت ہے کہ معاشرے میں سرزد ہونے والے جرم کی جتنی سخت سزا ہوگی اتنا ہی اس کے لئے شہادت کا معیار سخت ہوگا۔اسلامی تعلیمات میں چونکہ اعلیٰ اخلاقی نظام کی اساس خوف خدا اور آخرت کے احتساب اور خوف پر رکھی گئی ہے۔اسی طرح کسی جرم یا تنازعہ کے سلسلے میں گواہی یا شہادت کو بھی یہی اساس فراہم کی گئی ہے۔قرآن حکیم اس اساس کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے سچی،صاف اور کھری بات کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

''یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُو اتَّقُوا اللّٰه وَقُوْلُو اقولاً سَدِیدًا'' (66)

ترجمہ۔اے ایمان والو،اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو

(جو بات بھی جس موقع پر بھی کہو وہ مضبوط اور کھری ہو اور اس میں عدل واعتدال سے تجاوز نہ ہو)۔

اور پھر ارشاد فرمایا

'' وَلَا تَلْبِسُو الحق بِالبَاطِلِ و تکْتُمُو الحقَّ وَاَنْتُم تَعْلَمُوْن ''(67)

ترجمہ۔اور سچ کو جھوٹ کے ساتھ مت ملاؤ اور جانتے بوجھتے حق کو مت چھپاؤ۔

گویا قرآن حکیم معاشرتی زندگی میں ہر معاملہ میں صاف گوئی اور سچی بات کرنے کی تلقین کرتا ہے۔اور ساتھ ساتھ سچی گواہی نہ دینے والوں کی سختی سے مذمت بھی کرتا ہے قرآن حکیم ایسے شخص کو ظالم قرار دیتا ہے جو جان بوجھ کر سچی گواہی نہ دے اس حوالے سے قرآن کا ارشاد ہے۔

'' وَمَنْ اظلم ممّن کَتَمَ شهادة عندهٗ مِن اللّٰه ''(68)

ترجمہ۔اور جو شخص شہادت کو چھپائے اللہ کے نزدیک اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا۔

عصر حاضر میں ہم معاشرے کی حالت زار کا جب جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ عدالتوں میں پیش ہونے والے مقدمات میں سچے گواہان کم ہی نظر آتے ہیں۔معاشرے کا عام مزاج بن چکا ہے کہ جہاں کہیں کوئی واقعہ پیش آتا ہے کسی مرد کے ساتھ ظلم یا زیادتی سر عام بھی ہو رہی ہو تو لوگ موقع سے فقط اس لئے بھاگ جاتے ہیں۔کہ انہیں کل گواہی دینی پڑے گی لہذا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عدالتوں میں جھوٹی سچی جیسی بھی گواہیاں پیش کی جاتی ہیں۔جج صاحبان ان کے مطابق فیصلہ دیتے ہیں بحیثیت مسلمان ہونے کے قرآن حکیم سچی گواہی کو واجب

قرار دیتا ہے اور ایک مسلمان کے اندر یہ اخلاقی وصف پیدا کرتا ہے کہ ہر صورت میں گواہی دے اور کسی بھی حالت میں اسے چھپانے کی کوشش کرے۔ اگر وہ ایسی حرکت کرے گا تو وہ گناہ گار ہو گا جیسا کہ اس آیت قرآنی میں بیان کیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے

''وَلَا تَکْتُمُو الشَّھَادَۃَ وَمَنْ یَّکْتُمْھَا فَاِنَّہٗ اٰثِمٌ قَلْبُہٗ ''(69)

ترجمہ۔یعنی شہادت کو مت چھپاؤ جو کوئی اسکو چھپائے گا وہ دل کا گناہ گار ہو گا۔

اس آیت کے ضمن میں بحث کرتے ہوئے مولانا محمد علی الصدیقی کاندھلوی تحریر کرتے ہیں۔

''اس میں تمام قانونی معاملات شامل ہیں مثلاً نکاح، مہر، وصیت وغیرہ اور شہادت چھپانے کی ساری صورتیں اس میں آجاتی ہیں مثلاً ادائے شہادت سے گریز کرنا، یا شہادت میں واقعات کو صحیح بیان نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام معاملات میں عام طور پر اور جہاں حقوق کا سوال ہو وہاں خاص طور پر شہادت کے چھپانے سے منع فرمایا ہے اگر کہیں کسی معاملہ کے دو ہی گواہ ہوں اور گواہی کی ضرورت پڑ جائے تو ان پر گواہی دینا فرض عین ہے جو نماز، روزہ کی طرح ان کے لئے لازمی ہے۔ لیکن اگر دو کے علاوہ اور بھی گواہ موجود ہوں تو پھر گواہی فرض کفایہ ہے اگر کچھ لوگ دیدیں تو یہ فرض سب کے ذمہ ساقط ہو جائے گا ورنہ سب گناہ گار ہوں گے۔''(70)

مذکورہ آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں۔

''یعنی اے لوگو قرض داروں کے خلاف گواہی کو نہ چھپاؤ اگر وہ خیانت کریں اور اداء امانت نہ کریں اور واجب الاداحق کے منکر ہو جائیں یا یہ مراد ہے کہ اے قرضدارو تم پر جو حقوق واجب ہیں ان کی شہادت کو نہ چھپاؤ اور اپنے خلاف حق کا اقرار کرلو۔ قلبہ ، اٰثم کا فاعل ہے یا اٰثم خبر مقدم اور قلبہ مبتدا مؤخر ہے اور پورا جملہ ان کی خبر ہے گناہ کی نسبت قلب کی طرف اس لئے کی کہ چھپانا دل ہی کا فعل ہے اصل فاعل کی طرف فعل کی نسبت کرنے سے فعل میں شدت اور قوت پیدا ہو گئی جیسے کہتے ہیں میں نے اسکو اپنی آنکھوں سے دیکھا اپنے کانوں سے سنا اپنے دل سے یاد رکھا۔ یہ دل کی طرف نسبت کرنے کی یہ وجہ ہے کہ دل تمام اعضاء کا سردار ہوتا ہے اس کے افعال کا مرتبہ سب افعال سے بڑا ہے۔''(71)

قرآن حکیم معاشرتی زندگی میں عدل قائم رکھنے کے لئے ایک گواہ کو عدل وانصاف سے کام لینے کی تلقین کرتا ہے۔ ہر دوستی اور دشمنی سے بالاتر ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سچی گواہی دینے کی ترغیب دی ہے گواہی دیتے وقت کسی تعلق کی رعایت سے اس میں کمزوری آنی چاہئے اور نہ کسی دشمنی وعداوت سے گواہی سے احتراز کرے اس سلسلے میں قرآن حکیم کا ارشاد گرامی ہے۔

''یَااَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُو اکُونُو اقوَّامِینَ بِالقسط شُھَدَاءَلِلّٰہ وَلَو عَلٰی اَنْفسِکُمْ اَوالو الِدَینِ وَالَا قربین ان یَّکُنْ غَنِیًّا اَو فقیرًا فاللّٰہُ اَولٰیٰ بِھِمَا فَلَا تَتَّبِعُو الھَویٰ اَن تعدِلُو وَ اِن تَلو او تعرضو افَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تعمَلُونَ خَبیرًا ''(72)

ترجمہ۔اے ایمان والو،انصاف پر قائم رہواور اللہ سے (ڈرتے رہو) گواہی دو (یعنی سچی سچی بات بیان کرو) اگر چہ وہ گواہی خود تمہارے خلاف ہی کیوں نہ ہو یا تمہارے والدین یا عزیز و اقارب کے خلاف ہو۔اگر کوئی مالدار یا مفلس ہے تو اللہ تعالیٰ ان کا تم سے زیادہ نگہبان ہے تم انصاف کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہش پر مت چلو اور اگر تم گواہی میں اونچ نیچ کرو گے (یعنی جان بوجھ کر کسی کو بچاؤ گے) تو (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی خبر رکھتا ہے۔

اس آیت کے ضمن میں ابن کثیر لکھتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ عدل وانصاف پر مضبوطی سے جمے رہیں۔اس سے ایک انچ ادھر ادھر نہ سرکیں،ایسا نہ ہو کہ کسی کے ڈر کی وجہ سے یا کسی لالچ کی بناء پر یا کسی خوشامد میں یا کسی پر رحم کھا کر یا کسی کی سفارش سے عدل وانصاف چھوڑ دے بیٹھیں سب ملکر عدل کو قائم وجاری کریں۔ایک دوسرے کی اس معاملہ میں مدد کریں اور خلق خدا میں عدالت کے سکے جما دیں۔اللہ کے لئے گواہ بن جائیں جیسے اور جگہ ہے۔

وَاَقِیمُو الشھادۃ لِلّٰہ یعنی گواہیاں اللہ کی رضاجوئی کے لئے دو جو بالکل صحیح صاف سچی اور بے لاگ ہوں بدلو نہیں چھپاؤ نہیں چبا کر نہ بولو،صاف صاف سچی شہادت دو گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو تم حق گوئی سے نہ رکو اور یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گزار غلاموں کی مخلصی کی صورتیں بہت سی نکال دیتا ہے کچھ اسی پر موقوف نہیں کہ جھوٹی شہادت ہی سے اسی کا چھٹکارا ہو گا۔گو سچی شہادت ماں باپ کے خلاف ہوتی ہو،گو اس شہادت سے رشتہ داروں کا نقصان ہوتا ہو لیکن تم سچ کو ہاتھ سے نہ جانے دو،گواہی سچی دے دو۔اس لئے کہ حق ہر ایک پر حاکم ہے گواہی کے وقت نہ تو جگہ کا لحاظ کرو نہ غریب پر رحم کرو۔ان کی مصلحتوں کو خدا تم سے بہتر جانتا ہے تم ہر صورت اور ہر حالت میں سچی شہادت ادا کرو۔دیکھو کسی برے میں آکر خود اپنا برا نہ کرلو،کسی کی دشمنی میں عصبیت اور قومیت میں فنا ہو کر عدل وانصاف ہاتھ سے نہ چھوڑ بیٹھو بلکہ ہر حال ہر آن عدل وانصاف کا مجسمہ بنے رہو۔جیسے ایک جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔وَلَا یجرِمنّکم شنئان قوم علی اَن لَّا یقدلو اِعدِلُو ھُو ا اَقرَب لِلتقویٰ

ترجمہ:''کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کردے عدل کرتے رہو یہی تقویٰ کی شان کے قریب تر

ہے''۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ کو جب رسول کریم ﷺ نے خیبر والوں کے کھیتوں اور باغوں کا اندارہ کرنے کو بھیجا تو انہوں نے آپکو رشوت دینی چاہی کہ آپ کم مقدار بتائیں تو آپ نے فرمایا سنو، خدا کی قسم نبی ﷺ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ عزیز ہیں اور تم میرے نزدیک کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہو، لیکن باوجود اس کے حضور ﷺ کی محبت میں آ کر یا تمہاری عداوت کو سامنے رکھ کر ناممکن ہے کہ میں انصاف سے ہٹ جاؤں میں تم میں عدل نہ کروں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے بس اسی سے تو زمین و آسمان قائم ہے۔

پھر فرماتا ہے اگر تم نے شہادت میں تحریف کی، بدل دی، غلط گوئی سے کام لیا، واقعہ کے خلاف گواہی دی، زبان سے پیچیدہ الفاظ کہے، واقعات کم وبیش کر دیئے، یا کچھ چھپالیا یا کچھ بیان کر دیا تو یا درکھو اللہ جیسے باخبر حاکم کے سامنے یہ چال چل نہیں سکتی وہاں جا کر اس کا بدلہ پاؤ گے اور سزا بھگتو گے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

بہترین گواہ وہ ہیں جو دریافت کرنے سے پہلے ہی سچی گواہی دے دیں۔''(73)

قرآن حکیم گواہی کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے گواہ کو یہ تلقین کرتا ہے کہ جب اسے گواہی کے لئے طلب کیا جائے تو وہ قطعاً انکار نہ کرے اور گواہی کے لئے اپنے آپکو پیش کر دے۔ اس سلسلے میں قرآن کی آیت ملاحظہ ہو، ارشاد ربانی ہے۔

''وَلَا یَاْبَ الشُّھَدَآءُ اِذَا مَادُعُوْ ''(74)

ترجمہ۔ اور جب گواہوں کی (گواہی کے لئے) طلب کیا جائے تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہئے۔

اس آیت کے ذیل میں تفسیر مظہری میں درج ہے کہ

''بعض علماء نے کہا کہ طلب کئے جانے سے مراد ہے گواہ بن جانے کے لئے طلب ہونا چونکہ آئندہ ایسے لوگوں کو شاھد بننا ہوتا ہے اس لئے مجازاً پہلے سے ہی ان کو شہداء فرما دیا۔ اس تفسیر پر بعض لوگوں نے کہا کہ امر وجوبی ہے بعض نے کہا اگر کوئی اور شاہد نہ ہو تو واجب اور دوسرے گواہ نہ ہوں تو تعمیل طلب واجب نہیں اختیاری ہے یہی قول حسن بصری کا ہے بعض کے نزدیک امر استحبابی ہے کچھ علماء نے طلب سے مراد لی ہے ادائے شہادت کے لئے طلب۔ یہی قول مجاھد، عکرمہ، اور سعید بن جبیرؓ کا ہے۔''(75)

معالم القرآن کے مصنف اس آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''جن صورتوں میں گواہی فرض عین ہو مثلاً ایک مقدمہ کے دو ہی آدمی گواہ ہوں اور کوئی شخص اس معاملہ کا عینی شاہد نہ ہو تو طلب کئے جانے کی صورت میں گواہی دینے سے انکار کرنا حرام ہے اگر کسی کے گواہی نہ دینے سے کسی

کا حق مارا گیا یا کسی بے گناہ پر زیادتی کی گئی ہو تو گواہی دینے والا گنہ گار ہو گا۔جن صورتوں میں گواہی فرض کفایہ ہو (مثلاً جہاں گواہی دینے والے بہت ہوں) وہاں طلبی پر گواہی نہ دینا سخت ناپسندیدہ بات ہے اور مسلمان کی شان سے بعید تر۔''(76)

اسی آیت پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ابن کثیر تحریر کرتے ہیں۔

''گواہوں کو چاہئے کہ جب وہ بلائے جائیں انکار نہ کریں یعنی جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس معاملہ میں گواہ رہو تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہئے جیسے کاتب کی بابت یہی فرمایا گیا ہے یہاں سے کبھی فائدہ حاصل کیا گیا ہے کہ گواہ رہنا فرض کفایہ ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ جب گواہ گواہی دینے کے لئے طلب کیا جائے یعنی جب اس سے واقعہ پوچھا جائے تو وہ نہ رکے چنانچہ ابومجلز اور ابو مجاھدؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب گواہ رہنے کے لئے بلائے جاؤ تو تمہیں اختیار ہے،خواہ جاؤ خواہ نہ جاؤ لیکن جب گواہ ہو چکے پھر گواہی دینے کے لئے بلایا جائے تو ضرور جانا پڑے گا۔''(77)

گواہی کسی بھی مقدمے کے نتیجے پر اثر انداز ہو جاتی ہے اور اس کی نوعیت کو کسی بھی طرح سے تبدیل کر سکتی ہے اور جھوٹی گواہی کسی بھی بے گناہ کو سزا دلوا سکتی ہے اور گناہ گار کو تحفظ دے سکتی ہے اگر گواہ جانبدارانہ رویہ رکھتے ہوئے یا کسی خاص دباؤ یا مفاد کے نتیجے میں گواہی پر آمادہ ہو تو یہ سراسر زیادتی کے زمرے میں آتا ہے۔لہذا قرآن حکیم گواہی دیتے وقت انصاف سے گواہی لینے کی تلقین کرتا ہے تاکہ معاشرے میں عدل کے تقاضے کما حقہ پورے ہو سکیں۔ارشاد ربانی ہے۔

''یٰاَ ایُّھاالذین اٰمَنُو کُونُو اقوامین لِلّٰہِ شُھَدَآ بَالْقِسط وَلَا یَجرِ مِنَّکُم ۔ٔشنان قوم عَلیٰ اَلَا تعدِلُو ا عدِلُو اھُو اَقرَبُ للتقویٰ وَاتقو اللہ اِن اللہ خبیرٌ بِماَ تعملُون ''(78)

ترجمہ۔اے ایمان والو اللہ کے واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے میں مستعد رہو اور ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی عداوت تم سے گواہی دینے میں بے انصافی کرائے انصاف کرو کے انصاف ہی پرہیز گاری تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ ہے۔اور اللہ سے ڈرو کیونکہ وہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔

''معاشرے میں گواہ کی حیثیت ایک نگہبان اور فوجدار کی سی ہوتی ہے کسی غیر ذمہ دار آدمی کو شہادت کی ذمہ داری اور صحتِ معاشرہ کی پاسداری کا کما حقہ احساس نہیں ہو سکتا،نہ اس کی نگاہ میں اتنی گہرائی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ ایک غیر متعلقہ اور غیر ذمہ دار شخص ہے۔''(79)

لہذا قرآن حکیم گواہ کے کردار کی چھان بین کر کے اس کے بیان پر اعتبار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے

’’يَا ايُّهَاالذين اٰمَنُو ان جَاۃ كم فاسق بَنيا فتبينُو ‘‘(80)

ترجمہ۔یعنی مومنو اگرتمہارے پاس ایسا آدمی کوئی بات کرے جس کا کردار مشتبہ ہوتو اس کی بات کی اچھی طرح چھان بین کرلیا کرو۔

’’یعنی کسی فاسق اور بدکردار آدمی کی اطلاع پرفوراً کوئی اقدام نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کی پوری تحقیق کے بعد جب اطمینان ہو جائے کہ اطلاع یا رپورٹ صحیح تھی تب کوئی کاروائی کرنی چاہئے بالخصوص آج کل کے پیشہ ور گواہوں اور پولیس ناؤتوں کے بیانات پراعتماد کرنے سے قبل اس ہدایت ربانی پرعمل کرلینا چاہئے۔‘‘(81)

’’قرآن حکیم شہادت بالقرائن Circumstantial Evidence کومعتبرقرار دیتا ہے۔‘‘(82)

قرآن حکیم میں ارشادہوتا ہے۔

’’وَراوَدتهُ الَّتِی هُوَ فی بَیتهَا عَنْ نَفْسِهٖ وَ غَلَقَتِ الا بواب وَقالت هيتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَالله اِنَّهٗ رَبِّي اَحسَنِ مَثوء اىَ اِنَّهٗ لايُفلِحُ الظّٰلِمُون وَلَقَد هَمت بهٖ وَ هَمَّ بِهَا لَولا اَن رَآىٖ برهانَ رَبِهٖ كَذٰالِكَ لِنَصرِفَ عَنهُ السوٓءَ وَالفَحشَاءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا المخلصِين وَ استَبَقَا البَابَ وَ قدَّت قمِيصَهٗ مِن دُبرٍ وَّ اَلفَيَا سَيِّدَهَا لَدَی البَابِ قَالَت مَا جَزَآءُ مَن اَرادَ بِاَ هلِكَ سُوٓءَ اِلّا اَن يسجَنِ اَوْ عَذابُ اليِمُ قَالَ هِیَ رَاوَدَتنِی عَنِ نَفسِی وَ شَهِد شاهدٌ مِن اَهلِهَا اِن كانَ قيميصُهٗ قُدَّ مِنَ الكذبين وَان كان قميصُهٗ قُدَّ مِن دُبُرٍ قَالَ انَّهٗ مِن كيدِكُنَّ اِنَّ كيدَكُنَّ عظيم يُوسُفُ اَعرِض عَن هٰذا وَ استغفِری لِذَنبِكِ اِنَّك كُنتِ مِنَ الخاطِئِينَ ‘‘ (83)

ترجمہ۔اور جس عورت کے گھر یوسف (علیہ السلام) رہے تھے وہ ان پرمفتون ہوگئی اور ان سے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے ان بہلانے پھسلانے لگی اور (گھر کے) سارے دروازے بند کردیئے اور کہنے لگی آجاؤ تم ہی سے کہتی ہوں یوسف نے کہا اللہ بچائے وہ میرا رب ہے اس نے مجھ کو کیسا اچھا ٹھکانہ دیا، ظالموں کی فلاح نہیں ہوا کرتی۔اور اس عورت کے دل میں ان کے ساتھ (فعل بد کا) پختہ ارادہ پیدا ہوگیا اور یوسف اگر اپنے رب کی برھان نہ دیکھ لیتے تو ان کے دل میں بھی اس کے ساتھ یہ ارادہ پیدا ہو جاتا اسی طرح ہم نے ان کو علم دیا تاکہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دور رکھیں۔وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے اور وہ دونوں آگے پیچھے کے دروازوں کی طرف دوڑے اور اس عورت نے انکا کرتا پیچھے سے پھاڑ ڈالا اور دونوں نے (اتفاقاً) اس عورت کے شوہر کو دروازے کے پاس کھڑا پایا۔بولی جوشخص تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اس کی سزا بجز اس کے اور کیا (ہوسکتی) ہے کہ وہ جیل خانہ میں بھیجا جائے یا اور کوئی دردناک سزا ہو۔یوسف (علیہ السلام) نے

کہا یہی مجھ سے اپنا مطلب نکالنے کو مجھ کو پھسلاتی تھی اور (اس موقع پر) اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے شہادت دی کہ ان کا کرتا (دیکھو کہاں سے پھٹا ہے) اگر آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور یہ جھوٹے اور اگر وہ کرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو (عادۃً یقینی ہے کہ) عورت جھوٹی اور یہ سچے۔ پس جب (عزیز نے) ان کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو (عورت سے) کہنے لگا یہ تم عورتوں کی چالاکی ہے بیشک تمہاری چالاکیاں بھی غضب کی ہی ہوتی ہیں اے یوسف اس بات کو جانے دو، اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ بیشک سراسر تو ہی قصور وار ہے۔

''یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی اور اس عورت کے ارادہ بد کی کوئی اور ظاہری شہادت موجود نہیں تھی۔ صرف یہ قرینہ تھا کہ ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی جو ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جان بچا کر بھاگنے اور اس عورت کے روکنے کی کوشش ہی میں پھٹ سکتی تھی۔''(84)

قرآنی شہادت کی ایک دوسری مثال قرآن حکیم میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔

''وَجَآءُوٓ أَبَاهُمۡ عِشَآءً يَبۡكُونَ قَالُواْ يَٰٓأَبَانَآ إِنَّا ذَهَبۡنَا نَسۡتَبِقُ وَتَرَكۡنَا يُوسُفَ عِندَ مَتَٰعِنَا فَأَكَلَهُ ٱلذِّئۡبُۖ وَمَآ أَنتَ بِمُؤۡمِنٖ لَّنَا وَلَوۡ كُنَّا صَٰدِقِينَ وَجَآءُو عَلَىٰ قَمِيصِهِۦ بِدَمٖ كَذِبٖۚ قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَكُمۡ أَنفُسُكُمۡ أَمۡرٗاۖ فَصَبۡرٞ جَمِيلٞۖ وَٱللَّهُ ٱلۡمُسۡتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ''(85)

ترجمہ۔ اور (ادھر) وہ لوگ اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے پہنچے کہنے لگے ابا ہم سب تو آپس میں دوڑنے لگ گئے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا۔ بس (اتفاقاً) ایک بھیڑیا (آیا اور ان کو) کھا گیا۔ اور آپ تو ہمارا کاہے کو یقین کرنے لگے ہم کیسے ہی سچے (کیوں نہ) ہوں۔ اور وہ یوسف کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے تھے۔ یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے۔ سو (خیر) خبر کرونگا جس میں شکایت کا نام تک نہ ہوگا اور جو باتیں تم بناتے ہو ان میں اللہ ہی مدد کرے۔

''یہاں ایک جلیل القدر پیغمبر نے حضرت یوسف کی قمیص اور ان کا مبینہ خون دیکھ کر ہی بغیر کسی چشم دید گواہ کے برادران یوسف کو ملزم ٹھہراتے ہوئے فرمایا بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے قرینہ قاطعہ کی بنیاد پر حضرت یعقوب کا یہ فیصلہ فوجداری معاملات میں قرینہ کے قابل قبول ثبوت ہونے کی ایک اہم مثال ہے۔''(86)

مذکورہ بالا دونوں کی آیات کریمہ سے شہادت بالقرائن کی وضاحت ہو چکی ہے۔ قرآن حکیم نفاذ عدل وانصاف

کے لئے جہاں زبانی گواہی کو اہم قرار دیتے ہوئے اس کے تمام لوازمات کو اہمیت دیتا ہے وہاں قرائنی شہادت کو بھی معاملات کے تصفیے کے لئے بنیاد بناتا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن حکیم معاشرتی زندگی میں بالکل فطری انداز میں رہنمائی کرتا ہے۔کیونکہ اگر عصر حاضر میں مشاہدہ کیا جائے تو قرائنی شہادتیں اکثر مقدمات میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہیں۔اور معاملے کی تہہ تک پہنچنے میں معاون ہوتی ہے۔

قرآن حکیم شہادت کے حوالے سے دستاویزی ثبوت کو بھی اہم قرار دیتا ہے۔اس سلسلے میں قرآنی احکامات ملاحظہ ہوں۔ارشاد ربانی تعالیٰ ہے۔

''یاایھاالذین اٰمَنُو اِذا تداینتُمْ بِدینٍ اِلیٰ اَجَلٍ مّسمًّی فاکتبُوہ و لیکتبْ بینکُم کا تِبٌ بِالعدل وَلَا یَابَ کاتبٌ ان یکتُبَ کمَا عَلّمَہُ اللّٰہ فلیکتُبْ و یسمْلِل الّذی عَلیہِ الحقُّ وَلیَتقِ اللّٰہ رَبّہٗ وَلَا یبخس مِنہُ شیئاً فاِن کان الذی عَلیہِ الحقُّ سفیھاً اَو ضعیفًا اَو لا یستطیعُ اَن یُّمِلَّ ھُوَ فلیُملِل وَلیُّہٗ بالعدل و استشھِدُو ا شَھِیدَینِ مِن رِّجالِکُم فاِن لَّم یَکُونا ر رجلین فَرَجُلٌ وَّ امرَاتانِ مِمّن ترضَونَ مِن الشّھَدَآءِ اَن تَضِلَّ اِحدٰھُمَا فتُذکِّرَ اِحدٰھُمَا الاخریٰ وَلَا یَابَ الشّھَدَآءُ اِذامَا دُعُو وَلا تسئمُوْ ا اَن تکتبُوْہُ صغیرًا اَوکبیرًا اِلیٰ اَجَلِہٖ ذٰلِکُم اَقسطُ عِندَاللّٰہِ وَاَقومُ لِلشھادۃِ وَ اَدنیٰ اَن لا ترتابو اِلّآ اَن تکونَ تجارۃً حاضِرۃً تدیر ونَھا بینَکُم فلیسَ علیکم جُناحٌ اَلّاتکتُبُوھَا وَاَشھِدُو اِذا تبا یعتُم وَلَا یُضَآرَّ کاتِبٌ وَّلا شھیدٌ فاِن تفعلوْ فاِنّہٗ فسُوقٌ بکمْ وَاتقوااللّٰہ و یعلمِکُمُ اللّٰہ واللّٰہ بِکُلِّ شِیْئٍ علیمٌ وَان کنتُم عَلیٰ سَفَرٍ وَلَم تَجِدُوا کا تِبًا فَرِھَانٌ مقبوضۃ فاِن اَمِنَ بعضکُم بعضًا فلیُؤَدِّ الّذی اؤتُمِنَ امانَتہٗ و لَیتقِ اللّٰہ ربّہٗ وَلا تکمو الشھادۃ وَمَن یّکتمھا فانہٗ اٰ نۃ قلبُہٗ واللّٰہ بِمآ تعملون علیم ''(87)

ترجمہ۔اے ایمان والو، جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا ایک میعاد متعین تک کے لئے اس کو لکھ لیا کرو،اور یہ ضروری ہے کہ تمہارے آپس میں (جو) کوئی لکھنے والا (ہووہ) انصاف کے ساتھ لکھے اور کوئی لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے،جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لکھنا سکھا دیا ہے اس کو بھی چاہئے کہ لکھ دیا کرے اور وہ شخص لکھوائے جسکے ذمہ حق واجب (الادا) ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا ہے۔اور اس میں ذرا بھی (لکھوانے میں) کمی نہ کرے۔پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر بیوقوف (خفیف العقل) ہو یا ضعیف البدن (کمزور ناتواں) ہو یا خود لکھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کا کارکن (یا وکیل) ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوا دے۔اور دو

شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ (بھی) بنالیا کرو، پھر اگر وہ دو گواہ مرد (میسر) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنالی جائیں) ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہوتا کہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی بھول جائے تو ان میں سے ایک دوسری کو یاد دلادے اور جب وہ گواھوں کو بلایا جائے تو وہ انکار نہ کردیں ۔اور تم اس کے (بار بار) لکھنے سے اکتایا مت کروخواہ وہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے ۔اللہ کے نزدیک اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور یہ زیادہ سزاوار ہے اس بات کا کہ تم (معاملہ کے متعلق) کسی شبہ میں نہ پڑومگر یہ کہ سودا دست بدست ہوجسکو باہم لیتے دیتے ہوتو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی الزام نہیں اور (اسمیں بھی اتنا ضرور کرلیا کروکہ) خریدوفروخت کے وقت گواہ کرلیا کرو اور کسی کاتب کو تکلیف نہ دی جائے اور نہ کسی گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس میں تم کو گناہ ہوگا اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ (کا تم پہ احسان ہے کہ) تم کو تعلیم فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جاننے والا ہے اور اگر تم کہیں سفر میں ہو اور (وہاں) کوئی کاتب نہ پاؤ تو ذہن رکھنے کی چیزیں ہیں جو قبضہ میں دے دی جائیں اور اگر تم میں سے ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہوتو جس شخص کا اعتبار کرلیا گیا ہے اس کو چاہیے کہ دوسرے کا حق (پورا پورا) ادا کردے اور اللہ تعالیٰ سے جو اسکا پروردگار ہے ڈرے ۔اور گواہی کو مت چھپاؤ جو شخص اس کو چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہے ۔

''اسلامی قانون شہادت کے سلسلہ میں یہ آیت نہایت اہمیت رکھتی ہے اس سے بہت سے احکام نکلتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے ۔

1 ۔دیوانی معاملات کو ضبط تحریر میں لے آنا اور دستاویز مرتب کرلینا بہتر ہے ۔

2 ۔جو شخص دستاویزات مرتب کرے وہ پوری دیانت داری اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے دستاویزات مرتب کرے دستاویز ایسی ہو کہ تمام متعلقہ فریقوں کے حقوق وواجبات کی اس میں رعایت رکھی گئی ہو ۔

3 ۔جو شخص دستاویزات مرتب کرنا چاہتا ہو اس کو دستاویز تیار کرنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے ۔

4 ۔دستاویزات کا مضمون وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق بنتا ہو، یعنی جس پر Liability عائد ہوتی ہے ۔

5 ۔اگر وہ شخص جس کے ذمہ حق بنتا ہو خود دستاویز کا مضمون نہ لکھوا سکے اس کا ولی (ایجنٹ یا وکیل) اس کی طرف یہ کام کردے ۔

6 ۔عام دیوانی معاملات میں گواہی کا نصاب دو مسلمان مرد ہیں اگر دو مسلمان مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد موجود

نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں بھی گواہ بن سکتی ہیں ۔

7 ۔ گواہ ایسے لوگ ہوں جن کی سیرت و کردار سے گواہ بنانے والا راضی و مطمئن ہو ۔

8 ۔ گواہ کو جب گواہی دینے کے لئے بلایا جائے یا اس کی ضرورت پڑے تو اس کی گواہی دینے سے انکار نہیں کرنا چاہئے ۔

9 ۔ روزمرہ لین دین میں دستاویز لکھنا ضروری نہیں ۔

10 ۔ ہر قسم کا لین دین میں گواہ بنا لینا مفید ہے ۔

11 ۔ گواہ کو گواہی دینے میں کسی مشکل یا وقت میں نہ ڈالا جائے ۔

12 ۔ کسی دستاویز نویس کو بھی مشکل یا دقت میں نہ ڈالا جائے ۔

13 ۔ اگر سفر وغیرہ کی وجہ سے دستاویز کا لکھا جانا ممکن نہ ہو تو ذہن سے کام لیا جا سکتا ہے ۔

14 ۔ اگر فریقین کے باہمی تعلقات بہت قریبی اور پر اعتماد ہیں تو ذہن کی بھی ضرورت نہیں ۔

15 ۔ گواہی کا چھپانا جائز نہیں ۔''(88)

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں دستاویزی حکم کے ''بارے میں فقہا کا یہ خیال ہے کہ تحریر کا یہ حکم صرف منتخب ہے واجب نہیں ۔''(89)

تفسیر مظہری میں اس آیت کریمہ کے ضمن میں فاکتبوہ کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے ۔

''یعنی آئندہ نزاع کو دور کرنے اور معاملہ کو پختہ کرنے کے لئے عقد کو (مع تفصیل) لکھ لیا کرو ۔ جمہور کے نزدیک لکھنے کا حکم استحبابی ہے ۔ واجب نہیں اگر نہ لکھا جائے تب بھی کوئی ہرج نہیں جیسے آیت فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشرو میں نماز ختم ہو جانے کے بعد منتشر ہو جانے کا حکم ہے بعض علماء نے امر کو وجوبی کہا ہے یعنی لکھ لینا واجب ہے ۔ شعبی نے کہا رہن اور قرض کو مع گواہوں کے لکھنا فرض تھا ۔ لیکن آیت فان امن بعضکم بعضا فلیو د الذی ائو تمن امانتہ سے وجوب منسوخ ہو گیا ۔ میں کہتا ہوں ناسخ کا زمانہ منسوخ سے پیچھے ہونا چاہئے اور مذکورہ دونوں آیتیں ایک ہی وقت میں نازل ہوئیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریر وغیرہ کا حکم استحبابی ہے ۔''(90)

قرآن حکیم انسانی معاشرے میں امن و سکون کی فضاء کو یقینی بنانے کے لئے ایسے قوانین دیتا ہے جس سے معاشرے میں بدی کا استیصال ہوتا ہے اور جرائم کی بیخ کنی ہوتی ہے ۔ اسلام کے نظام حدود و تعزیرات پر بعض عناصر تنقید کرتے نظر آتے ہیں، لیکن حضرت شاہ ولی اللہ حدود کی اہمیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

''بعض معاصی کے ارتکاب پر شریعت نے حد مقرر کی ہے یہ وہی معاصی ہیں جن کے ارتکاب سے زمین پر فساد پھیلتا، نظام تمدن میں خلل پیدا ہوتا ہے اور مسلم معاشرے کی طمانیت اور سکون قلب رخصت ہو جاتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ وہ معاصی کچھ اس قسم کی ہیں کہ دو چار بار ان کا ارتکاب کرنے سے ان کی لت پڑ جاتی ہے اور پھر ان سے پیچھا چھڑانا دشوار ہو جاتا ہے اس طرح کے معاصی محض آخرت کے عذاب کا خوف دلانا اور نصیحت کرنا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ ضروری ہے کہ ایسی عبرت ناک سزا دی جائے کہ اس کا مرتکب ساری زندگی معاشرے میں نفرت کی نگاہ دیکھا جاتا رہے اور سوسائٹی کے دیگر افراد کے لئے سامان عبرت بنا رہے۔ اور اسکے انجام کو دیکھ کر بہت کم لوگ اس قسم کا جرم کرنے کی جرات کر سکیں۔'' (91)

درج بالا مصلحت کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن حکیم نے حدود نافذ کی ہیں۔ اگر چہ ''اسلامی نظام میں سزائیں سخت اور عبرت ناک Examplary ضرور ہیں لیکن اسی مناسبت سے شہادت کا معیار بھی مقرر کیا گیا ہے اور جھوٹی شہادت دینے پر سخت سزا رکھی گئی ہے۔ اس کے برخلاف ہمارے ملک کی عدالتوں میں (جہاں قدیم برطانوی دور کے قوانین رائج ہیں) شہادت کا کوئی خاص معیار نہیں ہے اور نہ جھوٹی شہادت دینے پر سخت سزا دی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیشہ ور گواہوں اور پولیس کے ٹاؤٹوں کا ایک اچھا خاصہ گروہ پیدا ہو چکا ہے جس کا ذریعہ معاش ہی جھوٹی گواہی دیکر پیٹ پالنا رہ گیا ہے۔ اسلامی نظام میں ایسا نہیں ہے۔ اسلام شہادت دینے کو ادائے امانت سے تعبیر کرتا ہے اور اس نظام میں شاھد اور شہادت کے لئے کڑے معیار مقرر کئے گئے ہیں۔'' (92)

لہٰذا قرآن حکیم عادل افراد کو گواہ ٹھہرانے کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

''وَاَشهدو ذوىَ عَدلٍ منكم وَ اَقيمو الشهادَةَ لِلّٰه '' (93)

ترجمہ۔ اور اپنے میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ ٹھہرالو اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے دو۔

مذکورہ آیت میں قرآن حکیم گواہ کے لئے معتبر ہونا ضروری قرار دیتا ہے۔ یہ صفت عدل اس کے اندر موجود ہو، امام ابو حنیفہ کے نزدیک عادل کی صفات کیا ہیں ملاحظہ ہوں۔

''ہر وہ شخص جو کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرے، حرام نہ کھائے، حرام کاری نہ کرے، صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرے، اس کی نیکی کا پہلو برائی کے پہلو پر غالب ہو اور بظاہر حیادار ہو، عادل مانا جائے گا۔'' (94)

جہاں قرآن حکیم گواہ کے اندر اعلیٰ اخلاقیات کو ضروری قرار دیتا ہے وہاں گواہ کی بلوغت کو بھی ضروری قرار دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

''واشهدو اشهدين من رجالكم '' (95)

ترجمہ۔اپنے مردوں (بالغوں) میں سے گواہ پیش کرو۔

اس آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے تفسیر مظہری کے مصنف رقمطراز ہیں۔

''بچہ کی شہادت ہمارے نزدیک نا قابل قبول ہے وہ مرد نہیں ہے۔امام مالک،امام شافعی،امام احمد اور عموماً علماء کا یہی مسلک ہے بچہ کی شہادت نا قابل قبول ہے یہ فیصلہ اجماعی ہے۔''(96)

''قرآن حکیم کا قانون شہادت اس معنی میں بے مثل ہے کہ وہ کسی کا جھوٹا اور بے ایمان ثابت ہو چکنے والے گواہ کو اس کے بعد ہمیشہ کے لئے عدالت میں پیش ہونے سے روک دیتا ہے مزید یہ کہ اگر مدعی دعویٰ ثابت نہیں کر سکتا تو وہ سزا کا مستوجب ہے اور ہمیشہ کے لئے گواہی سے روک دیا جاتا ہے۔''(97)

ارشاد الٰہی ہے۔

''وَلَا تقبَلُو الھم شھادَۃَ اَبَدَ وَاُولٰئِکَ ھُمَ الفاسِقُونَ اِلَّا الذین تابو ''(98)

ترجمہ۔ان کی شہادت کبھی نہ قبول کرو اور وہ لوگ فاسق ہیں بجز ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی۔

اسی سورہ مبارکہ میں ارشاد ہوتا ہے جو جھوٹی گواہی دینے والوں کے لئے سزا تجویز کرتا ہے۔ارشاد ربانی ہے۔

''والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتو اباربعۃ شھدآء فاجلدوھم ثمٰینن جلدۃً ''(99)

ترجمہ۔اور وہ جو عیب لگائیں پاک دامنوں پر ، پھر چار گواہ نہ لائیں ان کو اسی کوڑے لگاؤ۔

''آج کل ہمارے معاشرے میں پیشہ ور گواہوں کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا ہے جو روپے لے کر ہر قسم کی جھوٹی گواہی دینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔اسلام ایسے لوگوں کو سخت تنبیہ کرتا ہے گواہی دینے سے مقصود دنیا کی منفعت نہ ہونا چاہئے گواہی خالص اللہ کے لئے ہے۔اس کا اجر بھی اللہ کے ہاں ملے گا جو لوگ گواہی کو اپنا پیشہ بنا کر اس سے دنیا کی کمائی کرتے ہیں وہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔''(100)

شریعت نے جہاں جھوٹی گواہی دینے والوں کی مذمت کی ہے وہاں ان کے لئے سزائیں بھی تجویز ہوئی ہیں۔

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں مختلف فقہا نے جھوٹی گواہی دینے والوں کے لئے مختلف سزائیں تجویز کی ہیں۔

حنفی مسلک کے مطابق:

امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق ''قاضی کے لئے کافی وہ جھوٹی شہادت کے جرم میں جھوٹی گواہی دینے والے کی تشہیر کرائے اور اس کو سزا نہ دے۔اس کے برخلاف صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) جھوٹی گواہی دینے کے لئے تعزیر اور قید کے قائل ہیں جس کی مقدار کا تعین قاضی خود اپنی صوابدید سے کرے گا۔سزا کے

بارے میں امام ابو یوسف سے پچاس اور ستر کوڑے بھی منقول ہیں۔امام سرخی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عمرؓ کا ایک قول بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جھوٹے گواہ کے 40 کوڑے مارے اور اس کے چہرے کو کالا کر کے گشت کرایا۔''(101)

شافعی مسلک کے مطابق:

شافعی مسلک کی مستند کتاب المذہب میں لکھا ہے۔

''جب یہ ثابت ہو جائے کہ شاہد جھوٹا ہے تو امام کے لئے جائز ہو گا کہ وہ چاہے تو اس کو جسمانی سزا (ضربات) دے یا قید کرے یا تنبیہ کرے اور چاہے تو اس شخص کو اس کے بازار، جائے رہائش اور قبیلے میں پھرائے اور منادی کرائے کہ اے لوگو، جان لو کہ اس شخص نے جھوٹی گواہی دی ہے۔''(102)

حنبلی مسلک کے مطابق:

علامہ ابن قدامہ المقدسی حنبلی نے لکھا ہے۔

''جب حاکم جھوٹی شہادت سے واقف ہو جائے تو اسے چاہئے کہ جھوٹی شہادت دینے والے کو تعزیر دے اور اسکو ان مقامات پر گشت کرائے جہاں وہ شہرت رکھتا ہو اور یہ اعلان کرا دیا جائے کہ یہ شخص جھوٹی شہادت دینے والا ہے اس سے بچو۔''(103)

حنبلی مسلک کے مطابق:

''مالکی فقہا بھی مذکورہ بالا شافعی اور حنبلی نقطۂ نظر سے متفق ہیں ان کے نزدیک رشوت لے کر گواہی دینے والے کے حق میں بھی یہی سزا ہے۔''(104)

اور اسی طرح شیعہ مسلک کے مطابق:

''جھوٹی گواہی کی صورت میں جس کسی معاملے میں گواہی دی گئی ہے۔اگر وہ مالی معاملہ اور حاکم فیصلہ کر چکا ہے تو فیصلہ رد کر دیا جائے گا اور مال (مدعی) سے واپس لے لیا جائے گا اگر واپسی مشکل ہو تو گواہوں پر تاوان عائد ہو گا اور اگر سزا کا معاملہ ہو اور سزا دے دی گئی ہو تو شاھدوں سے قصاص لیا جائے گا۔''(105)

اسلامی معاشرے میں ریاست کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ سچے اور ایماندار گواہوں کے جان و مال و عزت کی ہر وقت حفاظت کرے تاکہ وہ کسی کے دباؤ میں آکر اپنا بیان نہ بدلیں اور اپنے ضمیر کی آزادی کے ساتھ گواہی دیں۔اس سلسلے میں قرآن حکیم ملاحظہ ہو۔

''وَ لَا یضار کا تب و لا شھید ''(106)

ترجمہ۔اور کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچے۔

''گواہ کے جسم و جان کی حفاظت دستور کی تاریخ میں عظیم انقلاب ہے گواہ احقاق حق اور ابطال باطل میں کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔وہ ایک طرف مدعی اور مدعا علیہ کے دعوؤں اور حقوق کے صحیح تعین میں مدد دیتا ہے اور دوسری طرف حکومت اور مدعی کے درمیان حق و دیانت کا رابطہ ہے گواہ ملک و معاشرے کی عام دیانت، اخلاقی حالات جانچنے کا پیمانہ ہے گواہ کی اس کلیدی اور محوری حیثیت کے پیش نظر اسلامی نظام عدالت کے قواعد وضوابط اور اصول وقوانین میں اس کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے۔دوسرے نظاموں میں مدعا علیہ یا بسا اوقات حکومتیں جب گواہ ان کے خلاف مقدموں میں پیش ہوں گواہوں کو غیر قانونی طور پر روکنے کے غلط اور ناجائز ہتھکنڈے استعمال کرتی ہیں قرآن کے قانون شہادت کی یہ دفعہ پوری انسانیت کے لئے راہ ہدایت ہے۔''(107)

قرآن حکیم جہاں جھوٹی گواہی دینے والوں کے لئے سزا تجویز کرتا ہے۔وہاں سچی گواہی پر قائم رہنے والوں کو آخرت میں کامیابی اور جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ارشادالٰہی ہے۔

''والـذیـن ھُم بِشَھٰدٰ تِہِم قَآئِمُونَ وَالَّذِینَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِہِم یحَافِظُون أولٰئِکَ فِی جَنّٰتٍ مُکرمُون فَمَالِ الَّذِین کَفَرو ا قِبَلَکَ مُھطعِین عَن الْیمِینِ وَعَنِ الشماَلِ عزِیزَ ''(108)

ترجمہ۔جو اپنی گواہیوں میں راست بازی پر قائم رہتے ہیں، اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں یہ لوگ عزت کے ساتھ جنت کے باغوں میں رہیں گے۔پس اے نبی ﷺ کیا بات ہے کہ یہ منکرین دائیں اور بائیں سے گروہ در گروہ تمہاری طرف دوڑے چلے آرہے ہیں۔

اور پھر خالق کائنات نے اپنے خاص بندوں کا وصف بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ارشادربانی ہے۔

''وَالذِینَ لَا یشھَدُونَ الزُّو روَ اِذا مَرّو باِلّلغوِ مَرّوا کِراماً ''(109)

ترجمہ۔(اوراللہ کے خاص بندے وہ ہیں) جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور اگر (اتفاقاً) بیہودہ مشاغل کے پاس ہو کر گزریں تو سنجیدگی سے گزر جاتے ہیں۔

درج بالا آیات میں اللہ کے نیک بندوں کے اوصاف بیان ہو رہے ہیں۔جن میں ایک وصف سچی گواہی دینا ہے اور اس پر قائم رہنا ہے۔''قرآن مجید کا یہ ایک عام اسلوب ہے کہ وہ خبر یہ انداز میں بہت سی ہدایات اہل ایمان کو دیتا ہے۔یہ اسلوب حکیمہ Imperative کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بلغ اور موثر ہوتا ہے۔آپ بچے

سے کہیں کہ چوری مت کرو اس کا اثر کہیں کم ہو گا بہ نسبت اس کے کہ اگر آپ اس سے کہیں دیکھو اچھے بچے چوری نہیں کرتے ۔''(110)

نتیجہ بحث:

قرآن حکیم کی آیات کی روشنی میں شہادت کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی اور مختلف مفسرین اکرام کی رائے بھی سامنے آئی ۔اس سے درج ذیل نکات سامنے آئے ۔

☆ شہادت اللہ تعالی کی طرف سے ایک امانت ہے جسے ادا کرنا بندے کے لئے ضروری ہے ۔

☆ شہادت کا چھپانا قرآن کریم کی نظر میں گناہ ہے ۔

☆ ہر طرح کے دباؤ، مفادات اور تعلقات سے بالاتر ہو کر گواہی دینا ہے ۔

☆ فقط اللہ تعالی کی رضا جوئی اور اسی پر بھروسہ کرتے ہوئے بلاغرض وحرص گواہی دینی چاہیے ۔

☆ شہادت دیتے وقت تمام واقعات کو صحیح اور صاف انداز سے اس طرح بیان کرنا تا کہ جج کو درست فیصلہ تک پہنچنے میں آسانی ہو ۔

☆ شہادت دیتے وقت عدل وانصاف سے کام لینا ضروری ہے ۔

☆ جھوٹی گواہی دینے والوں کی سزا ضروری ہے تا کہ باقی جھوٹی گواہی دینے والے اس سے اجتناب کریں ۔

درج بالا نکات سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن حکیم جہاں معاشرے میں جرائم کے خاتمے کے لئے حدود تعزیرات کا نظام دیتا ہے ۔وہاں شہادت کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتا ہے شہادت کے اسی بلند معیار کی وجہ سے گذشتہ اسلامی ادوار میں مثالی عدل قائم رہا اور پورا انسانی معاشرہ عدل وانصاف کے ثمرات سے بہرہ مند رہا ۔

شہادت کی اہمیت احادیث کی روشنی میں:

اسلامی نظام حیات میں دوسرا بڑا ذریعہ قانون اور رہنمائی احادیث رسول ﷺ ہیں ۔آپ ﷺ نے قرآن حکیم کے اس نظام عدل کی نہ صرف وضاحت فرمائی بلکہ اسے عملی شکل دینے کے لئے ایک واضح نظام فکر دیا ۔ شہادت کی چونکہ نظام عدالت میں کلیدی حیثیت حاصل ہے لہٰذا قرآن حکیم کے بعد احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں اس کی اہمیت پیش خدمت ہے ۔

شہادت کی حقیقت زبان نبوی ﷺ میں ملاحظہ ہو ۔

''عن ابن عباس انه قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الشهادة قال هل ترىٰ الشمس قال نعم قال على مثلها فاشهد''(111)

ترجمہ۔حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے شہادت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے سوال فرمایا کیا تم سورج کو دیکھ رہے ہو، سائل نے جواب دیا جی ہاں تب آپ نے ارشاد فرمایا (اسی طرح کسی واقعہ کو دیکھ لینا) تو شہادت دینا۔

''یعنی شہادت دینا بچوں کا کھیل نہیں بلکہ ادائے امانت ہے لہذا جب تک کسی چیز کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے اس وقت تک شہادت نہیں دینا چاہئے۔''(112)

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ یہ نشاندہی کرتی ہے کہ''محض سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر گواہی نہیں دینی چاہئے جب تک دیکھنے والے کو اچھی طرح یقین نہ ہو کہ اس نے کیا سنا اور کیا دیکھا تھا اس وقت تک گواہی دینا جائز نہیں۔''(113)

رسول اکرم ﷺ نے قرآن حکیم کی عادلانہ تعلیمات کو معاشرے میں غالب کرنے کے لئے ان کی نہ صرف تشریح فرمائی بلکہ اپنی عملی زندگی میں ان پر عمل کر کے رہتی دنیا کے لئے نمونہ پیش کر دیا۔آپ ﷺ نے مسند عدل پر سچائی کے ساتھ ساتھ اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کے تلقین فرمائی ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

''عن اُمِّ سَلمۃَ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّ رَسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما اَنا بَشرٌ وَّ انَّکم تحتصمون اِلیَّ وَ لَعَلَ بعضُکم اَن یُّکُون اَلحَنَ یُحجتہٖ مِن بعضٍ فَاَقضِی کہٗ عَلیٰ نَحوِمَا اَسمَعُ مِنہُ فَمَنْ قَضَیتُ لَہٗ بِشئیٍ مِن حَقِ اَخِیہِ فَلَا یَاخُذ مِنہُ شَیئًا فَاِنَّمَا اَقطَعُ لَہٗ قِطعَۃً مِنَ النَّار ''(114)

ترجمہ۔ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں بھی بشر ہوں اور تم میرے پاس لڑتے جھگڑتے آتے ہو شاید تم میں سے کوئی باتیں بنا کر اپنے دعوے کو ثابت کرے پھر میں اس کے موافق فیصلہ کر دوں اس کے کہنے پر تو جس شخص کو میں اس کے بھائی کا حق دلا دوں وہ نہ لے کیونکہ میں ایک انگارہ آگ کا اسکو دلاتا ہوں۔

اس حدیث کے ضمن میں امام مالک رقمطراز ہیں۔

''یعنی جیسے اور لوگوں کو غیب کا حال معلوم نہیں ظاہر پر حکم کرتے ہیں ویسا ہی مجھکو ہر ایک بات غیب کی معلوم نہیں اس حدیث سے رد ہو گیا ان لوگوں کا جو سمجھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو ہر ایک بات غیب کی معلوم تھی یعنی میرے حکم دینے کی وجہ سے یہ نہ سمجھے کہ غیر کا حق اڑا لینا درست ہو گیا۔بلکہ اگر وہ جھوٹا ہے تو فیصلہ ہو جانے کے بعد بھی اللہ سے ڈرے اور اپنے بھائی کا مال یا حق نہ دیا جائے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاضی کی قضاء ظاہر میں نافذ ہوتی ہے نہ کہ باطن میں یہی مذہب ہے ائمہ ثلاثہ کا مگر ابو حنیفہ کے نزدیک معاملات میں جیسے نکاح اور بیع اور

شراء اور طلاق میں قاضی کا حکم باطن میں بھی نافذ ہو جاتا ہے مثلاً ایک عورت نے جھوٹ موٹ گواہ قائم کر دیئے نکاح پر اور قاضی نے نکاح کا حکم کر دیا تو مرد کو اس عورت سے جماع درست ہو جائے گا یا عورت نے جھوٹ موٹ طلاق کے اوپر گواہ قائم کر دیئے اور قاضی نے طلاق کا حکم کر دیا تو اس عورت کو دوسرے مرد سے نکاح درست ہو جائے گا۔ یہ قول ابو حنیفہ کا احادیث صحیحہ کے برخلاف ہے۔''(115)

حدیث مذکورہ میں ایک عادلانہ طرز عمل کو پروان چڑھانے کے لئے ایک اساسی اصول کی طرف رہنمائی کی گئی ہے اس اصول کے یہ الفاظ ''فاقضی علی نحوما اسمعً (پس میں جو سنوں اس کے مطابق فیصلہ دے دوں) اور فاحسب انه صادق (اور میں سمجھوں کہ وہ سچا ہے)''(116) اس اصول کی بنیاد ہیں یہ طے کرتے ہیں کہ مقدمات ظاہری شہادت پر فیصل ہوتے ہیں۔

اسی اصول کی تشریح کرتے ہوئے ابن عربی یہ قاعدہ وضع کرتے ہیں کہ فیصلہ ظاہری شہادت پر ہوگا اس کے پوشیدہ معنی پر نہیں ہوگا۔ آپ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

''ان القضاء انما یکون بظاهر القول لا بباطن الحال فان کا ن الحکم فی الظاهر بما لا یحل له فی الباطن '' (117)

''رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ عدالتی نظام میں سب سے زیادہ اہمیت عدالت میں پیش کئے جانے والی شہادت کو حاصل تھی۔ فریقین تنازعہ کو اپنا مقدمہ اور اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کی پوری آزادی دی گئی تھی۔ تفصیلی تحقیق اور تفتیش کے ذریعے جرم سرزد ہونے کے اصل حالات عدالت کے علم میں لائے جاتے۔ مقدمہ کے فیصلہ کا قطعی انحصار ظاہری شہادت پر کیا جاتا''(118) یہ طریقہ کار مندرجہ بالا اصول پر مبنی تھا۔

رسول خدا حضرت محمد ﷺ نے شہادت کے حوالے سے بلاغت کو ضروری قرار دیا ہے تا کہ شہادت کا معیار بہتر سے بہتر ہو اور انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ لہذا آپ ﷺ نے بچوں کی بلوغت کی حد کی وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''بلوغِ الصّیبان وَشَهَادَتِهِمْ وَقَولُ اللّٰه تعالیٰ وَاِذَا بَلَغَ الاَ طَفَالُ مِنْکُم الحلمَ فَلْیتا ذِنُوَ وَقَالَ مغیرةٌ اِحتَمَلَتُ وَاَنَا بِنُ مِثنَتِی عَشرَة سَنَةً وَبَلُوغِ النّسآءِ فی الحَیض لقوله عَزّوجَلَّ واللّٰهِ بئِی یَئِسن مِن المَحِیضِ اِلیٰ قولِهٖ اَن یّضِعْنَ جَلهُنّ وَقَالَ الحَصَنُ بنُ صَالِحٍ اَورَ کْتُ جَارَةً لَنَا جَدَّةً بِنتَ اِحدی و عِشرِین مَسقَةً ''(119)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادہ کہ ''جب تمہارے نچلے احتلام کی عمر کو پہنچ جائیں تو پھر انہیں (گھروں میں جانے کے

لئے)اجازت لینی چاہئے مغیرہؓ نے فرمایا، کہ میں احتلام کی عمر کو پہنچا تو میں بارہ سال کا تھا۔اورلڑکیوں کا بلوغ حیض سے معلوم ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ جو عورتیں حیض سے مایوس ہو چکی ہیں۔''اللہ تعالیٰ کے ارشاد ان یضعن حملھن تک حسن بن صالح نے فرمایا کہ میں نے اپنی ایک پڑوسن کو دیکھا کہ وہ اکیس سال کی عمر میں دادی بن چکی تھی۔

لڑکوں کی بلوغت کے حوالے بخاری کی ایک اور روایت ملاحظہ ہو۔

''حَدَّثنَا عَبيدالله بن سعيدٍ حَدَّثنَا اَبَو اِسَامته قَالَ محمد ثنی عبيد الله قَالَ حَدَّثني نَافِعٍ قَالَ حَدَّثَنِی ابن عُمَيرؓ اَنَّ رَسوْلَ الله صَلّی الله عليه وسلم عَرَضَهٗ يُومَه اُحُدٍ وَهُوَ بن اَرْبَعَ عَشْرَة مَنَةً فَلَمْهٗ يُجِزنِی ثُمَّ عَرَضَي يُومَر الخَنْدَقِ وَاَنَا ابن خيس عَشَرةُ فَاَجَاز نِی قَالَ نَافِعُ فَقَدِمت عَلیٰ عُمَرَ بن عَبدِالعزيزُ وَهُوَ خليفتُه فَجَرَّ ثْتُه هَذَا لحَدِيثَ فَقَالَ اِنَّ هَذَا الحَدَّ بَينَ الصَّغِيرِوَالکَبِير وَکَتَبَ اِلیٰ عُمّالِهٖ اَنْ يُفرَضُوْ الِمَن بَلَغَ خَمسَ عَشَرَةَ ''(120)

ترجمہ۔ھم سے عبداللہ بن سعید نے حدیث بیان کی ان سے ابوا سامہ نے حدیث بیان کی کہ کہا کہ مجھ سے عبیداللہ نے حدیث بیان کی کہا کہ مجھ سے نافع نے حدیث بیان کی ،انہوں نے بیان کیا کہ ھم سے ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ احد کی لڑائی کے موقع پر وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے محاذ پر جانے کے لئے پیش ہوئے تو انہیں اجازت نہیں ملی۔اس وقت ان کی عمر چودہ سال تھی پھر غزوہ خندق کے موقع پر اجازت مل گئی اس وقت آپکی عمر پندرہ سال تھی۔نافع نے بیان کیا کہ جب میں عمر بن عبدالعزیزؒ کے یہاں ان کی خلافت کے زمانے میں گیا تو میں نے ان سے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ چھوٹے اور بڑے کے درمیان یہی حد ہے۔پھر انہوں نے اپنے عاملوں کو لکھا کہ جس بچے کی عمر پندرہ سال ہو جائے (اس کا فوجی وظیفہ) بیت المال سے مقرر کردیں۔

''صحابہ اکرام اور فقہائے مدینہ نے بچوں کی شہادت کے معاملے میں یہ طرز عمل اختیار کیا ہے کہ جب کہ ان بچوں کے مابین آپس میں کوئی حادثہ رونما ہو جائے (یعنی عندالضرورت یہاں بچوں کی گواہی بھی قبول ہو گی)اس لئے کہ مرد بچوں کے ساتھ ان کے کھیلوں میں شریک نہیں ہوتے۔اگر ان بچوں کی اور تنہا عورت کی گواہی قبول نہیں کی جائے تو بہت سے حقوق غلبہ ظن یا گواہوں کی قطعی صداقت کے باوجود ضائع معطل اور مہمل ہو جائیں گے۔''(121)

لب لباب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں مسلمان فقہاء نے شہادت کے حوالے سے

مخصوص حالات میں بچوں کی شہادت کو قبول کیا ہے ۔لیکن عمومی فیصلہ یہی ہے کہ شہادت دینے والا مرد عاقل و بالغ ہو ۔کیونکہ بلوغت کا ہونا ایک فرد کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو مستحکم کرتا ہے ۔اور وہ اچھی طرح ایک واقعہ اور جبر کا تدارک کر سکتا ہے اور اسے ذہن نشین کر کے درست انداز سے بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔

بچوں کی شہادت کے حوالے سے فقہاء کی آراء مختلف ہے''امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف محمد اور زفر رحمتہ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ کسی معاملے میں جائز نہیں ہوگی ، یہی قول ابن شبرمہ اور ثوری و شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم کا ہے اور ابن ابی لیلیٰ رحمتہ اللہ علیہم نے بچوں کی شہادت کو بچوں کے حق میں جائز کیا ہے اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ محض مار پیٹ کا معاملہ میں جو بچوں کے درمیان واقع ہو ، اس میں ان کی شہادت جائز ہوگی ۔ دوسروں کے حق میں یا خلاف جائز یہ ہوگی اور ان کے درمیان بھی اس وقت جائز ہوگی جب کہ بوقت واقعہ مجتمع رہے ہوں متفرق نہ ہوئے ہوں اور اس وقت حاضر ہو گئے ہوں معاملہ کو بخوبی سمجھ لیا ہو ۔لیکن اگر متفرق ہو گئے تو شہادت مقبول نہ ہوگی یا یہ کہ انہوں نے اپنی شہادت پر اپنے متفرق و ہونے سے قبل لوگوں کو شاھد بنا دیا ہو نیز ان بچوں کی شہادت مقبول ہوگی جو لڑکے ہوں لڑکیوں کی شہادت مقبول نہ ہوگی ۔قتادہ نے بروایت حضرت عثمان و ابن زبیرؓ سے بچوں کی شہادت کا باطل ہونا منقول ہے اور حضرت علیؓ سے بچوں کی شہادت کا بچوں خلاف باطل ہونا بھی منقول ہے اسی طرح حضرت عطاؒ سے مروی ہ کہ عبداللہ بن حبیب بن ثابتؒ نے کہا کہ کسی نے حضرت شعبیؒ سے کہا کہ ایا س معاویہؓ بچوں کی شہادت میں کوئی حرج تصور نہیں کرتے ۔''(122)

رسول خدا ﷺ نے گواہ کو پابند فرمایا کہ وہ حق کے لئے اور سچی گواہی دے ۔کیونکہ بغیر سچی گواہی کے انصاف کے تقاضے پورے نہیں کئے جا سکتے آپ ﷺ کے نزدیک سچی گواہی اتنی اہم تھی کہ آپ نے جھوٹی گواہی دینے والے کو شرک کے برابر قرار دیا ۔آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ۔

'' حَدثنا ابو بکر بن اَبی شیبۃَ محمد بن عبید ثَنَا سفیان العصفری لمن ابیہ لمن حبیب ابن النعمان الاسدِیّ عن خریمِ بَن فَاتِكَ الاَسَدِی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اِلصّبحَ فَلَمّہٗ انصرَفَ قام قآئمًا فقال غدِلَت شھَادۃُ الزّور بالاشراك باللہ ثلث مّرّاتٍ ثُمّ تلا ھٰذِہٖ اِلاَ یَتّہ و اجتنبو قول الزور حُنَفَاءَلِلّٰہِ غیرَ مُشرکِینَ بِہٖ'' (123)

ترجمہ ۔ابن شیبہ، محمد بن عبید ، سفیان ، عصغری حبیب بن النعمان الاسدی، خریم بن فاتک الاسدی نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی اور نماز پڑھ کر آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ کے

ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے ۔ یہ بات آپ ﷺ نے تین بار فرمائی پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی واجتنبو اقول الزو رخنفآ ءَلِلّٰہ غیرَ مشرکین اسی طرح کی ایک اور روایت سے جھوٹی گواہی کی سخت مذمت کا اظہار ہوتا ہے ۔ سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو ۔

''عَن ابن عُمَرَ قَالَ رَسُولَ اللہ صَلَّی اللّٰہِ علیہ وَ سَلَّم لَن تَزُولَ قَدمَا شا ھِدِ الزُّورِ حَتّٰی یُوجِبَ اللّٰہُ لَہُ النَّار '' (124)

ترجمہ ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جھوٹے گواہ کے قدم اس وقت اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے جب تک اللہ تعالیٰ اس کے لئے جہنم کو واجب نہ کر دے ۔

''گویا ایک جھوٹا اور بد دیانت گواہ جب عدالت میں آ کر جھوٹی گواہی دیتا ہے یا حقائق کے بیان کرنے میں کمی بیشی کرتا ہے یا فریق مخالف کا حق مارنے کی غرض سے توڑ مروڑ کر بات کرتا ہے تو وہ ابھی کمرہ عدالت میں اپنی جگہ کھڑا ہوتا ہی ہے کہ اس کے اپنی جگہ سے ہٹنے سے قبل ہی اس کے لئے جہنم کا حکم ہو جاتا ہے ۔ اس طرح وہ روز قیامت اپنے اعمال کا حساب کتاب دینے کے لئے خالق کائنات کے حضور کھڑا ہوگا تو اس کو کھڑے کھڑے جہنم میں پھینک دینے کا حکم دے دیا جائے گا ۔'' (125)

آپ ﷺ نے گواہ کے لئے ایک اخلاقی معیار بیان کیا جس کا حامل فرد ہی گواہی کا اہل ہو سکتا ہے ۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو ۔

''حَدثنا اَیُّوب بن محمد نِ الرَّقِی ثَنَا المُعمر ابن سلمان ح و حدثنا محمد بن یحیٰ ثنا یزید بن ھارون قالا ثنَا حَجَّاجُ بن اَرطاۃٍ عَن عمرو بن شعیبٍ عَن اَبیعِنَ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ رَسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تجُوزُ شَھَادَۃُ خَاَئِنِ و خاَ دنۃِ وَلَا محمد و بِ الا سلام وَلَا ذی غَمَرٍ عَلیٰ اَخیہٗ ''(126)

ترجمہ ۔ ایوب بن محمد الرقی معمر بن سلیمان، محمد یحیٰ یزید بن ھارون حجاج، عمرو بن شعیب، شعیب عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہ تو خیانت کرنے والے اور خیانت کرنے والے کی شہادت جائز ہے نہ اس شخص کی جسے اسلام میں حد لگ چکی ہو اور نہ اپنے بھائی سے حسد کرنے والے کی ۔

اس سے ملتی جلتی ترمذی کی بھی ایک روایت ہے جس میں گواہ کی اہلیت بیان کی گئی ہے ۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے

''عَن عَآئشۃ قَالَت قَالَ رَسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجُوزُ شَھَادَۃُ خَآئِنٍ وَلَا خَآمَنِۃٍ وَلَا مَجلُودٍ حَدٌّ وَلَا مَجلُودَۃٍ وَلَاذِی غمرٍ لا حیہ وَلَا مُجَرَّبٍ شَھَادَۃٍ وَلَا القَانِع اَھلَ

البیتِ لَھُم وَلَا ظنین فی وَلَآءٍ وَّلا قرابَۃٍ قَالَ الفرّاری القانع التابِعُ ''(127)

ترجمہ۔روایت ہے عائشہؓ سے کہ فرمایا رسول خدا ﷺ نے جائز نہیں اور مقبول نہیں شہادت خائن مرد کی اور نہ عورت کی جو خیانت کرنیوالی ہو اور نہ اس کی جس کو پڑ چکی ہو حد۔خواہ مرد ہو یا عورت اور نہ عداوت رکھنے والا اپنے بھائی سے یعنی دشمن کی گواہی دشمن پر اور نہ اس کی گواہی کہ جس کی ایک گواہی جھوٹی آزما چکے ہیں اور نہ گھر کے قانع کی اور نہ تہمت زدہ کی جو جھوٹ کے ساتھ مشہور ہو چکا ہے۔

اور ابوداؤد کی ایک روایت ہے۔

''عَنْ عَمرو بن شعیب عَنِ ابیہ عَن جَدِّہٖ اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلّٰی اللہ علیہ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تجُوزُ شَھَادَۃ خَآئِنٍ وَّلَا خَآئِنۃٍ وَلَا زانٍ وَّ لا زانیۃٍ وَلا غمرٍ عَلیٰ اَخِیہِ ''(128)

ترجمہ۔عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی خیانت کار مرد اور خیانت کار عورت کی گواہی قابل قبول نہیں۔نہ کسی زنا کار مرد اور زنا کار عورت کی اور نہ کسی کینہ والے شخص اپنے (اس) بھائی کے خلاف (جس سے کینہ ہو)۔

درج بالا احادیث مبارکہ کی رو سے جو لوگ گواہی دینے کے نا اہل ہیں وہ یہ ہیں۔

''1۔خیانت کار 2۔بد دیانتی کے مرتکب 3۔بدعنوان 4۔جن پر سزا حد جاری ہوئی ہو 5۔جن کو اس شخص سے کوئی ذاتی عناد ہو جس کے خلاف وہ گواہی دے رہے ہیں۔ 6۔وہ لوگ پہلے کبھی جھوٹی گواہی دینے کے مرتکب پائے گئے ہوں۔''(129)

آپ ﷺ نے جہاں گواہی کے لئے نا اہلیت کی طرف رہنمائی کی ہے وہاں آپ ﷺ نے جسمانی عیب رکھنے والے گواہ کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا کہ اس کی گواہی کس حد تک جائز ہے اس سلسلے میں آپ ﷺ نابینا شخص کی گواہی کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''شَھَادَۃ الاَعمیٰ وَاَمرِہٖ وَنِکَاحِہٖ وَاِنکَاحِہٖ وَ فَبَا یَعتِہٖ وَقَبُولِہٖ فی التا ذینِ وَغیرِہٖ وَمَا یعَرق بالاَصوَاتِ وَاَجَازَ شَھَادَتَہ قَسِمُ وَوابْن سِیرین وَ الزمرِیّ وَعَطَآء وَقَالَ الشعِیبِی تجُورَ شَھَادَتَہ اِذاکَانَ عَاقِلاً وَّ قَالَ الکَلَمَہ رُبَّ شَیئٍی تَجُورُ فِیہ وَقَالِ الزّھری اَرَاَیتَ ابن عَبّاسِ لَو شَھَدَ عَلیٰ شَھَادَۃٍ اَکنِتَ تَرَدُّہٗ وَ کَانَ ابن عَبَاس یَبعَث رَجُلاً اِذَا غابَتِ الشمسُ اَفْطِرَ وَیَسَال عَنِ الفَجرِ فاِذا قِیلَ لَہٗ طَلَعَ صَلّٰی رَکعَین وَقَالَ سلیمان ابن یَسَارٍ اِمتَا ذَنت عَلیٰ عَآئِشَۃَ فَعَرَفَتْ صَوتِی قَالَتْ سلیمان ادخُلْ فَاِنَّکَ مَملُوکٌ مَا بَھِتِی

عَلَيكَ شَئٍ ءُوٓ أجَا زَ سَحَرةَ بن جُنلُبٍ شَهَادَةَ امرَآةٍ مُنعتِبته ''(130)

ترجمہ۔نابینا کی گواہی (تصرف میں)اس کا حکم اس کا نکاح کرنا،دوسرے کسی کا نکاح کرانا،اس کی خریدوفروخت اس کی اذان وغیرہ اوراس کی طرف سے وہ تمام امور جوآواز سے سمجھے جاسکتے ہوں،کوقبول کرنا،قاسم حسن،بن سیرین،زھری اورعطاء نے بھی نابینا کی گواہی کی اجازت دی ہے۔شعبی نے فرمایا ہے کہ اگروہ ذہین اورسمجھدار ہےتو اس کی گواہی جائز ہے۔حاکم نے فرمایا کہ بہت سی چیزوں میں اس کی شہادت جائز ہوسکتی ہے۔زہری نے فرمایا،اچھابتاؤاگرابن عباسؓ کسی معاملہ میں شہادت میں توتم اسے ردکرسکتے ہوابن عباسؓ جب نابینا ہوگئے تھےتو سورج غروب ہونے کے وقت ایک شخص کوبھیجتے تھے تاکہ آبادی سے باہر جاکردیکھ آئیں کہ سورج پوری طرح غروب ہوگیا یانہیں اور جب وہ آکرغروب ہونے کی اطلاع دیتے تو آپ افطارکرتے تھے۔اسی طرح آپ طلوع فجر کے متعلق دریافت فرماتے اور جب آپ سے کہاجاتا کہ ہاں فجر طلوع ہوگئی ہےتو دورکعت (سنت فجر)نمازپڑھتے تھےسلیمان بن یسارؒ نے فرمایا کہ عائشہؓ کی خدمت حاضری کے لئے میں ان سے اجازت چاہی تو انہوں نے میری آوازپہچان لی اورفرمایا سلیمان اندرآجاؤ کیونکہ تم غلام ہو،جب تک تم پر (مال کتابت میں سے)کچھ بھی باقی رہ جائے گاہ سمرہ بن جندبؓ نے نقاب پوش عورت کی شہادت جائزقراردی تھی۔

''بصارت سے محروم یااندھا نہ توکسی واقعے کودیکھ سکتا ہے اور نہ کسی ملزم یازیربحث مال کی شناخت کرسکتا ہےاس لئے حدود کےمقدمات میں اس کی شہادت قطعی طورپر سے قبول نہیں کی جاتی لیکن جس امرمیں شہادت سن کردی جاسکتی ہوتو نابینا کی گواہی قابل قبول ہے اگرچہ آوازکی پہچان میں بھی شبہ ہوسکتا ہے اگر شہادت کسی ایسے واقع کے بارے میں ہو جوگواہ نے خود دیکھا تھا اور بعد میں اندھا ہوگیا تو اس کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے مگر بعض فقہاء کا یہ خیال ہے کہ گواہ کی صلاحیت اوراھیلت فیصلے کےوقت تک قائم رہنی چاہئے ورنہ فیصلہ خلاف قانون اورباطل ہوگا۔البتہ گواہ فیصلے کے وقت فوت یالاپتا ہوجائے تو اس کی دی ہوئی گواہی پر قاضی کا فیصلہ درست سمجھا جائے گا۔''(131)

احادیث مبارکہ کی روشنی میں فقہاء اربعہ نے گواہ کی اہلیت ونااہلیت کے بارے میں اپنی رائے کا اظہارکیا ہےاس حوالے سے حنفی نقطۂ نظر کا جائزہ لیتے ہیں۔

حنفی نقطۂ نظر:

''اندھے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔امام ابوحنیفہ سے روایت میں اندھے کی گواہی ان امور میں قابل

ہو گی جن میں صرف سماع کافی ہو اور چونکہ اس میں سماع کافی ہوتا ہے اور اندھے کی قوت سماعت میں کوئی خلل نہیں لہٰذا اس کی گواہی قبول ہو گی۔

غلام کی گواہی مقبول نہیں ہو گی کیونکہ گواہی باب ولایت میں سے ہے اور غلام تو اپنی جان کا مالک نہیں لہٰذا اس کی ولایت غیر کے لئے ثابت نہیں ہوسکتیں۔

اسی طرح نوحہ کرنے والی عورت اور گانے والی کی گواہی بھی نا قابل قبول ہے کیونکہ وہ ایک حرام فعل کا ارتکاب کرنیوالیاں ہیں۔اور رسول اللہ ﷺ نے دو احمقانہ آوازوں سے منع فرمایا ہے ایک نوحہ دوسری گانے کی آواز ہے۔لہولعب کے لئے شراب پی کر مدھوش ہونے والے کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ ایک حرام کام کا مرتکب ہوتا ہے جسے دین نے حرام ٹھہرایا ہے اسی طرح جو پرندوں سے کھیلتا ہے اس کی گواہی بھی قابل قبول نہ ہو گی کیونکہ اس کی وجہ سے اسمیں غفلت اور لاپرواہی پیدا ہو جاتی ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ پرندے اڑانے کے لئے چھتوں پر چڑھتا ہے جس کی وجہ سے وہ غیر عورتوں کو تکتا ہے (جو کہ حرام ہے) اور بعض نسخوں میں طیور کی جگہ طنور کا لفظ آتا ہے اور انس سے مراد گانے والا ہے۔اس کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی جو لوگوں کے لئے گاتا ہے کیونکہ اس طرح وہ لوگوں کو ایک بے گناہ کبیرہ کے لئے جمع کرتا ہے اس شخص کی گواہی بھی قابل نہیں کی جائے گی جو ایسے کبائر کا ارتکاب کرتا ہے جن سے حد لازم آتا ہے۔اسی طرح جو حمام میں بغیر کو باندھے داخل وتا ہے کیونکہ شرمگاہ کو کھولنا حرام ہے یا وہ جو سود کھاتا ہو یا مرد اور شطرنج سے جوا کھلتا ہو ان کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی اسی طرح جس کی نماز ان کھیلوں میں مشغولیت کی وجہ سے فوت ہو جائے گی اس کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی البتہ خالی شطرنج کھیلنا (یعنی بغیر جوئے اور نماز کی حرج کے) ایسا گناہ نہیں ہے جو گواہی دینے سے روک دے کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے سود خور کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ سود خوری میں مشہور ہو ورنہ قلیل سود سے بچنا بہت مشکل ہے جیسا کہ عقود فاسدہ وغیرہ کی وجہ وہ اس میں ملوث ہو جاتا ہے۔جو شخص گھٹیا حرکتیں کرتا ہے اس کی گواہی بھی قابل قبول نہیں مثلاً وہ راستہ پر پیشاب کرتا ہے یا راہ چلتے کچھ کھاتا ہے کیونکہ یہ افعال مروت (اخلاق) کے خلاف ہیں اور جو شخص ایسے کاموں سے پرہیز نہیں کرتا وہ جھوٹ سے بھی نہیں بچ سکتا لہٰذا وہ مہتم ہے اور جو سلف کو اعلانیہ گالیاں چ دیتا ہے اس کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی حربی کی گواہی ذمی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی اور حربی سے مراد مستامن ہے۔" (132)

رسول اکرم ﷺ نے جہاں جھوٹی گواہی دینے والوں کی سختی سے مذمت فرمائی وہاں بلا وجہ، بلا سوچے سمجھے گواہی دینے کی بھی ممانعت فرمائی ہے کیونکہ ایسی صورت میں اندیشہ ہوسکتا ہے کہ گواہی بھی سچائی پر مبنی نہ ہو اور اس

میں کوتاہی ہو جائے یہاں آپ ﷺ گواہی مانگے بغیر خود بخود گواہ بننے میں کراہت کی تعلیم دیتے ہیں۔ تا کہ کسی ایسی صورتحال کا اندیشہ نہ ہو سکے جس سے انصاف کے تقاضے پورے ہونے میں رکاوٹ پیدا ہو۔ آپ ﷺ کا ارشادگرامی ہے۔

''حَدَّثنا عثمان بن ابی شیبة وِ عمرٌو بن رافع قالاّ تنا جریرٌ عز منصُورٍ عن ابراھیم عَن عبیدة السلماتِی قَالَ قَالَ عبدُالله بن مسعود سُؤِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم اَیُّ النَّاسِ خیرٌ قَالَ قَرنِی ثُمَّ الَّذِین یَلُونَهُم ثُمَّ الذینَ یَلُونَهُم ثُمَّ یَجئیُ قَومٌ تبدِرُ شَهَادَةُ اَحَدِهِم یمینَهٗ و یمینهُ شهادَتَهٗ ''(133)

ترجمہ۔عثمان بن ابی شیبہ، عمرو بن رافع، جریر، منصور، ابراھیم عبدۃ السلمانی، عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون لوگ اچھے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میرے زمانہ کے لوگ پھر ان کے بعد والے پھر پھر ان کے بعد والے پھر ایسی قوم پیدا ہوگی جن کی قسم گواہی سے پہلے ہوگی اور گواہی قسم سے پہلے ہوگی۔
آپ ﷺ نے ایک اور موقع پر اسی کیفیت کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''عَن عمران بن حصینٍ قالَ سَمِعتُ رسُولَ اللّٰه صلی الله علیه وسلم یَقُولُ خیرُالنَّاس قَرنی ثُمَّ الَّذین یَلُونَهُم ثُمَّ الَّذین یَلُونَهُم ثُمَّ الذین یَلُونَهُم ثَلاثًا ثُمَّ یَجئِی قومٌ من بعدهِم یشمنونَ وَیحبونَ السِّمَنَ یُعطَونَ الشَّهَادَةَ اَن یَّسالئو ھا ''(134)

ترجمہ۔روایت ہے کہ عمران سے کہا سنا میں نے رسول اللہ ﷺ کو، فرماتے تھے بہتر زمانوں کے لوگوں سے میرے زمانہ کے لوگ ہیں۔ پھر جو ان کے بعد ہیں پھر جو اُن کے بعد ہوں پھر جو اُن کے بعد ہوں یہ فرمایا آپ ﷺ نے تین بار پھر آوے گی ایک قوم ان کے بعد کہ موٹا ہونا چاہیں اور دوست رکھیں گے موٹا ہونے کو ادائے شہادت کو موجود ہونگے قبل درخواست کے۔

''یہ حدیث فریب ہے بروایت اعمش عن علی بن مدرک اور اصحاب اعمش نے اس سند سے روایت کی ہے عن الاعمش عن ھلال بیاف عن عمران بن حصین چنانچہ روایت کی ہم سے ابو عمار نے انہوں وکیع سے انہوں نے اعمش سے انہوں ھلال بن بیاف سے انہوں نے عمران بن حصین سے انہوں نے نبی ﷺ سے مانند اس کے اور یہ صحیح تر ہے محمد بن فضل کی حدیث سے اور اس حدیث سے بعض اہل علم کے نزدیک وہ شاھد مراد ہیں کہ بغیر سوال کے جھوٹی گواہی دیں چنانچہ محدثین نے کہا ہے کہ یہ لفظ جو حضرت سے مروی ہیں۔ شهادةُ اَحَدِهِم من غیر ان یشتهدوا بیان اس کا عمر خطاب کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا سب زمانوں سے بہتر میرے زمانے

کے لوگ ہیں پھر جوان کے بعد ہوں پھر ظاہر ہو جاوے گا جھوٹ یہاں تک کہ گواہی دیگا آدمی اور طلب نہ کی جاوے گی اس سے اور قسم کھانے لگے گا قبل اس کے کہ قسم لے جاوے اس سے اور یہ جو حضرت نے فرمایا ہے کہ بہترین شہداء وہ ہیں کہ قبل درخواست کے گواہی دیویں مراد اس سے یہی ہے کہ جب درخواست کرے صاحب حق فوراً گواہی دینے کو حاضر ہوں اور حیلہ و حوالہ نہ کریں یہ نہیں کہ بغیر بلائے دوڑیں یہ تطبیق ہے ان حدیثوں میں نزدیک بعض اہل علم کے۔''(135)

مذکورہ حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک اسکالر تحریر کرتے ہیں۔

''یعنی لوگ گواہی کو غیر اہم چیز سمجھیں گے اور احتیاط نہ کریں گے اور بن بلائے گواہی کو حاضر ہو جائیں گے جیسے جھوٹے گواہ ہر عدالت اور ہر کچہری میں حاضر رہتے ہیں حالانکہ گواہی دینا بہت ذمہ داری اور مواخذ کا کام ہے۔ اور بڑی احتیاط لازم ہے کہ زبان سے ایسی بات نہ نکل جائے جو غلط ہو۔ اس حدیث سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ بن بلائے گواہی میں جلدی کرنا بری بات ہے البتہ اگر کسی کا حق ڈوبتا ہو یا کوئی بے گناہ مارا جاتا ہو یا بے قصور کسی کی عزت اور مال تباہ ہونے کا خطرہ ہو کسی شخص کو حقیقت کا علم ہو جس کی گواہی سے حق کھل جائے اور مظلوم آفت سے محفوظ رہ جائے تو ایسا گواہ اس حکم سے بالکل مستثنیٰ ہے اور ایسے حال میں بن بلائے بھی جا کر گواہی دینا اور مسلمان بھائی کو بچانا لازم، ضروری اور بڑے اجر و ثواب کا موجب ہوگا۔''(136)

ایک دوسری آیت میں آپکا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو جس میں خود بخود گواہ بننے کے عمل سے اجتناب کی تعلیم ملتی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

''حَدَّثنا عبدالله بن الجراح ثَنا جريرٌ عن عبدالملك من عمير عن جابِر بن سمرَة قَالَ خَطَبنا عمر بن الخطاب بالجابيَة فَقَالَ اِنَّ رَسُول الله صلى الله عليه وسلم قامَ فِينا مِثلَ مقامِى فيكم فَقَالَ احفِظو نِي فى اصحابى ثُمَّ الَّذينَ يلُونهُم ثُم الَّذين يَلُونَهُم ثُمَّ يفشو الكذِبَ حَتّى يشهَدَ الرُّجُلُ وَمَا يستشهَدُ وَيَحلِفُ وَمَا يستعلَفُ ''(137)

ترجمہ۔ عبداللہ بن جراح، جریر، عبدالملک بن عمیر (ربانی) جابرہ بن سمرہ نے فرمایا کہ حضرت عمر نے ہمیں جابیہ میں خطبہ دیا، اور فرمایا رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوتے جیسے میں تمہارے درمیان کھڑا ہوں اور فرمایا میرے صحابہ کا خیال رکھا پھر جوان کے بعد کے لوگ ہیں (تابعین) پھر جوان کے بعد کے لوگ ہیں (تبع تابعین) پھر تو جھوٹ عام ہو جائے گا حتیٰ کے لوگ خود گواہی دیں گے حالانکہ انہیں گواہ بنایا نہیں ہوگا ان سے قسم لی جائے گی لیکن خود بخود قسم کھائیں گے۔

درج بالا حدیث مبارکہ میں معاشرے میں ایسے افراد جو کہ اپنے حقیقی مفادات کی تکمیل کے لئے بلا سوچے سمجھے کسی ایک فریق کی طرف سے گواہی دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں کی نشاندہی کی گئی ہے۔اس طرح سے شہادت کی افادیت اور اہمیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے اور انصاف کے تقاضے پورے نہیں کئے جا سکتے۔آپ ﷺ نے ایسی گواہی کو غیر معیاری قرار دیا ہے اور ایسے افراد کو گواہی کے لئے نا اہل قرار دیا ہے جو بلا طلب کئے یا کسی واقعہ سے بے خبر ہونے کے باوجود فوراً گواہی دینے کے لئے آمادگی کا اظہار کر دیتے ہیں۔گویا اس طرح سے سرکار دو عالم ﷺ نے جھوٹی گواہیوں کا راستہ روکا ہے۔اور افراد معاشرہ کو یہ شعور عطا کیا ہے کہ اس طرح کے گواہوں پر نظر رکھی جائے اور ان کی گواہی کو قطعاً قبول نہ کیا جائے خصوصاً یہ ججز کے لئے انتہائی اہم پہلو ہے جسے انہیں دوران مقدمہ گواہیوں کی صورت میں مدنظر رکھنا ضروری ہے۔تا کہ شہادت کے اس اہم ترین پہلو کی حقیقی عدل وانصاف کے قیام کے لئے عمل میں لایا جا سکے۔اور جھوٹی گواہی دینے والوں کی حوصلہ شکنی ہو۔آپ ﷺ نے بہترین گواہ اس کو قرار دیا ہے جو بغیر طلب کئے حق کے لئے گواہی دے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

''عَن زید بن خالد الجُہنّی اَنَّ رَسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قَالَ اَلا اُخبِرُکُم بِخیرا الشُھَدَآ الّذی یَاءِ تِی بِشَھَادَتِہٖ قبل اَن یَسا لَھَا ''(138)

ترجمہ۔زین بن خالد جہنی کا بیان ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے اچھے گواہ وہ ہیں جو سوال کرنے سے پہلے اپنی گواہی دے دیں۔

اس حدیث پاک پر تبصرہ کرتے ہوئے معروف سکالر بدیع الزمان تحریر کرتے ہیں۔

''قول بہترین گواہوں کے وہ ہیں جو وہ قبل سوال سے پہلے ہی دیدیں قبل سوال کے مراد اس سے وہ شخص ہے کہ صاحب حق نہ جانتا ہو کہ یہ میرے اثبات حق کا گواہ ہے بس اس صورت میں صاحب حق اس کو طلب نہ کر سکے گا تو اس کو بغیر طلب کے گواہی دینا موجب ثواب ہے کہ اس کا حق تلف نہ ہو پس کچھ منافات نہ رہی حدیث مذکور میں۔''(139)

''شہادت اسلام میں شہادت دینا ایک اہم فریضہ اور بہترین عبادت ہے چونکہ عدل وانصاف کا قیام سچی شہادت کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لئے سچی شہادت چھپانے سے منع کیا گیا ہے۔(فقہا کے نزدیک یہ ہے)انسانی حقوق کے سلسلہ میں گواہ کے ذمہ واجب ہے کہ وہ عدالت میں جا کر سچی گواہی دے بشرطیکہ مدعی اس سے گواہی دینا طلب کرے اور اس کے گواہی نہ دینے کی صورت میں مدعی کے حق کے تلف ہو جانے کا خدشہ ہو اس قسم کی شہادت پیش کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عدالت میں شہادت دینے سے پہلے باقاعدہ دعویٰ دائر ہو چکا ہے۔مگر

حدود میں گواہی دینا بعض کتب فقہہ میں واجب لکھا ہے۔اگر چہ گواہان سے گواہی طلب نہ کی گئی ہو لیکن حدود کے بارے میں شہادت کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ اگر مجرم نے کھلے بندوں علانیہ طور پر بلا کسی ندامت جرم کا ارتکاب کیا ہو اور اس ارتکاب جرم پر فخر کرتا ہو تو اس کے بارے میں شہادت دینا واجب ہے ورنہ حدود میں شہادت چھپانا مستحب ہے۔لیکن یہ چھپانا اس حد تک ہے جب تک کہ عدالت کی جانب سے اسے گواہی کے لئے طلب نہ کیا گیا ہو۔طلب کئے جانے پر اس پر شہادت کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔اس کے علاوہ کفارہ وغیرہ میں گواہی دینا واجب نہیں الا یہ کہ طلب کیا جائے۔''(140)

گذشتہ حدیث میں یہ بحث ہو چکی ہے کہ ایک وہ شخص ہے جو بلا طلب بغیر سوچے سمجھے گواہی کے لئے آمادہ ہو اسے آپ ﷺ نے نااہل قرار دیا ہے۔لیکن مذکورہ حدیث میں بلا طلب کئے گواہی دینے کا مفہوم الگ ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ حق کو نہ چھپائیں اور بلا جھجک اور بغیر کسی دعوت کے حق وانصاف کی خاطر سچی گواہی میں پیش پیش ہوں اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کریں۔

آپ ﷺ نے جھوٹی گواہی کو بڑے گناہوں میں شمار کیا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

''حدثنا مُسَدُّ دُ ثَنَا بِشرُ بن المفّل حَدَّثَنا الجَریریُّ عَن عَبدالرّحمٰن بن اَبی بَکْرَۃَ عَن اَبِیہِ قَالَ قَالَ اَلینَبِّیَ قَالُو ا بَلیٰ یا رسولَ اللہ قَالَ الاشرَاکَ بِاللّٰہِ و حقُوق الوَالِدین وَجَلَسَ وَکَانَ متکِئًافقَالَ اَلَا وَقَولُ الزُّورِ قَالَ فَمَا زَالَ یُکرِّرُھَا حَتّٰی قُلنَا لَیتَہٖ سَکَتَ وَ قَالَ اِسمٰعِیلُ بن اِبراھِیمُ حَدَّثنا الجَرِیری حَدَّثَنَا عَبدُالرّحمن ''(141)

ترجمہ۔ہم سے مسدد نے حدیث بیان کی،ان سے بشر بن مفضل نے حدیث بیان کی،ان سے جریری نے حدیث بیان کی،ان سے عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ نے اور ان سے ان کے والد نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑے گناہ نہ بتاؤں؟ تین مرتبہ آپ ﷺ نے اسی مرتبہ فرمایا،صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کیوں نہیں،یا رسول اللہ ﷺ تو آں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا کسی کو شریک ٹھہرانا،والدین کی نافرمانی کرنا آپ ﷺ اس وقت ٹیک لگائے ہوئے تھے لیکن اب (آنیوالی بات کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے) آپ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا،ھاں اور جھوٹی شہادت بھی انہوں نے بیان کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے اس جملے کو اتنی مرتبہ دہرایا کہ ہم کہنے لگے (اپنے دل میں) کاش آپ خاموش ہو جاتے۔اسماعیل بن ابراھیم نے بیان کیا ان سے جریری نے حدیث بیان کی اور ان سے عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی۔

''ھر عدالتی نظام تدریجی مراحل سے گزر کر تکمیل و ترقی حاصل کرتا ہے عہد رسالت کا عدالتی نظام بھی انہی

مراحل سے گزرا۔قرآن نے شہادت کا بنیادی قانون بیان کر دیا، آنحضرت ﷺ نے جب اس اپنے عدالتی نظام میں نافذ فرما دیا تو پیش آمدہ مقدمات اور ان کی نوعیت اور ندرت سے ظاہر ہوا کہ حالات وظروف کے تقاضے قانون شہادت میں مزید وسعت اور نئی دفعات کے متقاضی ہیں ۔اس عہد میں ایک سوال شری اور بدوی گواہوں کا پیدا ہوا، مسئلہ یہ تھا کہ کیا شہری اور بدوی بطور گواہ برابر ہیں؟''(142)

اس حوالے سے سنن ابن ماجہ کی ایک روایت ملاحظہ ہو۔

''حدثنا حَرمَلَةُ بن يَحىٰ ثَنَا عَبْد الله ابن وَهبٍ اَخبَرنى نافع بن يزيد عَن ابن الهَادِ عَن محمد بن عمرو بن عَطَآءٍ عَن عَطَآءٍ بن يَسَارٍ عَن اَبى هُريرة اَنَّهُ سَمِعَ رَسُول الله صلى الله عليه وسلم يَقُولُ لَا تجُوزُ شَهَادَةبَدوِيٍ عَن صاحب قَرِيَةٍ ''(143)

ترجمہ۔حرملتہ بن یحیٰ ابن وہب، نافع بن یزید، محمد بن عمرو بن عطاء، عطا بن یسار، حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دیہاتی کی شہادت شہری پر جائز نہیں۔

آپ ﷺ نے بدوؤں کی شہادت کو کیوں قبول نہ کیا اس پر ابو سلیمان تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''يشبه ان يكون انما كره شهادة اهل البادية لما فيهم من الجفاء بالدين و الجهالة باحكام الشريعة لا نهم فى الا غلب لا يضبطون الشهادة على وجهها و لا يقيمونها على حقها القصور عليهم عما يخيلها و تغيرها عن جهتها ''(144)

ترجمہ۔رسول اللہ ﷺ بدوؤں کی شہادت کو اس لئے قبول نہیں کرتے تھے کہ بدو دین کے بارے میں سنگدل تھے وہ احکام شریعت سے جاہل تھے ان کی اکثریت شہادت کو بعینہ ضبط نہیں رکھ سکتی تھی اور نہ ہی وہ کما حقہ شہادت قائم رکھ سکتے تھے کیونکہ ان میں علم کی کمی تھی جو ان کے آڑے آتی تھی جس سے شہادت کی جہت بدل جاتی تھی۔

ابو سلیمان الخطابی نے قانون شہادت کے اس ضابطہ پر فقہا کی اکثریت کی رائے ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

''قال عامه اهل العلم شهادة البدوى اذا كان عدلا يقيم الشهادة على و جهها جائزة ''(145)

ترجمہ۔اہل علم کی اکثریت کا قول ہے کہ بدوی کی شہادت جب کہ وہ عادل ہو، شہادت کی اصل جہت پر قائم کرنے قابل ہو تو اس کی شہادت جائز ہوگی۔

ابو سلیمان الخطابی نے قانون شہادت میں شہری اور بدوی کے درمیان قانون شہادت کے حوالے سے تمیز پر گویا

درج ذیل اسباب بیان کئے ہیں ۔

1 ۔ دین کے متعلق سنگدلی ۔

2 ۔ قانون شریعت سے جہالت ۔

3 ۔ شہادت کو بعینہ ضبط نہ رکھ سکنا ۔

4 ۔ شہادت کو کما حقہ قائم نہ کر سکنا ۔

5 ۔ کم علمی کا آڑے آنا ۔

6 ۔ شہادت کا جہت بدل لینا ۔

''الخطابی نے فقہاء کی اکثریت کی جو رائے نقل کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہےکہ آنحضرت ﷺ نے بدوی کی شہادت کی عدم قبولیت بعض شرائط سے مشروط فرمائی تھی جب تک وہ ان شرائط کو پورا نہ کریں ان کی شہادت قبول نہ ہوگی اور جب وہ ان شرائط کو پورا کر لیں تو ان کی شہادت قبول کر لی جائے گی ۔''(146)

گویا شہادت کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے قانون شہادت میں ایسے افراد جو کہ دین کے بارے میں سنگدلی نہ رکھتے ہوں، احکام شریعت سے جاہل نہ ہوں، شہادت کو ضبط اور سمجھنے کی صلاحیت موجود ہو، ظلم کی جگہ عدل کا وصف موجود ہو تو گواہی کا اہل قرار دیا ہے ۔ عرب معاشرے میں اس وقت بدوؤں کے اندر مذکورہ اوصاف نہ تھے جن کی بنیاد پر آپ ﷺ نے اس قسم کی ممانعت فرمائی ۔ عصر حاضر کے تناظر میں دیکھا جائے تو ''بدوی کی معاشرت میں اقتصادیات کی باریکیاں، مارکیٹ میں اتار چڑھاؤ، مالیات کی پیچیدگیاں نہیں ہوتیں ۔ اس لئے اتفاق سے اگر اسے کسی اسٹاک ایکسچینج سے واسطہ پڑ جائے تو ظاہر ہے وہ نہ اس کیفیت کو ذہن میں ضبط کر سکتا ہے نہ اسے اس شعبہ سے علمی واقفیت حاصل ہوتی ہے اور نہ بوقت گواہی یہ سب کچھ عدالت میں بیان کر سکتا ہے ۔ اسی وجہ سے ایک ماہر تاجر کے خلاف اس کی گواہی قبول نہیں کی گئی ۔''(147)

''عہد رسالت کے نظام عدالت میں قرآن کا قانونِ شہادت نافذ ہوا اس قانون کے نفاذ کے دوران اس قانون کے نفاذ کے دوران ایسے واقعات اور مقدمات بھی پیش ہوئے جن میں گواہوں کی تعداد قرآن کے قانونِ شہادت سے کم تھی ۔ اس نئے تقاضے نے یہ ضرورت پیدا کی کہ رسول اللہ ﷺ قرآنی قانون شہادت کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں خود مزید ضابطے وضع کر کے قانون شہادت میں نئی دفعات کا اضافہ فرمائیں ۔ آپ ﷺ کی عدالت میں بعض مقدمات ایسے پیش ہوئے جن میں صرف ایک ہی گواہ دستیاب تھا اس پر آپ ﷺ نے ایک گواہ کے ساتھ مدعی سے قسم لے کر مقدمے کا فیصلہ فرما دیا ۔ اس طرح آپ ﷺ نے قرآن کی عمومی تعلیمات اور

اس کے بنیادی اصولوں کے پیش نظر قانون شہادت میں اس دفعہ کا اضافہ فرمادیا۔''(148)اس سلسلے میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

''حدثنا ابو مصعب المدینی احمد بن عبداللّٰہِ الزُّهرِیِ و یعقُوبُ بن ابراهیم الدُّورَقی قالا ثنا عَبْد العزیز بن محمد الدّرَاوَرْدِی عَنِ اَبیهِ عَن اَبی هریره اَنَّ رسول الله صلی الله علیه و سلم قضیٰ بالیمین مَعَ الشاهِدِ ''(149)

ترجمہ۔ابو مصعب المدنی احمد بن عبداللہ الزبیری یعقوب بن ابراہیم الدورقی عبدالعزیز بن محمد الداروردی ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰن سہیل بن ابی صالح ابوصالح ابوھریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ فرمایا۔

''آپ ﷺ نے تمام دیوانی معاملات میں ایک گواہ اور مدعی (یا گواہ) کے حلفیہ بیان کی بنیاد پر مقدمہ کا فیصلہ فرمادیا۔اگر چہ قرآن مجید میں دو گواہوں کا ذکر ہے،لیکن فقہا والمحدثین کی بہت بڑی تعداد کی رائے میں وہ بڑے بڑے اور اہم معاملات کے لئے ہے۔رہے روزمرہ کے چھوٹے موٹے دیوانی مقدمات تو ان میں دو گواہوں کا فراہم ہونا نہ صرف مشکل ہوتا ہے بلکہ اگر یہ شرط لگا بھی دی جائے کہ ہر معاملہ میں دو گواہ ضروری ہیں حصول انصاف میں بھی دقتیں پیش آئیں گی اور حقداروں کو ان کے حقوق نہیں مل سکیں گے۔''(150)

''عَنِ عَلِّی بن اَبی طَالِب رضی الله عَنهٗ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم وَاَبَا بَکرٍ وَّ عُمَرَ وَ عثمانَ کَانُوْا یَقضُونَ بِشَهَادَةَ الشَّاهِدِالواحِدِ وَیَمینَ المُدّعی قالَ جعفر (القادق) وَالقَضاةُ یقضُونَ بِذٰلِکَ عِندَنَا الیَومَ ''(151)

ترجمہ۔حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ،حضرت ابوبکرصدیقؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ایک گواہ کی گواہی اور مدعی کی قسم کی بنیاد پر فیصلہ کر دیتے تھے۔امام جعفر صادق کا بیان ہے کہ آج کل ہمارے زمانہ کے قاضی بھی اسی اصول پر فیصلے کرتے۔

''حقوق کے ثبوت کے لئے کسی معاملہ میں ایک ہی گواہ ہو تو دوسرے گواہ کے طور خصوصی قسم لی جاسکتی ہے ضرورت و مصلحت کے تحت کسی بھی معاملہ میں ایک گواہ کی شہادت پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔مذاہب حنفی وغیرہ نے مخصوص حالات میں ایک مرد کی گواہی کو قبول کیا ہے جیسے بچہ پیدا ہونے کے معاملے میں جبکہ تنہا عورت کی گواہی مقبول ہے تو ایک مرد کی بطریق اولیٰ قبول ہوگی۔اسی طرح لڑکوں کے معاملے میں صرف ایک معلم کی گواہی کافی ہے اور نقصان ثابت کرنے کے لئے ایک واقف کار فرد کی گواہی کافی ہے۔اسی گواہوں کے ایماندار اور بے

ایمان ہونے، وکیل کومعزول کرنے کی خبر دینے اور فروخت شدہ چیز میں عیب بتانے جیسے معاملات میں بھی ایک مرد کی گواہی کافی ہے یہی حال ترجمان کے قول کا ہے۔جس میں قاضی فریقین یا گواہوں میں سے اس شخص کی گفتگو میں مدد دیتا ہے جوسرکاری زبان جانتا نہیں ترجمان کا قول ہر حال میں قبول کیا جائے گا۔ایک دیانت دار ترجمان کافی ہے یہ مسلک شیخین کا اور امام مالک کا ہے دیگر ائمہ جیسے محمد بن حسن وغیرہ کے نزدیک ترجمہ گواہی کی مانند ہے لہذا ایک ترجمان مقبول نہ ہوگا۔جن حالات میں ایک گواہی مقبول نہیں ان میں فقہائے حنفیہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ گواہوں کی تعداد محض ایک امر تعبدی (امتثال امر) ہے جس میں قیاس کو دخل نہیں کیوں کہ صداقت کا معیار گواہوں کی دیانت ہے نہ کہ تعداد یعنی گواہی کی قدر و قیمت کا اعتبار ہے نہ کہ تعداد کا، اسی لئے علمائے مذکور کے نزدیک ترجیح گواھاں کے مسئلے میں کثرت تعداد کا لحاظ نہیں کیا جائے گا چنانچہ بہت سے مسائل میں مقدمات کے تمام قرآئن کو دیکھ کران کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔بعض مسلمان فقہاء نے ایک سچے اور دیانت دار شخص یک گواہی قبول کی ہے ان میں سے ایک ابن القیم الجوزیہ ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ درست رائے یہ ہے کہ جو چیز حق بات کو ثابت کردے وہی گواہی ہے۔اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کسی طریقے سے بھی حق ظاہر ہو جانے کے بعد ہرگز کسی کی حق تلفی نہیں کی بلکہ اس خدا نے جس کے سواء کسی کو مجال کا حکم نہیں اور اس کے رسول ﷺ نے فیصلہ صادر فرما دیا ہے کہ جب کسی نہ کسی طریقے سے حق ظاہر ہو جائے تو اس کی تقید اور تائید ضروری ہے اور حق تلفی کرنا قطعی حرام اسی بناء پر ابن القیم نے کہا ہے کہ اگر حاکم کو خدا کی مقرر کردہ سزاؤں کے علاوہ اور مقدمات کے موقع پر گواہی کی سچائی معلوم ہو جائے تو ایک مرد کی گواہی پر فیصلہ کرسکتا ہے۔کیونکہ خدا نے احکام پر یہ لازم قرار نہیں دیا کہ وہ بغیر دو گواہوں کے بالکل فیصلہ ہی نہ کریں البتہ حق دار کا حق محفوظ رہنا ضروری ہے خواہ دو گواہوں کے ذریعہ ہو یا ایک مرد اور دو عورتوں کے ذریعہ مگر اس حد بندی سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ حاکم ایک گواہی پر فیصلہ ہی نہیں کرسکتا کیونکہ رسول ﷺ نے تو ایک گواہ اور ایک قسم بلکہ صرف ایک گواہ پر بھی فیصلہ فرمایا۔''(152)

اسلام میں شہادت چونکہ اہم ترین عمل ہے جس کی ادائیگی کے لئے اسلام نے ایک معیار مقرر کر رکھا ہے۔تا کہ نظام عدالت انصاف کے حقیقی تقاضوں سے عہدہ برآ ہو سکے۔قرآن حکیم ایک گواہ کے اندر سب سے اہم دو جو وصف دیکھنا چاہتا ہے وہ صفت عدل ہے۔اور اسی اہمیت کو سرکار دو عالم ﷺ بیان فرماتے ہیں۔

''الشُّهدآءِ العَدْو ل وَقَولِ اللّٰهِ تعالیٰ وَاشهِدُوا ذَوِیَ عَدلٍ مِنكُمْ وَ مِمَّن تَرضَونَ مِن الشَّهَدآءِ ''(153)

ترجمہ۔عادل گواہ۔اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ''اپنے میں عادل آدمیوں کو گواہ بناؤ''اور (اللہ تعالٰی کا ارشاد

ہے کہ) گواہوں میں سے جنہیں تم پسند کرو۔

عادل گواہ سے کیا مراد ہے؟اس کی وضاحت درج ذیل روایت سے ہوتی ہے۔

''عَن منصورٍ قَالَ قُلتِ لا براھیمَ مَاالعدَل مِنَ المسلمین؟ قَالَ اَلّذینَ لَمْ بظھَر لَھُم دیبَۃ''(154)

ترجمہ۔منصور سے روایت ہ کہتے ہیں میں نے ابراھیم نخعی سے پوچھا عادل مسلمانوں سے کیا مراد ہے؟بولے وہ لوگ جن سے کوئی مشکوک حرکت ظاہر نہ ہوئی ہو۔

''عادل کی تعریف کے بارے میں فقہاء مختلف الرائے ہیں گو جوہر Substance کے اعتبار سے ان آراء میں زیادہ فرق نہیں لیکن تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے۔اس اختلاف کی اہم وجہ عرف وعادت اور معاشرتی طور طریقوں کا بدلتے رہتا ہے۔ایک زمانہ میں ایک فعل شرافت اور وقار کے منافی سمجھا جاتا ہے دوسرے زمانہ میں نہیں سمجھا جاتا۔اس لئے عادل کی جامع تعریف یہی ہے کہ اس لئے شخص سے کبائر کا حدوو نہ ہوتا ہو اور صغائر سے وہ بچلنے کی کوشش کرتا ہو۔''(155)

گواہ جب عدالت میں گواہی کے لئے پیش ہوتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے چال چلن اور کردار کے بارے میں قاضی کو علم ہو۔اس حوالے سے''دیانت دار ہونے کی شرط کے پیش نظر قاضیوں کیلئے اس بات کی گنجائش ہے کہ ایسے گواہوں کی گواہی قبول نہ کریں جن کا چال چلن اچھا نہ ہو اور ان کا قول قابل اعتماد نہ ہو۔اس لئے اکثر مذاہب نے قاضی کے لئے یہ شرط مقرر کر دی ہے کہ وہ لوگوں کی نیک چلنی کے بارے میں پوشیدہ اور اعلانیہ تحقیق کرے جیسا کہ مجلّے میں وارد ہے کہ گواہوں کے چال چلن کی تصدیق اس طبقے سے کی جائے گی جس سے وہ تعلق رکھتے ہیں یعنی گواہ اگر طالب علم ہونگے تو ان کے چال چلن کی تصدیق ان کے مدرسے کے کسی مدرس اور وہاں کے دیگر معتبر لوگوں سے کی جائے گی اور اگر وہ تجارت پیشہ ہونگے تو ان کے چال چلن کی تصدیق تاجروں سے کی جائے گی (دفعہ 1717)اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مشائخ اسلام اور حکومت عثمانیہ کے مفتیوں نے حکم دیا ہے کہ اگر ججوں کو گواہی کی صداقت میں شک ہو تو انہیں لازم ہے کہ بذات خود ان کے حالات کی تفتیش کریں اور سرٹفکیٹ کا اعتبار نہ کریں۔''(156)

گواہ کے عادل ہونے کے حوالے حضرت عمر بن الخطابؓ کا ایک قول ہے جو آپ نے موسیٰ الاشعریؓ کو قضاء(فیصلہ کرنے)کے بارے میں تحریر فرمایا مروی ہے کہ

''والمسلمون عدول بعضیھم علی بعض الا مجلو دا فی حد او مجریا علیه شھادة

زور ، ظنينا فی ولاء او قرابته ''(157)

ترجمہ۔یعنی مسلمان بعض کے حق میں عادل ہیں سوائے اس شخص کے جس پر حد قذف لگائی گئی ہو یا اس سے جھوٹی شہادت زد ہوئی ہو یا وہ ولاء اور قرابت کے دباؤ میں ہو۔منصور نے کہا ہے کہ میں نے ابراہیم سے دریافت کیا کہ مسلمان کے عادل ہونے کے کیا معنی ہیں؟انہوں نے فرمایا جس سے کوئی مشتبہ امر ظاہر نہ ہوا ہو۔

آپ ﷺ نے گواہی کو چھپانے کی ممانعت فرمائی اور ایسے شخص کو جھوٹے سے تنبیہ دی ہے جو جان بوجھ کر گواہی کو چھپانے کی کوشش کرے آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

''عَن اَبی موسیٰ عَن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَن کَتمَ شَھَادَۃً اِذا دُعِیَ اِلَیھَا کَانَ کَمَن شَھِدَ بِالزُّور ''(158)

ترجمہ۔حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔جب کوئی شخص گواہی دینے کے لئے بلایا جائے اور وہ اس کو چھپالے تو وہ ایسا ہی ہے جیسا وہ شخص جس نے جھوٹی گواہی دی۔

''خالص حقوق العباد کے معاملات میں گواہی کو چھپانا اور بروقت صحیح صحیح طور پر ظاہر نہ کرنا ایسا ہی سخت گناہ ہے جیسا جھوٹی گواہی دینا۔خالص حدود کے معاملات میں البتہ اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ کسی ملزم کو حد جیسی سخت سزا سے بچانے کے لئے کوئی شخص گواہی نہ دے۔''(159)

اور اسی طرح آپ ﷺ نے ایسے شخص کو بھی جھوٹا قرار دیا جو کہ بظاہر اپنے آپکو گواہ ظاہر کر کے پیش ہوا اور حقیقت میں گواہ نہ ہو۔اس حوالے سے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے فرماتے ہیں کہ

''عَن اَبی ھریرہ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنِ مَّشیٰ مَعَ قومٍ یُریٰ اَنَّہٗ مشاھدٌوَّلَیسَ بِشَاھِدٍ فَھُوَ زورٍ ''(160)

ترجمہ۔حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کچھ لوگوں کے ہمراہ اس غرض سے گیا کہ جا کر گواہی دے اور حقیقت میں وہ (اس واقعہ کا) گواہ نہ ہو تو (محض یہ بات اس کے لئے کافی ہے کہ)وہ جھوٹا گواہ سمجھ لیا جائے۔

''یعنی اگر کوئی شخص جھوٹی گواہی کے محض ارادہ سے چل کر گیا یا اس نے یہ تاثر دیا کہ وہ گواہ بن کر جا رہا ہے تو چاہے اس نے جھوٹی گواہی نہ دی ہو تو بھی وہ اللہ کی نظر میں جھوٹا گواہ بن گیا۔''(161)

آپ ﷺ نے گواہوں کی طرف سے ایسے حلفیہ بیان جو کسی کا مال ناحق لینے کیلئے یا اس کو نقصان پہنچانے کی

مذمت کی ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

''عَن عبدالله مسعُود قَالَ قَالَ رَسُول الله صلی الله علیه و سلم مَن حَلَفَ عَلیٰ یَمِینٍ وَّهُوَ فِیهَا فَاجِرٌ یقتَطِعُ بِهَا مَالَ امرِیٍٔ مُسلِمٍ کفِیَ اللّٰهَ وَهُوَ علیهِ غضبانٌ ''(162)

ترجمہ۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جوشخص کوئی قسم کھائے یا حلفیہ بیان دے اور وہ اس میں جھوٹا اور بدکار ہو اور اس سے اس کا مقصد کسی مسلمان کا مال ناحق حاصل کر لینا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ رب العزت اس سے ناراض ہوگا۔

''جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال ہتھیا لینے کا عمل کئی کبیرہ گناہوں پر مشتمل ہے۔جھوٹ بولنا، جھوٹی قسم کھانا، عدل و انصاف میں رکاوٹ ڈالنا دوسرے مسلمان کو نقصان میں مبتلا کرنا، ان سب گناہوں کے مجموعہ کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سخت غیض وغضب ہی کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔''(163)

کسی مسلمان کے خلاف عداوت کی وجہ سے جھوٹی گواہی دینا اور اس پر الزام لگا کر اس کی شہرت کو نقصان پہنچانے والوں کو بھی آپ ﷺ نے وعید سنائی ہے۔ارشاد نبوی ہے۔

''عَن اَبِی الدَّردَآءِ عَن النبِی صلی الله علیه وسلم قَالَ اَیّما رَجُلٍ اَشاعَ عَلیٰ رَجُلٍ مُسلِمٍ بَکلِمَةٍ وَّ هُوَ مِنهَا بَرِیٌٔ سَیِّئَةً بِهَ فِی الدُّنیَا کَانَ حَقًّا عَلیَ اللّٰهِ اَن تدیبَة یَومَ القِیامَةِ فِی النَّار حَتّٰی یَاتِیَ بِا نفَاَذٍ مَاقَالَ ''(164)

ترجمہ۔حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے وہ رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان کے خلاف کوئی ایسی بات پھیلائی جس سے وہ پاک اور بری ہو اور جس کا مقصد دنیا میں اس شخص کو بدنام کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر یہ فرض قرار دیا ہے کہ روز قیامت اس (الزام لگانے والے شخص) کو جہنم میں پگھلوائیں یہاں تک کہ وہ اپنی بات کو سچا ثابت کرے۔

آپ ﷺ نے گواہی جیسے فریضے کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے گواہ کے لئے ضروری قرار دیا کہ وہ کینہ اور عداوت سے پاک ہو کر اور ہر طرح کے دباؤ اور خاص طور پر ایسی کیفیت جب کسی کا دست نگر ہو کر اس کے حق میں گواہی دے اس کو آپ ﷺ نے مسترد کر دیا۔اس حوالے سے آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

''عَن عَمرِ وبن شعیب عَن اَبِیهِ عَن جَدِّهٖ اَنَّ رَسُولَ الله صلی الله علیه و سلم رَدَّ الغَمرِ عَلیٰ اَخِیهِ ، وَرَدَّ شَهَادَةَ القَانِعِ لَا هلِ البَیتِ وَاَجَازَهَا لِغیرِهِم ، قَالَ اَبُو داؤدَ الغمرُ الحِّقدُ وَالشَحنَآءُ وَالقَانِعُ الاَجِیرُ التَّابِعُ مِثلَ الاَ جِیرِ الخَاصِ ''(165)

ترجمہ۔عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو العاص) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیانت کار مرد اور خیانت کار عورت کی گواہی کو مسترد فرماتا ہے۔آپ نے کینہ و دشمنی والے شخص کی گواہی کو بھی اپنے اس بھائی کے خلاف جس سے دشمنی یا کینہ ہو مسترد فرمایا جن کا وہ دست نگر ہے۔ہاں دوسروں کے حق میں دست نگر کی گواہی کو آپ ﷺ نے جائز قرار دیا۔ابو داؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ غمر سے مراد کینہ و دشمنی ہے اور قانع سے مراد وہ ملازم جو ذاتی ملازم کی طرح تابع ہو۔

مذکورہ حدیث کے حوالے سے اہلیت گواہ کی شرائط پر روشنی ڈالتے ہوئے سرعبدالرحیم لکھتے ہیں کہ

''ان مختلف وجوھات کا لحاظ رکھ کر کے جن کے باعث انسان جھوٹ بولتا ہے یا وحالات جو کسی شخص کی گواہی میں منع اور مزاحم ہوتے ہیں۔شریعت بعض شرائط کی موجودگی کو لازم قرار دیتی ہے۔

1۔جانبداری

باپ کی شہادت بیٹے کے حق میں یا بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں یا فریق مقدمہ کی شہادت اپنے حق میں یا ایسے شخص کی گواہی جو فریق مخالف سے دشمنی رکھتا ہے۔یا غیر مسلم کی شہادت مسلم کے خلاف یا ایسی دوسری شہادتیں نا قابل قبول ہوتی ہیں۔

2۔اعتبار اور چال چلن

بعض ذلیل قسم کے پیشہ ور مثلاً ناچنے گانے والے،مشہور جھوٹ بولنے والے،نشہ باز،جواری اور ایسے اشخاص جن کے اخلاق درست نہ ہوں یا جو مذہبی احکام کی خلاف ورزی کرنے کے عادی ہوں یا جن کے افعال بد ان کی اچھائیوں سے زیادہ ہوں یا ظالم عہدیدار ممنوع الشہادت ہیں۔''(166)

آپ ﷺ نے عدل و انصاف کے قیام کے لئے شہادت کے عمل کو زیادہ مؤثر بنانے کیلئے مختلف پہلوؤں پر اور مختلف نوعیت کے مقدمات میں مطلوبہ پہلو پر متعلقہ صائب الرائے کی گواہی کو قبول کرنے کی تلقین فرمائی۔مثلاً رضاعت کے حوالے سے عورت کی گواہی کو آپ ﷺ نے قبول کیا۔ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

''عَن عُقبةَ بنِ الحَارِثِ قَالَ تَزوجتُ أمَّ يَحىَ الَنة أبِي إهَابٍ فَدَخَلَت عَلَينا امرَاءةٌ سَودَآءُ فَزَعَمَت اَنّهَا اَرضَعَتنَا جميعًا ، فَاَتَيتُ النبى صلى الله عليه وسلم فَذَكَرتُ ذٰلِكَ لَهُ فَاَعرَضَ تَمَقِى ، فقُلتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ اِنّهَا لَكَاذِبَةٌ قَالَ وَمَا يدرِيكَ وَقَدْ قَالَت دَعهَا عَنكَ ''(167)

ترجمہ۔عقبہ بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ میں نے ام یحیٰ بن ابی اھاب سے شادی کی تو ہمارے پاس ایک حبشی

عورت آئی اور آکر بیان کیا کہ اس نے ہم دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ میں یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا آپ ﷺ سے عرض کیا۔ ابتدا تو آپ ﷺ نے میری بات سن کر توجہ نہ فرمائی پھر جب میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو مجھے یقیناً جھوٹی معلوم ہوتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیا معلوم کہ وہ جھوٹی ہے اسے جو بات کہنی تھی وہ تو اس نے کہہ دی اب تم اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرلو۔

''بعض فقہا اس روایت کی بنیاد پر رضاعت کے معاملات میں محض ایک عورت کی گواہی یا بیان کو قابل قبول مانتے ہیں۔ بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک محض ایک عورت کا بیان اس معاملہ میں قابل قبول نہیں بلکہ (باختلاف اقوال) دو عورتوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ جو حضرات محض ایک عورت کے بیان کو کافی نہیں سمجھتے ان کے نزدیک اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ بیوی سے علیحدگی اختیار کرلو بربنائے فیصلہ نہ تھا بر بنائے احتیاط تھا۔ مزید برآں اس روایت میں مذکورہ عورت کے بیان کو کیوں کر قابل قبول مانا جا سکتا ہے؟ نہ اس کے اس بیان کی عدالت میں دو گواہوں نے گواہی دی۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء رسول اللہ ﷺ نے اس پر توجہ نہ فرمائی مگر جب محسوس فرمایا کہ سائل کے دل میں خلش رہے گی تو احتیاطً علیحدگی کا مشورہ دیا''۔ (168)

اسی طرح آپ ﷺ نے دائی کی گواہی کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

''عَن حُذَیفَةَ اَنَّ النَّبی صلی اللہ علیه و سلم اَجَارَ شَهَادَةَ القابِلَهةِ '' (169)

ترجمہ۔ حضرت حذیفہ بن ایمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دائی کی گواہی کو قبول فرمایا۔

نتیجہ بحث:

گذشتہ صفحات میں احادیث مبارکہ کی روشنی میں شہادت کی اہمیت کا جائزہ لیا گیا۔اس حوالے سے آپ ﷺ کی مختلف احادیث مبارکہ کونقل کیا گیا اوران احادیث کے بارے میں مختلف محققین،فقہاء کے تبصرے بھی پیش کئے گئے۔اس تمام مباحث کا خلاصہ یہ سامنے آیا کہ قرآن حکیم کی تعلیمات جس طرح شہادت کی اہمیت کوواضح کرتی ہیں وہیں احادیث مبارکہ نے اس کی اہمیت کومزید واضح کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں شہادت کی اہمیت درج ذیل نکات سے واضح ہوتی ہے۔

☆شہادت دیتے وقت کسی کی عداوت میں انصاف کا دان ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

☆شہادت کوچھپانا گناہ کبیرہ ہے۔

☆جھوٹی گواہی دینے والا جہنم کا مستحق ہے۔

☆حق وسچ کے لئے گواہی دینا ثواب کا باعث ہے۔

☆خیانت کرنے والا،زانی،اوردیگر اخلاقی گراوٹوں میں مبتلا گواہی نہیں دے سکتا۔

☆گواہی سے پہلے گواہ کے اخلاق وکردار کو جانچنا ضروری ہے۔

☆نابالغ کی گواہی قبول نہیں ہے۔

☆جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کے برابر ہے۔

☆گواہی کو چھپانا جھوٹی گواہی دینے کے برابر ہے۔

☆جھوٹا بیان حلفی دینے والا اللہ کی ناراضی کا باعث ہوگا۔

☆جھوٹے لوگوں کی گواہی معتبر نہیں۔

☆گواہ لوگ گواہی دینے کیلئے جائیں خصوصاً جب کہ ان کے علاوہ اورکوئی گواہ نہ ہوں شہادت نہ دینے سے حق ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔

☆ناحق دوسرے کا حق عدالت کی ڈگری ملنے پر حلال نہیں ہوتا رسول اللہ ﷺ نے اسے جہنم کی آگ کا ٹکڑا بتلایا ہے۔

☆گواہی انہی کو بنائیں جنہوں نے معاملہ وواقع کو دیکھا ہےاور جانتا ہے بغیر دیکھے یقینی علم کے گواہی دینے کیلئے گواہ مقرر کرنا درست نہیں۔

﴿حوالہ جات﴾

1۔القرآن،۱۶: ۹۰

2۔القرآن،۵: ۷

3۔القرآن،۴: ۵۸

4۔القرآن،۴۲: ۱۵

5۔جامع حسن اللغات اردو، لاہور، اورنٹیل بک سوسائٹی،ص ۵۶۵

6۔فیروز اللغات اردو، الحاج مولوی فیروز الدین ۔لاہور، فیروز سنز، س۔ن، حصہ دوم،ص ۸۰

7۔لسان العرب، ابن منظور الافریقی ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم، طبع بیروت، ۱۹۵۵ء، جلد۳،ص ۲۳۹

8۔انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، لاہور، فیروز سنز، س۔ن،ص ۴۷۴

9۔کتاب العین، امام ابوعبدالرحمٰن الخلیل بن احمد الفراھندی، ایران، دارالشجرۃ قسم، ۱۴۰۵ھ، جلد۳،ص ۳۹۸

10۔نہایہ، محمد بن اثیر الجذمی، علامہ، ایران، ٹوستہ مطبو عاتی، ۱۳۶۴ھ، جلد۲،ص ۵۱۴

11۔المفرمات، حسین بن محمد راغب اصفہانی، علامہ، ایران، مکتبہ مرتضویہ، ۱۳۴۲ھ،ص ۲۲۸

12۔تاج العروس، الزبیدی السید محمد مرتضٰی، طبع بیروت، جلد دوم، ۱۹۶۶ء،ص ۳۹۱

13۔اسلامی قانون شہادت، تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر، لاہور، پی ایل ڈی پبلشرز، ۱۹۸۸ء،ص ۳۹

14۔قوانین شریعت، ایڈووکیٹ، ایس این غوری، کراچی، مکتبہ فریدی، ۱۹۶۶ء،ص ۶۴

15۔شہادت کی شرعی حیثیت، منظور احمد، کراچی، اسلامک لاء ریسرچ اینڈ ایجوکیشن ٹرسٹ، ۱۹۹۶ء،ص ۱۵

16۔ایضاً،ص ۱۳

17۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۵ء، جلد ۱۱،ص ۸۱۷

18۔فتاوئ عالمگیری (اردو ترجمہ سید امیر علی)، لاہور، قانونی کتاب خانہ، ۱۹۷۹ء، جلد ۵،ص ۲۵۶

19۔احسن المسائل، کراچی، سعید اینڈ کمپنی، س۔ن،ص ۲۶۲

20۔اسلامی نظام عدالت، تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر، راولپنڈی، مطبوعات حرمت،، ۱۹۷۸ء،ص ۷۹

21۔اصول فقہ اسلام، منیب الرحمٰن، مولانا، کراچی، مکتبہ فریدی ، ۱۹۷۹ء،ص ۱۲۰

22۔قانون شہادت (۱۸۷۲ء)، تراب احمد، کراچی، مکتبہ فریدی، ۱۹۷۹ء،ص ۲۲

23۔قانون شہادت، ثناء اللہ غوری، کراچی، مکتبہ فریدی، ۲۰۰۱ء،ص ۳۹۶

24۔نقوش، مدیر، محمد طفیل، لاہور، ادارہ فروغ اردو، جنوری ۱۹۸۳ء، جلد یازدھم، شمارہ نمبر ۱۳۰، ص ۶۸۳
25۔المہذب، ابو اسحاق شیرازی، بیروت، مطبوعہ الفکر، س۔ن، جلد ۲۰، ص ۲۲۵
26۔فتح القدیر، کمال الدین ابن ہمام، علامہ، سکھر، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، س ن، جلد ۴، ص ۴۴۶
27- Subject Index of Quran Islamic Publication (Pvt) Ltd , Lahore, 3rd Edition, Afzal-ur-Rehman ,1991, Page 409.
28۔اسلامی قانون شہادت، عبدالمالک عرفانی، لاہور، قانونی کتب خانہ، ۱۹۸۰ء، ص ۱۸
29۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محولہ بالا، ص ۸۱۷
30۔مجلتہ الاحکام العدلیہ، (دفعہ ۱۶۸۴)، لاہور، پنجاب اوقاف اکیڈمی، س۔ن
31۔قانون شہادت، ثناء اللہ غوری، محولہ بالا، ص ۲۵۲
32۔اسلام میں عورت کی گواہی آدھی نہیں، سید محمد انور، لاہور، مشعل، ص ۲۰
33۔ایضاً
34۔القرآن، ۲۲:۵۹
35۔مفردات القرآن، راغب اصفہانی، امام، اردو ترجمہ شیخ الحدیث مولانا محمد عبدہ فیروز پوری، لاہور، اہل حدیث اکادمی، ۱۹۷۱ء، ص ۵۵۳
36۔قانون شہادت، ثناء اللہ غوری، محولہ بالا، ص ۲۵۲
37۔القرآن، ۲۸:۲۲
38۔القرآن، ۲:۲۴
39۔القرآن، ۴۹:۱۶
40۔القرآن، ۷۲:۲۵
41۔قانون شہادت، ثناء اللہ غوری، محولہ بالا، ص ۲۵۳
42۔القرآن ۲:۲۸۲
43۔القرآن، ۲۱:۴۱
44۔القرآن ۲:۲۸۲
45۔قانون شہادت، ثناء اللہ غوری، محولہ بالا، ص ۲۵۳

46۔ایضاً

47۔القرآن،۳:۱۸

48۔القرآن،۱۲:۲۶

49۔اسلام میں عورت کی گواہی آدھی نہیں،سید محمد انور،محولہ بالا،ص ۲۲

50۔القرآن،۲۴:۶

51۔اسلام میں عورت کی گواہی آدھی نہیں،سید محمد انور،محولہ بالا،ص ۲۳

52۔القرآن،۱۲:۸۱

53۔شہادت کی شرعی حیثیت،منظور احمد،ایڈووکیٹ،محولہ بالا،ص ۲۱

54۔القرآن،۹:۱۷

55۔شہادت کی شرعی حیثیت،منظور احمد،ایڈووکیٹ،محولہ بالا،ص ۲۱

56۔القرآن،۵۰:۲۱

57۔القرآن،۴:۴

58۔القرآن،۵۰:۳۷

59۔شہادت کی شرعی حیثیت،منظور احمد،ایڈووکیٹ،محولہ بالا،ص ۲۳

60۔صنف نازک کی حاکمیت،محمد لطیف،پروفیسر،راولپنڈی،کتب خانہ رشیدیہ،۱۹۹۸ء،ص ۱۲۹

61۔القرآن،۵۷:۱۹

62۔ایضاً

63۔قانون شہادت،ثناءاللہ غوری،محولہ بالا،ص ۲۵۳

64۔القرآن،۳۳:۴۵

65۔قانون شہادت،ثناءاللہ غوری،محولہ بالا،ص ۲۵۴

66۔القرآن،۳۳:۷۰

67۔القرآن،۲:۴۳

68۔القرآن،۲:۱۴۰

69۔القرآن،۲:۲۸۳

70۔معالم القرآن، محمد علی الصدیقی کاندھلوی، مولانا، طبع سیالکوٹ، ۱۹۷۶ء، جلد سوم، ص ۴۱۱ تا ۴۱۲

71۔تفسیر مظہری اردو، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، علامہ، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۹۷ء، ص ۱۴۸

72۔القرآن، ۴:۱۳۵

73۔تفسیر ابن کثیر، ابن کثیر، علامہ، (ترجمہ علامہ میمن جونا گڑھی)، کراچی، نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت، س ن، ص ۱۱۵ تا ۱۱۴

74۔القرآن، ۲:۲۸۲

75۔تفسیر مظہری اردو، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، علامہ، محولہ بالا، ص ۱۳۶

76۔معالم القرآن، محمد علی الصدیقی کاندھلوی، مولانا، محولہ بالا، جلد سوم، ص ۴۱۳

77۔تفسیر ابن کثیر، ابن کثیر، علامہ (ترجمہ علامہ میمن جونا گڑھی) محولہ بالا، ص ۳۵

78۔القرآن، ۵:۸

79۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محولہ بالا، جلد ۱۱، ص ۸۱۹

80۔القرآن، ۴۹:۶

81۔ادب القاضی، ترتیب و تدوین محمود احمد غازی، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۳ء، ص ۱۲۹

82۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ محولہ بالا، ص ۹ تا ۸

83۔القرآن، ۱۲:۲۳ تا ۲۹

84۔ادب القاضی، ترتیب و تدوین محمود احمد غازی، محولہ بالا، ص ۱۳۶

85۔القرآن، ۱۲:۱۶ تا ۱۸

86۔ادب القاضی، ترتیب و تدوین محمود احمد غازی، محولہ بالا، ص ۱۳۷

87۔القرآن، ۲:۲۸۲ تا ۲۸۳

88۔ادب القاضی، ترتیب و تدوین محمود احمد غازی، محولہ بالا، ص ۱۳۲ تا ۱۳۳

89۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محولہ بالا، ص ۸۲۱

90۔تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، محولہ بالا، ص ۱۲۱

91۔شہادت کی شرعی حیثیت، ایڈوکیٹ، منظور احمد، محولہ بالا، ص ۴۴ تا ۴۵

92۔ایضاً، ص ۴۵

93۔القرآن،۲:۶۵

94۔شہادت کی شرعی حیثیت، ایڈوکیٹ، منظور احمد، محولا بالا ص ۴۶

95۔القرآن،۲:۲۸۲

96۔تفسیر مظہری، قاضی ثناءاللہ پانی پتی محولہ بالا ص ۱۲۳

97۔نقوش، رسول نمبر، مدیر محمد طفیل محولہ بالا، جلد یازدھم، شمارہ نمبر ۱۳۰، ص ۶۸، جنوری ۱۹۸۵ء

98۔القرآن،۲۴:۴ تا ۵

99۔القرآن،۲۴:۴

100۔اسلامی قانون شہادت، تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر محولہ بالا ص ۲۵۶

101۔المبسوط، سرخسی، امام، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ھ، جلد ۱۶، ص ۱۲۵

102۔المہذب، ابواسحاق شیرازی، مطبوعہ مصر، س۔ن، جلد ۲، ص ۳۳۰

103۔المقنع ابن قدامہ المقدسی، ابن قدمہ المقدسی حنبلی، علامہ، مصر، مطبعہ سلیمہ، س۔ن، جلد ۳، ص ۷۲۰

104۔جواھر الاکلیل، عبدالسمیع الابی، مطبوعہ مصر، س۔ن، جلد ۲، ص ۲۳۷

105۔شرائع الاسلام، نجم الدین ابوجعفر الحلی، مطبوعہ بیروت، س۔ن، جلد ۲، ص ۲۴۱

106۔القرآن،۲:۲۸۲

107۔نقوش رسول نمبر، مدیر محمد طفیل محولہ بالا ص ۶۶۸

108۔القرآن،۷۰:۳۳ تا ۳۵

109۔القرآن،۲۵:۷۲

110۔ادب القاضی، ترتیب وتدوین محمود احمد غازی محولہ بالا، ص ۱۲۲

111۔الشرح الکبیر علیٰ ھامشہ المغنی، المقدسی محمد بن احمد بن قدامہ، طبع مصر، ۱۳۴۴ھ، جلد ۷، ص ۱۲

112۔اسلام کا قانون شہادت، سید محمد متین ھاشمی، مولانا، لاہور، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، جلد اول ۱۹۸۰ء، ص ۴۰

113۔ادب القاضی، ترتیب وتدوین محمود احمد غازی محولہ بالا، ص ۲۰۲

114۔مؤطا امام مالک، امام مالک بن انس، کراچی، نور محمد اصح المطالع وکارخانہ تجارت، ۱۹۵۴ء، ص ۶۰۵

115۔ایضاً

116۔صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، لاہور، دینی کتب خانہ، ۱۹۷۷ء، جلد ۹، ص ۹۰

117۔شرح صحیح الترمذی، ابن العربی المالکی، المطبعۃ المصریہ بی الازھر، ۱۹۳۱ء، جلد ۶، ص ۸۳، کتاب الاحکام

118۔نقوش، رسول نمبر، مدیر محمد طفیل محولہ بالا، جلد یازدھم، شمارہ نمبر ۱۳۰، ص ۶۹۰، جنوری ۱۹۸۵ء

119۔صحیح بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری محولہ بالا، باب ۱۱۶۱

120۔ایضاً

121۔شہادت کی شرعی حیثیت، ایڈوکیٹ، منظور احمد محولہ بالا ص ۳۱۸

122۔ایضاً، ص ۳۴۴

123۔سنن ابن ماجہ، حافظ ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، امام، لاہور، فرید بک سٹال، س۔ن، جلد دوم، ص ۵۷

124۔سنن ابن ماجہ، حافظ ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، امام، طبع لکھنو، ۱۳۵۱ھ، ص ۱۳۷

125۔ادب القاضی، ترتیب وتدوین محمود احمد غازی محولہ بالا، ص ۲۰۷

126۔سنن ابن ماجہ، حافظ ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، امام، محولہ بالا، جلد دوم، ص ۵۶

127۔جامع الترمذی، محمد بن عیسیٰ ترمذی، کراچی، محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، س۔ن، ابواب شہادات، ص ۸۹۵

128۔سنن ابو داؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاق، دہلی، طبع نولکشور، ۱۲۹۳ھ، جلد دوم، ابواب القضاء، ص ۱۵۱

129۔ادب القاضی، ترتیب وتدوین محمود احمد غازی محولہ بالا، ص ۲۰۰

130۔صحیح بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، امام، محالہ بالا، باب ۱۲۵۴

131۔شہادت کی شرعی حیثیت، ایڈوکیٹ، منظور احمد محولہ بالا ص ۳۱

132۔الھدایہ، شیخ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی طبع کتب خانہ رشیدیہ، دھلی، ۱۳۵۸ھ، کتاب الشھادات، جلد سوم، ص ۱۶۰ تا ۱۶۳

133۔سنن ابن ماجہ، حافظ ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، امام، محولا بالا، ص ۵۵

134۔جامع الترمذی، محمد بن عیسیٰ ترمذی محولہ بالا، جلد اول، ص ۸۹۷

135۔جائزہ الشعور، (ترجمہ جامع ترمذی)، بدیع الزمان، علامہ، کراچی، محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، س۔ن، جلد اول، ص ۸۹۷

136۔شہادت کی شرعی حیثیت، ایڈوکیٹ، منظور احمد، مجولا بالا ،ص ۳۰

137۔سنن ابن ماجہ، حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، امام، محولا بالا ،ص ۵۵

138۔ایضاً

139۔جائزہ الشعور، (ترجمہ جامع ترمذی)، مدلیج الزمان، علامہ، محولہ بالا، جلد اول، ص ۸۹۷

140۔شہادت کی شرعی حیثیت، ایڈوکیٹ، منظور احمد محولہ بالا ،ص ۳۳۸

141۔صحیح بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، امام محولہ بالا، باب ماجاء فی الشھادات الجزا الثالث، ص ۳۳۹

142۔نقوش، رسول نمبر، مدیر محمد طفیل محولہ بالا، ص ۶۷۳

143۔سنن ابن ماجہ، حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، امام، محولہ بالا ،ص ۵۶

144۔معالم السنن بر حاشیہ مختصر سنن ابی داؤد الحافظ المنذری، ابوسلیمان الخطابی، المصر، مکتبہ السنۃ المحمدیہ، س۔ن، ج ۵، ص ۲۱۹

145۔ایضاً

146۔نقوش، رسول نمبر، مدیر محمد طفیل محولہ بالا، ص ۶۷۴

147۔ایضاً۔ص ۶۷۵

148۔ایضاً۔ص ۶۷۲

149۔سنن ابن ماجہ، حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، امام، محولہ بالا، ص ۵۷

150۔ادب القاضی، ترتیب وتدوین محمود احمد غازی محولہ بالا، ص ۱۹۰ تا ۱۹۱

151۔سنن الدارقطنی، علی بن عمر الدارقطنی، امام، دہلی، مطبع الفاروقی، ۱۳۱۰ھ، جلد دوم، ص ۵۲۴

152۔قانون شہادت، ثناءاللہ غوری محولہ بالا، ص ۲۸۴ تا ۲۸۵

153۔صحیح بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، امام محولہ بالا، باب ماجاء فی الشھادات الجزا الثالث، ص ۳۴۳

154۔ادب القاضی، ترتیب وتدوین محمود احمد غازی محولہ بالا، ص ۲۸۹

155۔ایضاً

156۔فلسفہ شریعت اسلام، صبحی محمصانی، ڈاکٹر، (ترجمہ مولوی محمد احمد رضوی)، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۱ء،

ص۴۱۴ تا۴۱۵

157 ۔شہادت کی شرعی حیثیت ، ایڈ وکیٹ ،منظور احمد،محولہ بالا،ص ۶۷

158 ۔مجمع الزوائد،علی بن ابی بکر الھیثمی ،مطبع قاھرہ ،س ۔ن ،جلد چہارم،ص ۳۰۰

159 ۔ادب القاضی،ترتیب وتدوین محمود احمد غازی،محولہ بالا،ص ۲۰۶

160 ۔مجمع الزوائد،علی بن ابی بکر الھیثمی ،محولہ بالا،ص ۲۰۵ تا ۲۰۶

161 ۔ادب القاضی،ترتیب وتدوین محمود احمد غازی،محولہ بالا،ص۲۱۲

162 ۔سنن ابن ماجہ،امام حافظ عبداللہ محمد بن یزید،محولہ بالا،ص ۱۶۹

163 ۔ادب القاضی،ترتیب وتدوین محمود احمد غازی،محولہ بالا،ص۲۱۴

164 ۔مجمع الزوائد،علی بن ابی بکر الھیثمی ،محولہ بالا،ص ۲۰۱

165 ۔سنن ابو داؤد،سلیمان بن اشعث بن اسحاق ،محولہ بالا،جلد دوم،ابواب القضاء،ص ۱۵۱

166 ۔شہادت کی شرعی حیثیت ، ایڈ وکیٹ ،منظور احمد،محولہ بالا،ص ۴۳ تا ۴۴

167 ۔سنن ابو داؤد،سلیمان بن اشعث بن اسحاق ،محولہ بالا،جلد دوم،ابواب القضاء،ص ۱۵۱

168 ۔ادب القاضی،ترتیب وتدوین محمود احمد غازی،محولہ بالا،ص ۱۹۶

169 ۔سنن الدارقطنی ،علی بن عمر الدارقطنی ،امام،محولہ بالا،جلد دوم،ص ۲۵۴

باب دوم:

خواتین کی شہادت اور ائمہ اربعہ

''گواہ کے لئے قرآن نے عام طور پر جو اصلاح استعمال کی ہے وہ مشاھد اور شھید ہے اسی اصلاح کا تثنیہ صیغہ ''شھیدین'' اور جمع کے لئے مختلف صیغے ''مشاھدون'' مشاھدین اور شہداء استعمال ہوتے ہیں۔ مختلف سیاق سباق جہاں تذکیر و تانیث کی تمیز کئے بغیر اس اصلاح کا جمع کا صیغہ استعمال ہوا وہاں اس سے مرد و زن دونوں برابر ہیں منجملہ دیگر مقامات کے طلاق کے معاملات میں جمع مذکر ''واشھدوا ذوی عدل منکم'' (65-2) استعمال ہوا ہے۔ 'اشھدوٗا' اور 'منکم' دونوں میں مرد و زن مراد ہیں۔ یہی کیفیت اس کے استعمال کی وصیت کے معاملات میں ہے اور جہاں مردوں اور عورتوں کی گواہی میں جنس کے اعتبار سے اختصاص کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے وہاں مذکر اور مؤنث کے لحاظ سے اسم اور فعل کا ذکر موجود ہے۔'' (1)

قرآن حکیم میں تین مقامات پر بطور خاص جنس کے اعتبار سے مردوں اور عورتوں کی گواہی کا بیان آیا ہے۔ وہ درج ذیل ہے۔

1۔ ''والشھدو اشھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین مرجل و امراء تن ممن ترضون من الشھداء ان تضل احدا ھما فتذکر اھدا ھما لاخرئ '' (2)

(اور گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے دو گواہ پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جنہیں تم پسند کرو تا کہ اگر بھول جائے ان میں سے ایک تو یاد دلا دے اس کو دوسری)

دوسری آیت ملاحظہ ہو۔

2۔''والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھدآء الا انفسھم فشھادۃ احد ھم اربع شھدت باالله انه لمن الصدقین والخامسة ان لغت الله علیه ان کان من الکذبین '' (3)

(اور جو لوگ تہمت لگائیں اپنی بیویوں پر اور اپنے سوا ان کے پاس گواہ نہ ہوں تو ایسے شخص کو گواہی کی یہ صورت ہوگی کہ وہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر وہ شخص سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر وہ جھوٹا

ہو۔)

اور تیسری آیت میں بیان ہوا۔

3۔"ویدرئوا عنھا العذاب ان تشھدا ربع شھدت باالله انہ لن الکذبین و الخاسۃ ان غضب الله علیھا ان کان من الصدقین "(4)

(اور عورت سے سزا ٹل جائے گی اس طرح کہ وہ گواہی دے چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہ وہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کا غضب آئے اس عورت پر اگر وہ مرد سچا ہے۔)

اور اسی طرح احادیث مبارکہ میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے دو احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں جن میں عورتوں کی شہادت کے بارے میں اساسی اصول متعین کر دیا گیا ہے۔

احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں۔

حدود میں عورت کی شہادت پر قول رسول ﷺ ہے۔

"عَن اَبی ھُریرَہ قَولَہ مَضَتِ السّنۃُ من لَدنِ النبی صلی الله علیه وسلم و الخلیفَتین مِن بَعدِہٖ اَنَّ شَھَادَۃُ النِّسَاءِ فِی الحِدُودِ وَالقِصَاصِ ابْنُ اَبِی شیبَۃ مِن طَرِیقِ ابن شَھَاب "(5)

ترجمہ۔ابو ھریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان کے بعد کے دونوں خلفاء کے زمانے سے یہ طریقہ چلا ہے۔کہ حد اور قصاص میں عورتوں کی شہادت نہیں لی جاتی یہ روایت ابن ابی شیبہ نے ابن شہاب کے طریقے پر بیان کی۔

اور اسی طرح صرف عورت کی شہادت پر حدیث نبوی ﷺ ہے۔

"شَھادۃ النساءِ جائزۃُ فِیمَا لَا یستطیع الرجال النظر اِلیهِ عَبدَالرَزاقِ اَخبَرناً ابِن جَریج عَن ابن شھاب مَضَیتِ اِلسنۃ اَن تجوز شَھَادَۃُ النِّساءِ فِیما لَا یِطلعَ عَلیه غیرُ ھُنَّ مِنّ وِلَادَاتِ النِّسَآءِ وَ عَیُولِھِنَّ وَمِن طرِیقِ ابنِ عَمَرَ نَحوہٗ مِن قولِہٖ وَعَن ابن المُسیبِ وَ عُروَۃَ کَذٰلِکَ وَفی البَابِ عَن عَلی اَنَّہٗ اَجَازَ شَھَادَۃَ القَابلَتِہ وَحَدَھَا اَخرَجَہٗ عَبدَالرَّزاقِ وَاَخرَجَہٗ الدَّارُ قطنِی مِن حدیثِ حُذَیفَتَہ مَرفُوعًا و لِسعَبدالرَّزاقِ مِن طریق ابن شھابِ اَنَّ عَمَرَ اَجَازَ شَھَادَۃَ اِمْراۃٍ فی الا ستِھلَالِ "(6)

ترجمہ۔عورتوں کی شہادت ایسے امور میں جائز ہے جن میں مردوں کی نظر نہ پڑتی ہو۔عبدالرزاق نے روایت کی،

ابن جریج نے ابن شہاب کے واسطے سے ہمیں خبر دی کہ یہ سنت جاری ہوئی ہے کہ ان امور میں عورتوں کی شہادت جائز ہے جن میں عورتوں کے سواء کوئی مطلع نہیں ہوتا مثلاً عورتوں کے بچے جننے اور عورتوں کے عیوب کے معاملات ۔ابن عمر سے بھی اس قسم کا قول مروی ہے اور امن مسیب اور عروہ سے بھی اور اس سلسلے میں علی سے روایت ہے کہ علی نے اکیلی دائی کی شہادت کی اجازت دی ، اسے عبدالرزاق نے بیان کیا اور دارقطنی نے حذیفہ سے مرفوعا روایت کی اور عبدالرزاق نے ابن شہاب کے طریق پر بیان کیا کہ عمر نے ولادت کے وقت بچے کے ہونے کے بارے میں عورت کی شہادت کی اجازت دی۔

''جن روایات سے حدود وقصاص میں عورت کی شہادت کے مقبول ہونے کے بارے میں استدلال کیا جاتا ہے ان میں اول تو اقرار کی صورت میں حد کا اجراء ثابت ہے دوسرے قتل خطاء یا شبہ عمد کی صورت میں دیت کا دیا منقول ہے نہ کہ قصاص یعنی جان کے بدلے جان ، آنکھ کے بدلے آنکھ ۔

آنحضرت ﷺ کی حدیث مبارکہ میں ''حدود وقصاص'' کے الفاظ سے یہ بات واضح ہوتی ہے مقدمہ حد اور قتل عمد میں عورت کی گواہی سے حد کا اجراء یا قصاص نہیں لیا جا سکتا ، البتہ تعزیر اور دیّت کا حکم جاری کیا جا سکتا ہے جب کہ شہادت کے دوسرے لوازم اور شرائط موجود ہوں اور یہ دلیل کہ لعان میں عورت شہادت نہیں دیتی بلکہ قسم کھاتی ہے ۔ یہاں شہادت بمعنی قسم ہے ۔اسی طرح روایت (حدیث) شہادت نہیں ہے جو کسی حق کے اثبات کے لئے کسی عداوت کے روبرو دی گئی ہو۔''(7)

شریعت نے مرد کو عقلی حیثیت سے برتر تصور کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے مرد کی عقل پر عورت کی عقل سے زیادہ اعتماد بھی کیا ہے اس کی وضاحت کے لئے ہم عورت کی گواہی کے مسئلہ کو لیتے ہیں کیونکہ اس مسئلہ کو عورت کی عقل کے نقص پر نبی ﷺ نے بطور دلیل پیش کیا ہے ۔

حدیث میں روایت ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

''حَدَّثَنَا ابنُ اَبِی مریم اَخبَرَنَا محمد بن جَعفَرٍ قَالَ اَخبَرَنِی زَیدٌ عَن عِیاض بن عَبدِاللہ عَن اَبِی سَعِیدِنِ الخدرِی عَنِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَلَیسَ شَهَادَةُ المَراۃِ مِثلَ نِصفِ شَهَادَۃِالرَّجلِ قُلنَا بَلیٰ فَذٰلِکَ مِن نُقصانِ عَقلِهَا ''(8)

ترجمہ۔ہم سے ابن ابی مریم نے حدیث بیان کی انہیں محمد بن جعفر نے خبر دی کہا کہ مجھے زید نے خبر دی، انہیں عیاض بن عبداللہ نے اور انہیں ابو سعید خدریؓ نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے آدھے کے برابر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں ۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی تو ان کی عقل کا نقصان ہے ۔

''رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو''ناقص العقل والدین''فرمایا ہے۔اور چونکہ حدود کے مقدمات میں معمولی سے شبہ سے بھی سزائے حد ساقط ہو جاتی ہے۔وہ ایسی منت سے کس طرح ثابت ہو گا جس میں فی نفسہ خود ہی شبہ ہو۔یہاں اگر یہ سوال کیا جائے کہ شبہ تو مردوں کی شہادت میں بھی موجود ہوتا ہے جب تک کہ ان کی تعداد تو امر کی حد تک نہ پہنچے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے شبے سے اجتناب کرنا (محفوظ رہنا) تو دنیا میں بہت مشکل ہے۔دراصل یہاں جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ مقابلتۂ کہا جا رہا ہے اور مقابلہ کے لحاظ سے مرد پھر بھی عورت سے کہیں زیادہ عقل ودانش اور ضبط عدل سے متصف ہوتا ہے اسی بناء پر قرآن نے مردوں کو عورتوں کا قوام کہا گیا ہے۔چنانچہ حدود(ماسوائے زنا) اور قصاص (قتل عمد وزخم) میں دو مردوں کا ہونا شرط ہے۔جیسا کہ دوعورتوں کی شہادت میں مرد کی شہادت کے بدل Substitute ہونے کا شبہ ہے جیسا کہ دوعورتوں کی شہادت ایک مرد کے قائم مقام کے طور پر رکھی گئی ہے۔اور حدود وقصاص بر بنائے شبہ ساقط ہو جاتے ہیں اس لئے عورتوں کی شہادت حدود قصاص میں نامقبول ہے اس پر اربعہ مذاہب کا اجماع ہے۔''(9)

قرآن حکیم میں مختلف جگہوں پر شہادت کے احکام بیان کئے گئے ہیں جن میں صرف ایک مقام پر عورت کی شہادت کے مرتبہ وحیثیت سے بحث کی گئی ہے۔ارشاد ربانی ہے۔

''وا تشھدو شھیدین من رّجالکم فاِنْ یَکُونَا رَجلَینِ فَرَجُلٌ وّ امْرَاَتٰن مِمَّن تَرضَونَ مِن الشُّهَدَاءِ اَنْ تَضِلَّ اَحَدَاھُمَا فَتُذَکِّرَ اِحدَاھُمَ الاخْرٰی ''(10)

ترجمہ۔اور گواہی حاصل کرواپنے مردوں میں سے دو کی اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔یہ گواہ ان لوگوں میں سے ہوں جن کو تم بحیثیت گواہ کے پسند کرتے ہو (ایک مرد کی جگہ دوعورت اس لئے کہ) اگر اک بھول جائے تو دوسری یاددلا دے۔

''قرآن مجید نے عورت کی شہادت کے سلسلے میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے کئی ایک سوالات پیدا ہوتے ہیں۔تنہا خواتین کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ اگر معتبر ہے تو کیا تمام معاملات میں یا صرف بعض میں اور یہ کہ ہر معاملہ میں نصاب شہادت کیا ہے؟ یعنی گواہی دینے والیوں کی کتنی تعداد ضروری ہے؟ اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ خواتین کی شہادت قابل قبول ہونے کے لئے ان کے ساتھ مرد کا ہونا ضروری ہے تو اس وقت بھی بعینہ یہی سوالات ابھرتے ہیں کہ یہ مشترک شہادت کیا ہر قسم کے مسائل میں فیصلہ کن بنیاد بن سکتی ہے۔یا صرف بعض مسائل کا فیصلہ اس کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔''(11)

''وہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ عورت کو عملی زندگی کا تجربہ مرد سے کم ہوتا ہے اور زمانہ قدیم سے عورت کا یہی

حال رہا ہے ۔حتیٰ کہ بعض قوانین کی رو تو عورت کی گواہی بالکل ہی مقبول نہیں جیسے یہودی شریعت میں یا صرف تائیدمزید کی غرض سے لی جاتی ہے اور تائید گواہی کی مثال سوئٹزرلینڈ کے بعض علاقوں کے اس قانون میں ملتی ہے جو انیسویں صدی عیسویں کے اوائل تک وہاں رائج تھا جن میں دوعورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر شمار ہوتی تھی ۔اسی طرح فرانس کے پرانے قانون میں عورت کی گواہی مرد کے برابر نہ تھی ۔ بلکہ خود نپولین کے قانون کی رو سے اس ترمیم سے پہلے جو اٹھارویں صدی میں ہوئی ، وصیت اور بعض شخصی معاملات میں صرف مردوں کی گواہی قبول کی جاتی تھی اور عورتوں کی بالکل نہیں ۔

چونکہ مردوں کے ساتھ میل جول نہ رکھنے کے باعث عربی عورت کو عملی زندگی کا تجربہ کم ہوتا تھا، شریعت اسلامی نے اسی کا لحاظ رکھتے ہوئے ان معاملات میں عورت کی گواہی جائز کردی ہے ۔ جو صرف عورتیں ہی جانتی ہیں اور چونکہ اقتصادی زندگی میں عورتیں فطرتاً مردوں سے کم تجربہ رکھتی ہیں لہٰذا عورت کی گواہی مرد کی آدھی گواہی کے برابر شمار ہوگی ۔'' (12)

قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کی اساس پر ائمہ اکرام نے وقت دور خطے اور انسانی مزاج اور رجحانات اور تقاضوں کی روشنی میں اپنی آراء کا اظہار کیا ہے ۔اور قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ اور سنت نبوی ﷺ کی مختلف پیرایوں اور دلائل سے تشریح وتفسیر بیان کی ہے آئندہ صفحات میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک ، امام احمد بن حنبل اور امام شافعیؒ اور انکے مکتبہ فکر سے منسلک علماء اور فقہاء کی آراء ومباحث پیش خدمت ہیں کہ

☆ آیا شریعت اسلام نے گواہی کے معاملے میں مردوں کے معاملے میں کیا حیثیت دی؟
☆ کن حالات میں عورتوں کی گواہی مقبول ہے؟
☆ کن حالات میں عورتوں کی گواہی نامقبول ہے؟
☆ کیا ایک عورت کی گواہی ایک مرد کے مقابلے میں آدھی ہے؟
☆ عورت کی گواہی کی اھلیت کیا ہے؟

فصل اوّل: خواتین کی شہادت کے بارے میں حنفی نقطہ نظر :

شریعت اسلامیہ میں خواتین کے حقوق کے حوالے سے واضح ہدایات اور قوانین موجود ہیں ۔ زندگی کے مختلف پہلوؤں میں خواتین کی رہنمائی کے لئے ایک واضح خاکہ پیش کیا گیا ہے ۔قرآن مجید وحدیث اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں فقہاء اکرام نے مختلف ادوار میں قوانین وضع کر کے عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کیا ۔

ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہؒ نے بھی اس سلسلے میں گراں قدر کام کیا، خواتین کے حوالے سے دیگر معاملات کے ساتھ ساتھ آپ نے خواتین کی شہادت کے حوالے سے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اور مختلف قوانین وضع کئے مروجہ اسلامی معاشرے کا اگر جائزہ لیا جائے تو بظاہر ایسا لگتا ہے کہ خواتین فقط چند گھریلو نوعیت کی ذمہ داریوں تک محدود ہیں ان چند متعین ذمہ داریوں کے علاوہ بھی کیا عورت کسی ذمہ داری کی اہل ہوسکتی ہے خصوصاً شہادت جیسا اہم معاملہ جو کسی معاشرتی زندگی میں عدل وانصاف کی بنیادی اساس کی حقیقت رکھتا ہے

''اسلام عورت کی فکری وعملی صلاحیتوں کے متعلق کیا رائے رکھتا ہے اور ان پر کس حد تک اعتماد کرتا ہے؟ اس کے بعد ہی یہ فیصلہ ممکن ہوگا کہ وہ کس نوعیت کے کاموں کی اہل ہے اور اسلامی معاشرہ میں اس پر کن ذمہ داریوں کا بارڈالا جائے گا اور کن ذمہ داریوں کا نہیں۔ دنیا میں کام ایک طرح کے نہیں ہوتے چھوٹے بڑے، اہم اور غیر اہم ہر طرح کے ہوتے ہیں اور جو کام جس نوعیت کا ہوتا ہے اس کے انجام دینے کے لئے اسی نوعیت کی صلاحیت درکار ہوتی ہے۔ ایک حقیقت ہے کہ ہر شخص میں ہر قسم کے کام کی صلاحیت نہیں ہوتی، کوئی کسی کام کے لئے موزوں ہے تو کسی دوسرے کام کے لئے ناموزوں ہوگا۔ کوئی سائنسی تحقیقات کا اہل ہے تو کسی کے اندر عسکری تنظیم کا سلیقہ ہے کوئی آرٹسٹ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو دوسرا اپنے اندر انشاء اور خطابت کی قوتیں پاتا ہے کسی کی جسمانی ساخت اور توانائی محنت اور مشقت برداشت کرے گی تو کوئی بالکل اس کے قابل نہیں ہوگا۔ صلاحیتوں کا یہ اختلاف یوں تو ہر دو افراد کے درمیان پایا جاتا ہے، لیکن جہاں انسانوں کی ایک صنف کا دوسری صنف سے مقابلہ کیا جائے تو یہ اختلاف بہت ہی واضح اور نمایاں نظر آنے لگتا ہے۔''(13)

عام طور پر خواتین کو کمزور ثابت کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کا قول پیش کیا جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

''ناقصات عقل ودین ''(14)

''یہاں عقل سے اس کے قوائے ذہنی کی طرف اشارہ ہے اور دین سے اس کی جسمانی طاقتیں مراد ہیں یعنی ان دونوں پہلوؤں سے وہ مرد سے کمزور اور ناقص واقع ہوئی ہے۔''(15)

درج بالا حدیث کی بنا تے ہوئے فقہاء نے اس کی تصریح اس طرح کی۔

''الرجل خیر من المراءۃ ''(16)

گویا عورت کی فکری صلاحیتوں کو مرد سے کم تر قرار دیا گیا ہے، اس سلسلے میں فقہ حنفیہ کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ عورت کی فکری وعملی صلاحیتوں کا کس قدر اقرار کرتے ہیں۔ اس حوالے سے فقہ حنفی کی مشہور کتاب ھدایہ کے شارح امام اکمل الدین البابرتی نے فرمان رسول کی روشنی میں عورت کی ذہنی صلاحیتوں کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر متعین

کرنے کی کوشش کی ہے۔وہ تحریر کرتے ہیں۔

''نفس انسانی کی قوتوں کو چار درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے پہلا درجہ یہ کہ مطلقاً سوچنے سمجھنے کی استعداد موجود ہو یہ استعداد فطرتاً ہر شخص میں پائی جاتی ہے۔دوسرا درجہ یہ کہ جزئیات میں حواس کے استعمال سے بدیہی باتیں دریافت ہونے لگیں (مثلاً دیکھ کر رنگ کا اور چکھ کر ذائقہ کا تعین وغیرہ) اور عقل اس قابل ہو کہ ان میں غور وفکر کے ذریعہ خالص فکری حقائق کا اکتساب کرنے لگے۔اس کو اصلاح میں ''العقل بالملکۃ'' کہتے ہیں اس صلاحیت کے بعد ہی آدمی پر شریعت کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔تیسرا درجہ یہ ہے کہ بدیہی حقیقتوں سے جو نظریات مستنبط ہو رہے ہیں ان کے ادراک میں کسی قسم کی دقت اور محنت نہ پیش آئے اس کا نام ''العقل بالفعل'' ہے۔چوتھا درجہ یہ کہ نظریات ہمیشہ ذہن میں اس طرح مستحضر ہوں گویا کہ آنکھوں کے سامنے ہیں اس کو ''عقل مستفاد'' کہا جاتا ہے۔''(17)

خواتین کی صلاحیتوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں۔

''ولیس فیما ھو مناط التکلیف و ھو العقل بالملکۃ فیھن نقصان بمشاھدۃ حالھن فی تحصیل البدیھات باستعمال الحواس فی الجزئیات و بالتمیہ ان نسیت فانہ لو کان فی ذالك نقصان لکان تکلیفھن دون تکلیف الرجال فی الارکان ولیس کذالك و قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ھُنَّ ناقعات عقل المرادبہ العقل بالفضل ''(18)

ترجمہ۔شریعت کی ذمہ داریوں کا دارومدار جس صلاحیت عقل پر ہوتا ہے، یعنی ''العقل بالملکہ'' عقل کا دوسرا درجہ عورتوں میں اس کی کمی نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جزئیات میں حواس کو استعمال کرکے بدیہات کو پالیتی ہیں۔اور اگر کسی بات کو فراموش کر جاتی ہیں تو یاد دھانی کے بعد ذہن میں حاضر بھی کر لیتی ہیں۔اگر کسی کی صلاحیت میں کسی قسم کا نقص ہوتا تو دین کے جن ارکان کی ذمہ داری مردوں پر ڈالی گئی ہے عورتوں کو اس سے مختلف ارکان کی تکلیف دی جاتی حالانکہ صورت واقعہ یہ نہیں ہے (بلکہ دونوں پر ایک ہی طرح کی ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ) نبی ﷺ نے ان کے حق میں ''ناقصات العقل'' جو فرمایا تو اس سے ''العقل بالفعل'' یعنی عقل کا تیسرا درجہ مراد ہے۔

فقہ حنفی کی مستند کتاب ''الھدایہ'' میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے بحث پیش خدمت ہے۔

''قال داشھادۃ فرض بلزم الشھود و لا یسمھم کما نھا اِذا طالبھم المدعی لقولہ تعالیٰ و لا یالی اشھداد اِذا مادعووقولہ تعالیٰ۔ و لا تکتمو الشھادۃ و من یکتمھا فانہ

آتـم قـلبـه و انـمـا يشتـرط طـلـب المدعى لا لها حقه فيوقق على طلبه كسائر الحقوق

(و الشهـادـة فـى الـحدو د بخير فيها الشاهدبين الستر والا ظهار) لانه بين حسبتين

اقـامة الـحـدوو الـنـوتـى عـن الهتك (والستر اء فضل) لقوله عليه السلام للذى مشهد

عـنـده ، لـوسترنه ثئوبك لكان خيرالك و قال عليه السلام (من ستر على مسلم ستر

الـلـه عـليـه فـى الدنيا و الآخره) و نيما نقل من تلقين الذرء عن النبى عليه السلام و

اصـحـابـه رضى الله عنهم دلالة ظاهرة على افضيلة الستر (ء الاء نه يجب اء ن يشهد

بـالـمـال نـى السـر قة فيـقـول اء خـذ) احـيـاء الـحق المسروق منـه (ولا يقول مسرق

)مـحـافـظة عـلـى الستـر ، و لاء نـه نو طهرت السرقة لوجب القطع و الضمان لا يجامع

القطع فلا يحصل احياء حقه (والشهادة على مراتب منها الشهادة فى الزنا يعتبر فيها

اء ربـعة من الرجال) لقوله تعالىٰ ـ واللاتى يا تين الفاحشة من نسا ئكم فاستشهِدو ا

عليهن اء ربعة منكم و لقوله تعالىٰ ـ تم لم يا تو اباربعة شهداء ـ (و لا تقتل فيها شهادة

الـنساء) لحديث الزهرى مضت السنة من لدنَ رسول الله صلى الله عليه وسلم آله و

سـلـم و الـحـلـيـفيتن من لعده اء ن لا شهادِة للنساء فى الحدو د و القصاص ، و لان فيها

شبهة البـدلية لـقيـا مها مقام شهادة الرجال فلا تعبله فيها ينـدرى بالشبهات (و منها

الشهـادـة الـحـدو د و الـقـصـاص تقبل فيها شهاده رجلين) لقوله تعالىٰ ـ و استشهدو

و اشهيدين من رجـالكم (و لا تقبل فيها شهادة النساء) لماذكرنا ـ قال (وما سوى ذلك

مـن الـحـقـوق يـقبـل فيـها شهادة رجلين اور جل اء وامرا يتن سواء كان الحق مالا اء

وغيـر مـال)مثـل الـنـكـاح و الطلاق والعتاق والعدة و الحوالة و الوقف الصلح (والو

كـالة والـو صية) والهبة والاقـرار والابراء والولد والولاد والنسب ونحوذلك ، وقال

الشـافعى لا تقبل شهادة النساء مع الرجال اِلا فى الا موال و تو بعها لاء ن الاصل فيها

عـدم القبول لنقصان العقل و اختلال الضبط و قصور الولاية فانهالا تصلح للا مارة

و لهـذا لا تـقبـل فـى الـحـدو د ولا تقبل شهادة الاربع ، فهن و حدهن الا انها قتلت فى

الامـوال ضـرورـة والـنـكـاح اعظم خطرا و اء قل و قوعا فلا يلحق بما هواء دنى خطرا

واكثـرا و حـودا ـ ولـنـا اء ن الاحـل فيهـا القبول لوحود مايبتنى عليه اهلية الشهادة

وهوالمشاهدة والضبط والاداء اذا بالا ول يحصل العلم للقاضى ، ولهذا يقبل اخبار هافى الاخبار و نقصان الضبط بزيادة السيان انجبر بضم الاخرى اليها فلم يبق بعد ذالك اِلا الشبهة ، فلهذا لا تقبل فيما يندرى بالشبهات و هذه الحقوق تثبت مع الشبهات و عدم قبول الاربع على خلاف القياس كيلا بكرَ خروجهن قال (وتقبل فى الولادة و البكارة والعيوب النساء فى موضع لا يطلع عليه الرجال شهادة امراة واحدة)لقوله عليه السلام شهادة النساء جائزة فيما لا يستطيع الرجال النطر اليه والجمع المحلى بالائف واللام يرادبه الجسِ فيتناول الاقل وهو حجة على الشافعى رحمة اللــه فى اشتراط الاربع ولا نــه انما اسقطت الذكورة ليحف النظر لاء ن نطرالجنس اِلى الجنس اءحِق فكذا ميسقط اعتبار العدد الا اء ن المثنى والثلات اء حوط لماقيه من معنى الالزام (ثم حكمها فى الولادة مبشر حنا ه فى الطلاق) واءما حكم البكارة فان مشهدِن اءنها بكر يئو جل فى العنين مسنة و يفرق بعدهِا لاءنها تا يدت بمئويد ءاذا البكارة اءصل و كذا فى ردالبيعة اذا اشترا ها بشرط البكارة فان قلن انها ثيب يحلف البائع لينضم نكوله اِلىٰ قولهن والعيب يثبت بقولهن فيحلف البائع واءما شهادتهن على استهلال الصبى لا تقبل عند اءبى حنيفة رحمة الله فى حق الارت لاءنه مما يطع عليه الرجال اِلا فى حق الصلٰاة لاءنهامن أمور الدين و عندهما تقبل فى حق الارث أيضا لاءنه صوت عند الولادة ولا يحضر ها الرجال عادة فصار كشهادتهن علىٰ نفس الولادة ''(19)

ترجمہ۔فرمایا(قدوریؒ نے)شہادت ایک ایسا فرض ہے جو گواہوں پر لازم ہے اوران کواس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ اس گواہی کو چھپائیں جب کہ مدعی ان سے مطالبہ کرے(گواہی پیش کرنے کا) کیونکہ حق تعالیٰ شانہ کا فرمان ہے و لا یاب الشھداء اذا مادعوا (کہ انکار نہ کریں گواہ گواہی دینے سے جب کہ ان کو بلایا جائے)اور یہ بھی ارشاد ہے۔و من یکتمھا فانہ آثم قلبہ (اور جس شخص نے گواہی کو چھپایا اس کا دل گنہ گار ہے اور معاملات حدود کے بارے میں گواہ کو اختیار رہے خواہ اس کو ظاہر کرے یا چھپائے اس لئے کہ وہ ثواب وخوبی کے دو کاموں کے بین بین ہے حدودالہیہ کا قائم کرنا یا اس کو پردہ دری لاورزلت) سے بچالینا۔ممکن پردہ پوشی بہتر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو جس نے آپکے سامنے گواہی دی فرمایا کہ اگر تو اس کو اپنے

کپڑے سے چھپالیتا تو تیرے حق میں (یہ) زیادہ بہتر ہوتا (بہ نسبت گواہی دینے کے) اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے جس شخص نے کسی مسلمان کی پردہ داری کی اللہ اس شخص (کے عیبوں) کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ دنیا اور آخرت میں اور اس واقعہ میں کہ آنحضرت ﷺ نے حد کے دفع کرنے کی تلقین فرمائی (خود اس شخص کو جس نے اقرار کیا تھا) وہ حضرت ماعز اسلمی ہیں واضح دلالت ہے اس چیز کی کہ چھپانا ہی افضل اور بہتر ہے۔ مگر یہ کہ مال کی چوری کے مقابلے میں گواہ کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ اس طرح گواہی دے کہ (اس نے فلاں شخص کا) مال لیا ہے، اس شخص کے حق کی حفاظت کے لئے جس کا مال چرایا گیا اور یہ لفظ ادا نہ کئے کہ اس شخص نے چوری کی ہے۔ اس کی پردہ پوشی کی رعایت کرتے ہوئے اور نیز اس لئے کہ اگر چوری ثابت ہوگئی تو چور کا ہاتھ کاٹنا ضروری ہوگا (اور اگر وہ مال باقی نہیں ہے تو ضمان اس پر لازم نہ آئے گا) کیونکہ ضمان قطع ید کی ساتھ جمع نہیں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اس کے حق کی حفاظت نہ ہو سکے گی۔ فرمایا (قدوری سے) گواہی کے چند مرتبے ہیں۔ ایک ان میں سے گواہی زنا کے معاملہ میں ہے جس میں چار مردوں کی گواہی معتبر ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ہے۔ والّلاتی یاتین الفاحشة من نسائكم فا ستشهدين و عليهن اربعة منككر (کہ جو عورتیں تم میں سے بدکاری یعنی زنا کا ارتکاب کرلیں، تو تم ان پر چار گواہ مرد طلب کرو اپنوں میں سے یعنی اہل ایمان میں سے اور اس لئے بھی حق تعالیٰ کا فرمان ہے)۔

ثقبا لا غلتر لبل زبعة مشهداء فا جلدو هم ثماذين جلدة (کہ پھر اگر وہ نہ پیش کرسکیں بیان کردہ الزام زنا پر چار گواہ تو ان لوگوں کے اسی کوڑے مارو قذف کے طور پر) اور قبول نہیں کی جائے گی زنا کے معاملہ میں عورتوں کی شہادت۔ اس لئے زھری سے یہ حدیث منقول ہے کہ بنی کریم ﷺ اور آپ کے بعد دونوں خلیفہ ابوبکر صدیق اور فاروق اعظمؓ کے زمانہ سے یہ سنت (دستور) جاری ہے، کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت معتبر نہیں اور اس وجہ سے بھی کہ عورتوں کی شہادت شبہ ہے بدلیت کا (یعنی مردوں کی شہادت قائم مقام ہونے کی وجہ سے اس شہادت کے حقیقی اور قطعی حجت ہونے میں شبہ پیدا ہو گیا ہے) کیونکہ عورتوں کی گواہی مردوں کی گواہی کے قائم مقام ہے (جیسے کہ فرمان خداوندی ہے، پس اگر تمام معاملات میں دو مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ ہونا چاہئے) لہٰذا عورتوں کی گواہی ان معاملات میں قبول نہ کی جائے گی جو شہادت کی وجہ سے مندفع ہو جاتے ہیں۔

اور شہادت کے مرتبوں میں ایک مرتبہ شہادت کا باقی حدود اور قصاص کے معاملہ میں ہے کہ ان میں دو مردوں کی شہادت قبول کی جائے گی کیونکہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے۔

والشھدو اشھیدین من رجالکم   کہ گواہی طلب کرو دو گواہوں کی اپنے مردوں (یعنی اہل ایمان) میں سے اور قبول نہیں کی جائیگی ان حدود و قصاص میں عورتوں کی گواہی اسی دلیل کی بناء پر کہ جو ہم نے بیان کی ہے ۔(کہ شبہہ بدلیت کی وجہ سے معاملات حدود میں یہ شہادت حجت نہ رہے گی) فرمایا اوران کے علاوہ دوسرے حقوق میں قبول کی جائیگی دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی برابر ہے ۔کہ وہ حق مالی ہو یا غیر مالی جیسے نکاح طلاق وکالت وصیت یا ایسے ہی دوسرے حقوق (مثلاً اعتاق ونسب) امام شافعی فرماتے ہیں کہ عورتوں کی گواہی مردوں کے ساتھ کسی معاملہ میں قبول نہیں کی جائے گی ۔بجز معاملات مالیہ اوران معاملات کے جوان کے ساتھ ملحق وتابع ہیں ۔(مثلاً کفالت وعاریۃ اور بیع بشرط الخیار) کیونکہ اصل عورتوں کی گواہی میں قابل قبول نہ ہونا ہے عقل کے نقصان حفظ کی کمزوری وخلل اور ولایت کے قاصر ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ عورت امیر وخلیفہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے اوراسی وجہ سے کہ عورت کی گواہی میں اصل یہی ہے کہ قبول نہیں کی جائے اس کی گواہی حدود و قصاص میں قبول نہیں کی جاتی اور نہ تنہا چار عورتوں کی گواہی (بغیر مرد کی گواہی) کے معتبر ہوتی ہے ۔ مگر یہ کہ عورتوں کی گواہی مالی معاملات میں ضرورت وحاجت کی بناء پر قبول کر لی گئی ہے اور نکاح اپنے مرتبہ کے اعتبار سے بہت ہی عظیم (اور مہتم بالشان) معاملہ ہے اوراس کا وقوع کم ہے (بہ نسبت معاملات مالیہ کے) لہٰذا نکاح ملحق نہ ہوگا ۔ایسی شئے کے ساتھ جو مرتبہ میں اس سے کم تر ہے،اور واقع ہونے کے اعتبار سے اس سے زائد ہے (اور یہ ظاہر ہے احتیاج وضرورت کے احوال میں خلاف اصل بہت سے امور رخصت اور گنجائش کے درجہ میں اختیار کر لئے جاتے ہیں)

ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل عورتوں کی گواہی میں قابل قبول ہونا ہے (نہ یہ کہ اصل میں وغیرہ معتبر ہو جیسے کہ امام شافعی نے بیان فرمایا) اس اہلیت وقابلیت کے پائے جانے کی وجہ سے جس پر گواہی موقوف ہے اور وہ مشاہدہ حفظ وضبط اور (قوت) اداء ہے ۔اس لئے کہ پہلی بات (یعنی مشاھدہ) سے علم حاصل ہو جاتا ہے مشاہدہ کرنے والے کو اور دوسری چیز (یعنی قوت ضبط وحفظ) سے وہ علم باقی رہتا ہے اور تیسری چیز (تعبیر وبیان پر قدرت) سے قاضی (اور حاکم کو) کو علم ہو جاتا ہے ۔اسی وجہ سے احادیث وروایات میں عورتوں کی روایت قبول کی جاتی ہے ۔اور حفظ وضبط کی کمی جو غلبہ نسیان کی وجہ سے ہوتی ہے اس کا تدارک دوسری عورت کو ایک عورت کے ساتھ ملا کر دیا جاتا ہے ۔لہٰذا اس کے بعد کوئی چیز (قابل قائل) باقی نہیں رہتی سوائے بدلیت کے شبہ کے تو اس چیز کے پیش نظر یہ گواہی قبول نہیں کی جاتی ان امور میں جو شہادت کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں یعنی حدود و قصاص اور یہ حقوق مالیہ کو اس قسم کے شبہ کے باوجود ثابت ہو جاتے ہیں (جبکہ ان کے لئے بینہ وحجت ہو) اور تنہا چار عورتوں کی

گواہی قبول نہ ہونا جیسا کہ امام شافعی نے اپنے استدلال میں بیان کیا (اس) قیاس کے خلاف ہے (جو بیان کیا گیا) اس وجہ سے کہ عورتوں کا باہر نکلنا زائد نہ ہو جائے (اور شریعت کے اہم مقاصد میں سے یہ چیز ہے کہ عورتیں کم سے کم اور انتہائی ضرورت و مجبوری کی حالت میں باہر نکلیں)

فرمایا (قدوری سے) اور قبول کی جائے گی ایک عورت کی گواہی ولادت اور بکارت اور عورتوں کے ایسے عیوب کے بارے میں جنکی طرف مردوں کو نظر کرنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ شھادۃ النساء جائزۃ فیما لا یستطیع الزجل (کہ عورتوں کی شہادت جائز ہے ان چیزوں میں جنکی طرف مرد نظر نہ کر سکتے ہیں) اور لفظ النساء جمع معروف بالا زم ہے۔ جس سے جنس کا ارادہ (وقعد) کیا ہے اس لئے یہ لفظ کم سے کم درجہ پر شامل ہوگا (یعنی ایک کا عدد) اور یہ چیز امام شافعیؒ کے برخلاف حجتہ ہے اس بارے میں کہ وہ چار عورتوں کا عدد شرط قرار دیتے ہیں (تا کہ چار عورتیں دو مردوں کے قائم مقام ہو سکیں ایسے معاملات میں جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس وجہ سے بھی ایک عورت کی گواہی کافی ہے) کہ مرد ہونے کی شرط (ان معاملات) میں صرف اس لئے ساقط کی گئی ہے تا کہ دیکھنے میں آسانی ہو کیونکہ ہم جنس کا اپنی ہی جنس کی طرف نظر کرنا آسان اور سہل ہوتا ہے۔ تو اسی طرح آسانی اور نظر کی تخفیف کے معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے عدد کی شرط بھی ساقط ہو جائے گی۔ مگر یہ کہ دو یا تین ہو تو احتیاط کا باعث ہوگا ایسے معاملات میں جن میں کسی چیز کے لازم کرنے کی معنی پائے جاتے ہیں۔ پھر ولادت کے بارے میں عورت کی گواہی کا حکم ہم نے کتاب الطلاق میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے البتہ باکرہ ہونے کے معاملہ میں یہ حکم ہے کہ اگر ان عورتوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں عورت باکرہ ہے تو اس کے عنین شوہر کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اس کے بعد (بھی اگر وطئی پر قادر نہ ہو تو) تفریق کر دی جائے گی۔ اس لئے کہ یہ شہادت عوید ہو گئی ہے ایک تائید کرنیوالی چیز کے ساتھ (اور وہ اس کا باکرہ ہونا ہے اس واسطے کہ عورت میں اصل باکرہ ہونا ہے تو بکارت کی گواہی اصل کے مطابق ہو گی اور عورت کی اصلی حالت نے اس شہادت کی تائید کی) اور اسی طرح اس جاریہ کے واپس کرنے کے معاملے میں جو عیب دار نکلی جبکہ اس کو بکارت کی شرط کے ساتھ خریدا تھا۔ پس اگر ان عورتوں نے بتایا کہ وہ جاریہ ثیبہ ہے تو بائع سے قسم لی جائے گی تا کہ بائع کا قسم سے انکار کرنا عورتوں کے قول کے ساتھ ملایا جائے (اگر بائع نے قسم سے انکار کیا ہوتا کہ اس طرح عورتوں کے قول کی مزید تائید و تقویت ہو جائے) اور عیب تو محض عورتوں کی شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے تو (اس طرح) بائع سے قسم لی جائے گی کہ (خدا کی قسم میرے پاس بیع کے وقت ہرگز نہیں تھا) لیکن عورتوں کی گواہی بچے کے رونے پر پیدائش کے وقت امام ابوحنیفہ کے نزدیک میراث کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی کہ اس شہادت

سے استحقاق وراثت ہو کیونکہ بچے کا رونا ان چیزوں میں سے ہے، کہ مرد اس پر مطلع ہو سکتے ہیں ھاں البتہ نماز کے حق میں عورتوں کی گواہی قبول کر لی جائے گی کیونکہ نماز کا اس پر پڑھنا امور دین میں سے ہے (کسی قسم کے حق کا کسی پر الزام نہیں) اور صاحبین کے نزدیک وراثت کے معاملہ میں بھی ان کی گواہی قابل قبول ہو گی کیونکہ استدلال جسی ولادت کے وقت بچے کا رونا اور محض آواز کا نکلنا ہے اور عادتا ایسی جگہ مرد موجود نہیں ہوتے ہیں تو یہ شہادت ایسی ہی ہو گی جیسے نفس ولادت پر گواہی ہو۔"(20)

خواتین کے نصاب شہادت کے حوالے سے "مجلۃ الاحکام" کی مشق ملاحظہ ہو۔

(المادہ ۱۶۸۵) نصاب الشہادۃ فی حقوق العباد رجلان او رجل وامراءتان سواء کانت تلک الحقوق مالا او غیرہ کنکاح وطلاق وکالۃ ووصیۃ وارث (درممتاز) وکذالقتل خطاء والقتل الذی لا قصاص فیہ لان موجبہ المال (خانیۃ) ونصاب الشہادۃ لسبقیۃ الحدود والقود رجلان ولا تقبل فیھا شھادۃ النساء لان لا شہادۃ للنساء فی الحدود والقصاص اذان فیھا شبۃ البدلیۃ نقیا مہا مقام شہادۃ الرجال والجال ان احدود والقصاص تندری یا شبہات (مجمع الانہر) ثم ان المفھوم من ھرہ المادۃ ان شھادۃ النساء وحدھن لاتقبل و بہ صرح فی الدر المختار حیث قال ولا تقبل شہادۃ اربع بلا رجل لحلا یکث خروجھن اھادی ولعدم وزود الشرع بہ (ردمختار)(21) دفعہ(1685)

"لوگوں کے باہمی حقوق کے لئے شہادت کا نصاب دو مرد ایک مرد اور دو عورتیں ہوتا ہے۔ مالی حقوق کے سلسلہ میں ان مواقع سے متعلق صرف عورتوں کی شہادت بھی قبول کی جاتی ہے جن مواقع کی اطلاع مردوں کے لئے ممکن نہیں ہے۔"(22)

فقہ حنفی کے ایک نامور محقق علامہ ابن الہمامؒ نے خواتین کی شہادت کے حوالے سے اظہار خیال کرتے ہوئے اس مسئلہ کے حقیقی خدوخال کی وضاحت کی کوشش کی ہے۔ آپ تحریر کرتے ہیں۔

"شہادت کی چار قسمیں ہیں۔

1۔ زنا کی شہادت : یہ شہادت مکمل ہوتی ہے چار مردوں کے متفقہ بیان سے چنانچہ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

فاستشھدو اعلیھن اربعۃ منکم

پس تم گواہ بناؤ زنا کا ارتکاب کرنے والیوں پر اپنے میں سے چار کو۔

یہاں اللہ تعالی نے مردوں سے خطاب کرتے ہوئے "اپنے میں چار کے" الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اب اگر تین مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے تو قرآن کے بتائے ہوئے عدد اور معدود دونوں کے خلاف پڑتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کہا جا سکتا ہے کہ مشترک شہادت کی عام اصول اور اس آیت میں تعارض ہے یعنی اس

اصول کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ہر معاملہ میں عورت کی شہادت معتبر مانی جاتی لیکن یہ آیت زنا کے سلسلہ میں اس کی گواہی قبول کرنے سے روکتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس دوسری آیت کو اس عام اصول پر مقدم کیا جائے گا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جواز اور حرمت کے درمیان جہاں مقابلہ ہو تو حرمت ہی پر عمل ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ شریعت کے حکم کا ہے کہ جہاں تک ہو سکے حدود کو رفع کرو، اگر اثبات زنا کے لئے ضروری قرار دیا جائے کہ اس کے گواہوں میں صرف مرد ہی ہوں اور عورت نہ ہو تو اس شرط کی وجہ سے زنا کے ثابت کرنے میں اتنی آسانی نہیں رہے گی جتنی آسانی کہ اس شرط کے نہ ہونے کی صورت میں ہوسکتی ہے۔ اسی طرح منشائے شریعت کی تکمیل میں آسانی ہوگی۔ تیسری بات یہ کہ قرآن نے جن الفاظ میں عورت کی شہادت قبول کرنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی اگر شاہد دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ مقرر کرو۔ اس کا مطلب کو یہ نہیں ہے کہ مشترک شہادت کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے اور وہ مردوں کی شہادت کا بدل ہے۔ لیکن بہر حال ان الفاظ سے بدلیت کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض علماء اس طرف گئے بھی ہیں اور شبہ کے ہوتے ہوئے حدود میں فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

2۔ زنا کے علاوہ بقیہ حدود کی شہادت:

اس دوسری قسم میں بھی مذکورہ بالا اسباب کی بناء پر عورت کی شہادت معتبر نہیں ہے۔ البتہ ان کے ثبوت کے لئے بجائے چار کے دو مرد کافی ہیں۔ قصاص کا بھی یہی حکم ہے۔

3۔ شہادت کی تیسری قسم میں حدود قصاص اور عورت کے مخصوص مسائل کے علاوہ دوسرے تمام معاملات داخل ہیں خواہ ان کا تعلق مالی حقوق سے ہو یا نہ ہو۔ مثلاً نکاح، طلاق، طلاق سے رجوع، عدت استبراء رحم، اولاد، حسب و نسب، وقف، صلح، اقرار، وصیت، وکالت اور غلاموں کا آزاد کرنا وغیرہ۔ ان تمام معاملات میں دو مردوں کی شہادت بھی قابل قبول ہے اور ایک مرد اور دو عورتوں کی بھی۔

4۔ رہے ایسے مسائل جن کا علم صرف عورتوں کو ہی ہوسکتا ہے، مثلاً ولادت، دوشیزگی، قابل ستر مقامات کے عیوب وغیرہ تو ان میں ایک عورت کی گواہی بھی کافی ہے اگر مرد ہو تو اور بھی اچھا ہے۔'' (23)

فقہ حنفی کے امام وقت بدرالدین کا شانی المتوفی 587ھ۔ خواتین کی شہادت کے مسائل پر رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہیں۔

''سوائے پیغمبر کے کسی بھی شخص کی شہادت سے قطعی اور یقینی علم حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں بہر حال کسی نہ کسی پہلو سے غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے۔ صرف پیغمبر ہی کی شخصیت ایسی ہوتی ہے کہ اس کا بیان ہر شک و شبہ سے بالاتر ہوتا ہے۔ کسی صادق و امین انسان کی گواہی زیادہ سے زیادہ ''ظن غالب'' کا فائدہ دے سکتی ہیں ''ظن

غالب'' کے حصول کے لئے ایک قابل اعتماد آدمی کی شہادت بھی کافی ہے (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) قرآن مجید نے شہادت کے جو اصول مقرر کئے ہیں وہ خالص تعبدی ہیں اور ان کی حکمت عقل کی گرفت میں آتی اسلئے ان اصول کی جو شکلیں شریعت نے متعین کر دی ہیں ہم اس کی پابندی پر مجبور ہیں اور باقی صورتوں میں مذکورہ بالا قاعدہ پر عمل ہو گا۔ چنانچہ اس نے عورت کی شہادت کی ایک خاص صورت کا ذکر کیا ہے۔ جب کہ وہ مرد کے ساتھ مل کر گواہی دے رہی ہو لیکن جن معاملات میں صرف عورتیں گواہ ہوں ان کے متعلق قرآن خاموش ہے، ان میں ہم اسی قاعدہ کلیہ پر عمل کریں گے۔ اس کی تائید حضور ﷺ کے اسوہ سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ولادت کے سلسلہ میں ایک دایہ کی شہادت قبول کی۔''(24)

علامہ کاشانی (حنفی) نصاب شہادت کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

''و لانہ اذا کان فرد ایخاف علیه السھو و النسیان لان الانسان مطبوع علی السھو و الغفلة فشرط العدد فی الشھادة لیذکر البعض البعض عندا عتراض السھو الغفلة کما قال اللہ تعالی فی اقامة امراء تین مقام رجل فی الشھادة ان تضل احد اھما فتذکر احدا الاخری ''(25)

کیونکہ جب ایک مرد ہو تو بھول چوک کا اندیشہ ہوتا ہے اسلئے کہ انسان کی فطرت میں کہوا ور غفلت داخل ہے۔ شہادت میں عدد کی شرط اس لئے رکھی گئی ہے کہ اگر بھول ہو جائے یا غفلت پیش آجائے تو گواہ آپس میں یاد دہانی کرا سکیں جیسے کہ اللہ تعالی نے شہادت میں ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کو رکھنے کی علت بیان کی ہے، اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا سکے۔

علامہ ابن حزم حنفی نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے خواتین کی شہادت کے حوالے سے رقمطراز ہیں۔

''و بضرورة العقل یدری کل احد انة فرق بین امراءة ورجل و بین رجلین و بین امراء تین و بین اربعة رجال و بین اربعة نسوة فی جواز تعمدالکذب والتو طی علیه و کذالك الغفلة ولو حینا الی ھذاالکان النفس اطیب علی شھادة ثمانی نسوة منھا علی شھادة اربعة رجال ''(26)

یہ بات بداہتاً ہر شخص جانتا ہے کہ ایک عورت اور ایک مرد اور دو مرد اور دو عورتوں اور چار مرد اور چار عورتوں کے درمیان اس معاملہ میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ عمداً جھوٹ لیں اور اس پر متفق ہو جائیں۔ یہی حال غفلت کا ہے خواہ ایک وقت ہی سہی (عورت اور مرد دونوں اس کا شکار ہو سکتے ہیں) اس لحاظ سے چار مردوں کی گواہی کے

مقابلہ میں آٹھ عورتوں کی گواہی پر دل زیادہ مطمئن ہوتا ہے۔

گواہوں کے رجوع کرنے کی صورت میں خواتین کے حوالے سے۔

''امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ (باب شہادت میں) ہر دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کے نقصان عقل کے بارے میں (بطور دلیل) یہ فرمایا کہ دو عورتوں کی شہادت ایک فرد کی شہادت کے برابر قرار دی گئی ہے۔تو صورت مذکورہ میں گویا ایسا ہوگیا جیسا کہ (کسی کے حق کی) شہادت دی ہو چھ مردوں نے اور پھر سب نے رجوع کرلیا ہوتو ایسی صورت میں ایک گواہ مرد رجوع کرنے سے چھٹے حصہ کا ضامن ہوتا ہے۔علی ھذا القیاس یہاں بھی اس ایک مرد گواہ پر چھٹے حصہ کا ضمان واجب ہوگا۔اور باقی دس دس عورتیں جو گویا پانچ مرد گواہ ہیں اگر وہ بھی رجوع کریں گی تو ان پر چھ میں سے پانچ حصوں کا ضمان عائد ہوگا۔اور اگر دس عورتوں نے رجوع کرلیا لیکن مرد گواہ نے رجوع نہیں کیا تو رجوع کرنے والی عورتوں پر نصف حق کا ضمان لازم ہوگا۔امام ابوحنفیہ اور صاحبین رحم اللہ کے دونوں قوتوں پر اسی دلیل کی بناء پر جس کو ہم نے بیان کیا کہ گواہی سے رجوع کرنے کے معاملہ میں رجوع کرنے والے گواہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔بلکہ جو عدد گواہ کا باقی ہے۔اس کا اعتبار ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں باقی رہنے والا مرد گواہ کی گواہی سے نصف حق باقی ہے۔اور اگر گواہی دی (کسی معاملہ میں) دو مرد اور ایک عورت نے پھر تینوں نے گواہی سے رجوع کرلیا تو ضمان (صرف) دو مردوں پر واجب ہوگا۔نہ کہ عورت اس لئے کہ (شریعت کی نظر میں) ایک عورت گواہ نہیں ہے بلکہ گواہ کا ایک حصہ ہے۔کیونکہ دو عورتیں ملکر ایک گواہ ہیں لہذا ایک عورت گواہ کا جز ہوئی نہ کہ کامل گواہ اس وجہ سے (اور فیصلہ) کی نسبت گواہ کے جز کی طرف نہ کی جائے گی۔''(27)

امام ابوبکر قصاص تفسیر احکام القرآن میں لکھتے ہیں۔

''اللہ تعالی کا قول ہے کہ اگر گواہ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ہونی چاہئے دو احتمال رکھتا ہے۔ایک یہ کہ جب تک دو مردوں کی شہادتیں موجود ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت معتبر نہیں کیونکہ قرآن میں ''فان لم یکونا ''شرط کے ساتھ ذکر کیا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ وضو کے حکم کے بعد قرآن میں تیمم کا حکم دیا گیا اور فرمایا ''فان لم تجدو اماء ''یعنی اگر پانی نہ ملے تو تیمم کرو ظاہر ہے جب تک پانی ہوگا تیمم ناجائز ہوگا پانی نہ ملنے کی صورت تیمم قائم مقام وضو ہوگا اس طرح جب تک دو مردوں کی شہادت میسر ہو تو عورت کی شہادت نہیں لی جائے گی اور جب دو مردوں کی شہادت میسر نہ ہو اور صرف ایک مرد کی شہادت موجود ہے تو دوسرے مرد کی شہادت کی جگہ پر دو عورتوں کی شہادت لی جائے گی۔دوسرا احتمال یہ ہے کہ دو گواہ اگر مرد میں سے

نہ ہوں تو یہ گواہ مرد اور عورت میں سے ہوں گے ۔ البتہ ایک مرد گواہ کی جگہ ایک عورت کی گواہی معتبر نہ ہوگی ۔ بلکہ دو عورتوں کی گواہی ہونا چاہئے جس کا معنی یہ ہے کہ معاملات میں دو گواہ ہونے چاہئیں اور دونوں گواہ اگر مردوں میں سے ہوں تو ٹھیک ہے دو کے دو معتبر ہیں اور دونوں گواہ اگر عورت اور مرد میں سے مخلوط ہیں تو ایک مرد گواہ کی جگہ دو عورت کی گواہی ہوگی اور دو عورت کی گواہی مل کر ایک گواہ مرد کی گواہی کے قائم مقام ہے ۔ ایک عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں نصف ہے ، صرف ایک عورت اگر گواہ ہے تو مرد کی شہادت ہوئی جبکہ حقوق اور اموال میں دو شہادت ہونی چاہئے ۔ تو اس طرح آیت کا کوئی بھی احتمال لیا جائے ہر احتمال میں عورت کی شہادت مرد کے برابر نہیں بلکہ مرد کی شہادت کے مقابلہ میں نصف شہادت ہے ۔

مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت دو مردوں کی شہادت کے برابر ہے اس لئے معاملات نکاح ، طلاق ، عتاق ، وصیت اور وکالت وغیرہ سب میں عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہوگی ۔'' (28)

حنفی کی مشہور کتاب المبسوط میں امام سرخی تحریر کرتے ہیں ۔

'' قاضی شریح سے منقول ہے کہ عورتوں کی شہادت حدود میں معتبر نہیں ۔ ہم (یعنی احناف) اسی کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور شیخینؓ کے زمانہ تک اور اس کے بعد سے اب تک یہی سنت چلی آ رہی ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ عورتوں کی شہادت میں ایک گونہ غفلت برتنے اور متیقظ نہ ہونے کی وجہ سے شبہ رہتا ہے ۔ کیونکہ بھول اور غلطی عورتوں میں زیادہ ہے پھر قوت حافظہ کی کمی فطری نسوانیت کی بناء پر عیاں ہیں ۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے آیت '' ان تضل احدا ھما فتذکر احدا ھما الاخریٰ '' کے ذریعہ ان ہی امور کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے '' من ناقصات العقل و الدین '' فرما کر عورتوں کی فطری اور دینی کمزوریوں کی طرف توجہ دلائی ہے ۔ اور حدود کے امور ایسے ہیں کہ اگر ان میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ آ جائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے عورت کی شہادت شبہات سے خالی نہیں ۔ اس لئے حدود کے اثبات میں عورت کی شہادت حجت نہیں ہے ۔'' (29)

ادب القاضی میں خواتین کے نصاب شہادت کے حوالے سے حنفی نقطۂ نظر کو اس طرح بیان کیا گیا ہے ۔

شہادت کے کئی درجے ہیں ان میں سے ایک شہادت ہے زنا کی جس میں چار مردوں کی گواہی معتبر ہوگی ۔ اللہ تعالی کے اس فرمان کی وجہ سے کہ '' و اللاتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشھدو ا وعلتھن اربعة منکم '' اور آیت '' ثم لم یاتوا باربعة شھداء '' اس میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی

اس کی دلیل زہری کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور اس کے بعد کے دونوں خلیفوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ عورت کی گواہی کو حدود اور قصاص میں معتبر سمجھتے تھے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں نیابت (بدیقہ) کا شبہ پایا جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں عورت کی گواہی قائم مقام ہوگی مردوں کی گواہی کے اس لئے ان جرائم میں جو شہادت کی وجہ سے مٹ جاتے ہیں عورت کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

دوسرا درجہ شہادت کا وہ ہے جو دیگر حدود اور قصاص کا ہے اسمیں دو مردوں کی گواہی معتبر ہوگی جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ''و استشھدو اشھیدین من رجالکم'' اور اس میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی اس کی وجہ بیان کر چکے ہیں ان دو صورتوں کے سواء دیگر حقوق میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی چاہے وہ حق مال یا غیر مال جیسے نکاح طلاق اور وصیت وغیرہ

امام شافعی کہتے ہیں کہ عورت کی گواہی مال اور اس کے ذیلی امور میں تو قبول کی جائے گی مگر دیگر امور میں قابل قبول نہ ہوگی۔ ولادت، بکارت، عورتوں کے عیوب کے بارے میں جن کے بارے میں مرد باخبر نہیں ہو سکتے، صرف ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کی گواہی ان امور میں جائز ہے اور معروف بالف واللام ہے اس لئے اس سے مراد جنس ہوگا لہذا وہ اقل عدد پر مشتمل ہوگا (جو ایک ہے) امام شافعیؒ کے نزدیک ایسے معاملات میں چار عورتوں کی گواہی معتبر ہوگی۔''(30)

خواتین کی شہادت کے حوالے سے حنفی نقطۂ نظر کا خلاصہ یہ ہے:

☆ زنا کے معاملے میں عورت کی شہادت قابل قبول نہیں ہے۔

☆ حدود اور قصاص میں عورت کی گواہی قبول نہیں۔

☆ عورتوں کے مخصوص مسائل میں ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی۔

☆ حق مال یا غیر مال جیسے طلاق، وصیت وغیرہ میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

☆ وہ جرائم جو شہادت کی وجہ سے مٹ جاتے ہیں عورت کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

فصل دوم: خواتین کی شہادت کے بارے میں مالکی نقطۂ نظر:

امام مالک نے خواتین کی شہادت کے بارے میں کیا نقطۂ نظر رکھتے ہیں اس کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

''(واءلا) باءن کان المشھو دبہ مالا اءو آیلا لمال:

(فعدل وامراءتان) عدلتان (اءواءاحدھما): اءی : عدل فقط (مع عین، کبیع) وشراء (واءجل) ادعاہ مشتر وخالفہ البائع اءواختلفافی طوبہ اءوفی قبض الثمن اءواقدرہ (وخیار) ادعاہ اءحدھما وخالفہ الآخر لاءنہ یئول لمال

(وشفعۃ) ادعی المشتری اسقاطھا من الشفیع او ادعی الشفیع لعبدسنۃ انہ کان غائبا ونحو ذالک (او اجارۃ) عقدا او اجلا (وجرح خطا) لانہ یؤل لمال (او) جرح (مال) عمدا کجائفۃ (او اداء) نجوم (کتابۃ) ادعاہ العبد علی سیدہ فانکر (او ایضاء) او توکیل (بتصرف فیہ) ای فی المال۔

''او لا ان ابو کاتۃ والوصیۃ بانصرف بالمال لا یکون فیھا ایمین مع اشاھد ، قال اللعمی : اختلف اذا شھد شاھد علی وکالۃ عن غائب ھل یحلف الوکیل مع الشاھد ؟ والمشھور انہ لا یحلف ، وھذا احسن ان کانت الوکالۃ لحق الغائب فقط خ فان کانب مما یتعلق بھا حق الوکیل ، کان یکون لہ علی الغائب دین او یکون ذالک المال بیدہ قراضا او تصدیق بہ علیہ حلف واستحق ان اقراعوکل علیہ بالمال للغائب '' (31)

یعنی ''نصاب شہادت کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اگر مشہو د بہ مال یا متعلق بمال ہو تو ایک مرد اور دو عورتیں جو عادل ہوں کہ گواہی ضروری ہے قسم کے ساتھ جیسے بیع وشراء میں یا مدت ہے کہ خریدار اس کا دعویٰ کا کر رہا ہے اور فروخت کنندہ اس کی مخالفت کر رہا ہے یا مدت کے تعین میں ان کا اختلاف ہو یا قیمت کی وصولی کے بارے میں اختلاف ہو یا قیمت کی مقدار میں خیار (خیار روئیت) میں ان کا اختلاف ہو یا شفعہ میں اختلاف ہو مثلاً خریدار دعویٰ کرے کہ شفعہ ساقط ہو چکا ہے یا شفیع ایک سال بعد دعوی کرے کہ وہ غائب تھا۔ یا اجارہ کے بارے میں اختلاف ہو اس کے عقد میں یا مدت میں یا غلطی سے زخمی کر دینے کے بارے میں اختلاف ہو کہ اس میں تھی۔ مال سے معاوضہ دینا ہوتا ہے یا وصیت کے بارے میں اختلاف ہو یا مالی تصرف کے سلسلہ میں وکالت میں اختلاف ہو۔''(32)

اور اسی طرح نصاب شہادت کے چوتھے مرتبے کو بیان کرتے ہوئے امام مالکؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے۔

''جو باتیں مردوں پر ظاہر نہیں ہوتیں تو اس کے لئے دو عادل عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی مثلاً فرج میں عیب کے بارے میں گواہی بایں طور پر کہ کسی آزاد حرۃ عورت کا خاوند دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی فرج میں کوئی عیب اور وہ اس کا انکار کرتی ہے اور وہ رضامند ہو جائے کہ عورتیں اس کو دیکھ سکتی ہیں یا لونڈی ہو کر خریدار نے اعتراض کیا ہو اور بائع اس کا انکار کر رہا ہو۔ یا مثلاً کسی بچے کے پیدا ہونے پر اس نے آواز نکالا تھا یا نہیں ، بچہ لڑکا تھا لڑکی (جواب فوت ہو گیا پیدا ہونے کے ساتھ) کیونکہ اس پر وراثت کے ہونے یا نہ ہونے کا مدار ہے یا حیض کے بارے میں یا ولادت کے بارے میں کہ جن کا عورت دعویٰ کرتی ہے کہ چونکہ مرد کی موجودگی کی یہ باتیں نہیں ہیں۔ لہذا دو عورتوں کی گواہی کافی ہے۔''(33)

☆ خواتین کی شہادت کے حوالے سے مالکی نقطۂ نظر پیش کیا گیا اس کا خلاصہ یہ سامنے آیا کہ اگر مشہود بہ مال یا متعلق بمال ہو تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول ہوگی۔

☆ جو باتیں مردوں پر ظاہر نہیں ہوتیں تو اس کے لئے دو عادل عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

☆ زنا کے معاملے میں عورت کی گواہی قابل قبول نہیں۔

☆ حدود و قصاص میں عورت کی گواہی قبول نہیں۔

☆ ''امام مالکؒ بھی تنہا عورتوں کی گواہی قبول کرتے ہیں البتہ وہ کسی مقدمہ میں صرف ایک عورت کی گواہی کی بجائے دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ کے قائل ہیں جس طرح دو مردوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔ سوائے مخصوص حالات کے جن میں کمی بیشی کی گنجائش ہے۔'' (34)

فصل سوم: خواتین کی شہادت کے حوالے سے حنبلی نقطۂ نظر:

ایک عورت کی گواہی کے حوالے سے امام حنبل کا نقطۂ نظر پیش خدمت ہے۔

'' لا نعلم بین اھل العلم خلافا فی قبول شہادۃ النساء المنفردات فی الجملۃ قال القاضی والذی تقبل فیہ شہادتھن منفردات خمسۃ اشیاء الولا ذ ولا ستھلال والرضاع والعیوب تجت الشیاب کالرتق والقرن والبکارۃ والشیانۃ والبرص ، والقفاء العدۃ و عن الی حنیفۃ لا تقبل شہادتھن منفردات الرضاع لا نہ یجوز ان یطلع علیعہ بخارم المراۃ من الرجال فلم یثبت بالنساء منفردات کالنکاح ولنا ماروی عقبۃ بن الحارث قال :تزوجت ام یحی بنت ابی اھاب فاتت امۃ سوداء فقالت قد ارضعتکما فاتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ذالك لہ فاعرض عنی ثم اتیتہ فقلت یا رسول اللہ انھا کا ذبۃ قال کیف و قد زعمت ذلك متفق علیہ ولا نھا شہادۃ علی عورۃ للنساء فیھا مدخل فقبل فیھا شہادۃ النساء کالولادۃ و تخالف العقدفانہ لیس بعورۃ و حکی عن ابی حنیفہ ایضاء ان شہادۃ النساء المنفردات لا تقبل فی الا ستھلال لانہ یکون بعد الولادۃ و خالفہ صباحباہ واکثراھل العلم لانہ یکون حال الولادۃ فیتعذز حفور الرجال ماء شبہ الولادۃ نفسھا۔

و قدوری عن علی رحمۃ اللہ ان اجاز شہادۃ القابلۃ و جد ھا فی الا ستھلال رواہ

الامام احمد و سعيد بن منصور الا انه من حديث حابر اطعفى و اجاره تشريح والحمن والحارث العكيلى و حماد۔

(فصل) اذا ثبت هذا نكل موضع قلنا تقبل فيه شهادة النساء امنفردات فانه تقبل فيه شهادة المراة الواجدة فقال طاوس تجوز شهادة المراة فى الرضاع و ان كانت سوداءو عن احمد زاوية اخرى لا يقبل فيه الا امراءتان و هو قول الحكم وابن ليل و ابن شبرمة واليه ذهب مالك و الثورى لان كل جنس يثبت به الحق كفى فيه اثان كالرجال ولان الرجال اكمل منهن عقلا ولا يقبل منهم الا اثنان وقال عثمان البيتى يكفى ثلاث لان كل موضع قبل فيه النساء كان العدد ثلاثة كمالو كان معهن رجل و قال ابو حنيفة تقبل شهادة المراة الواحدة فى الازبع لانه شهادة من شرطها الحرية فلم يقبل فيها لالواحدة كسائر الشهادات ولان النبى صلى الله عليه وسلم قال "شهادة امراءتين يشادة رجل"

ولنا ماروى عقبة بن الحارث انه قال تروجت ام يحى بنت ابى اهاب فجاءت امة سوداءفقالت قدا رضعتكما فجئت الى النبى صلى الله عليه وسلم فذكرت له ذلك فاعرض غنى ثم ذكرت له ذلك فقال "و كيف و قدزعمت ذلك" متفق عليه، وروى حذيفة ان النبى صلى الله عليه وسلم اجاز شهادة القابلة ذكره الفقها فى كتبهم وروى ابو الحطاب عن ابن عمر ان النبى صلى الله عليه وسلم قال يجزى فى الرضاع شهادة امراءة و احدة ولانه معنى يثبت بقول النساء المنقردات فلا يشتر ما فيه العدد كالرواية واخبار الديانات و ماذكره الشافعى من اشتراط الجزير غير مسلم و قول النبى صلى الله عليه وسلم "وشهادة امراءتين بشهادة رجل فى الموضع الذى تشهد فيه مع الرجل" (35)

یعنی ”یعنی جن امور میں مردوں کو آگاہی حاصل نہیں ہوتی جیسے رضاعت، ولادت، حیض، عدت وغیرہ تو ان میں سے ایک عادل عورت کی گواہی قبول کی جائے گی، ہمیں اس سلسلے میں اکیلے عورتوں کی گواہی کے قبول کئے جانے میں اہل علم کے درمیان کسی اختلاف کا علم نہیں ہے اور قاضی نے کہا کہ وہ امور جن میں تنہا عورتوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے وہ پانچ ہیں ولادت، استہلال، رضاعت، پوشیدہ عیوب، جیسے اتق قرن، بکارت، ثیابت، برص

وغیرہ ۔اورعدت کاختم ہونا ،ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ رضاعت میں تنہاعورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی کیونکہ جائز ہے کہ عورت کے محارم مرد اس پر مطلع ہوسکیں ۔لہٰذا یہ صورت تنہاعورتوں کی گواہی سے ثابت نہیں ہوگا نکاح کی طرح ۔

ھماری دلیل ہے کہ عقبہ بن حارث نے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ام یحیٰی بنت ابی وھاب سے شادی کی تو ایک کالی لونڈی آئی اوراس نے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے ۔تو میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور یہ بات میں نے آپکو بتائی تو آپ ﷺ نے مجھ سے اعتراض کیا میں پھر آپ ﷺ کے پاس آیا اورعرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ عورت جھوٹی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ وہ یہ خیال رکھتی ہے یہ حدیث متفق علیہ ہے نیز یہ گواہی ایسی ہے جوعورتوں کے پوشیدہ احوال سے متعلق ہے جس میں صرف عورتوں کا دخل ہوتا ہے لہٰذا اس میں عورتوں کی گواہی ولادت کی طرح قبول کی جائے گی اور یہ نکاح کے برعکس ہے کیونکہ نکاح پوشیدہ چیز نہیں ہے ۔

اگر مرد نے ایسے امور میں گواہی دی تو ابوالخطاب کہتے ہیں کہ اب تنہا گواہی قبول کی جائے گی کیونکہ وہ عورت سے زیادہ کامل ہے جب عورت میں ایک کی گواہی پر اکتفا کیا گیا ہے تو اس پر بطریق اولی اکتفا کیا جائے گا اور پھر جس میں ایک عورت کی بات قبول کی جائے گی اس میں ایک مرد کی بھی بات قبول کی جائے گی خبر کی طرح‘‘(36)

خواتین کی شہادت کے حوالے سے المغنی والشرح الکبیر میں اس طرح بحث کی گئی ہے ۔

’’(لا یقتل فی شھادۃ الاموال اقل من رجل و امراء تین ورجل عدل مع یمین الطالب) و جملۃ ذلك ان المال کالقرض والغصب والدیون کلھا وما یقصد بہ المال کالبیع والوقف والا جارۃ والھبۃ والصح والمساقاۃ والمضاربۃ والشرکۃ والوحیۃ لہ والجنایتہ الموجبۃ للمال کجنایۃ الخطاء و عمد الخطاء والحمد الموجب للمال دون القصاص کالجائفۃ وما دون الموضحۃ من الشجاج مثبت شھادۃ رجل و امراء تین ، وقال اءبوبکر لا ثبت الجنایۃ فی البدن شھادۃ رجل و امراء تین لا نھا جنایۃ فاء شبھت ما یوجب القصاص والاول اء صبح لان موجبھا المال واء شبھت البیع و فاروق مایوجب القصاص لان القصاص لا تقبل فیہ شھادۃ النساء و کذلك مایوجبہ والمال یشبت شھادۃ النساء و کذلك مایوجب ولا خلاف فی اءن المال یثبت شھادۃ النساء مع الرجال وقد نص اللہ تعالی علی ذلك فی کتابہ بقولہ سبحانہ (یا

ايهاالـذين آمنوا ذا تداينتم بدين ـ اءبى قوله ـ واشهدو شهيدين من رجالكم فان لم يـكـونـا رجـلـيـن فـرجـل و امـرتان ممن ترضون من الشهداء) واء جمع اهل العلم على القول به و قدركرنا خبر اءبى هريرة وابن عباس فيه۔

(فصل) داءكثر اهل العلم يرون ثبوت المال لمد عيه شاهدو عين روى ذلك عن اءبى بـكـرو عـمـرو عثـمـان و عـلـى رضـى الـلـه عـنهم و هو قول الفقهاء السبعة و عمر بن عبـدالعزيز والحسن و شريح واءياس و عبدالله بن عنبة و اءسلمة بن عبدالرحمن و يـحى بن يعمر وربيعة و مالك و ابن اءبى ليلى واءبى الزما دو الشافعى وقال الشعبى والـنـحـيـعـى واء صـحـاب الـراءى والاوزاعـى لا يقضى بشاهدو يمين وقال محمد بن الـحـسـن مـن قـضـى بـالشاهد واليمين نقطيت حكمه لا ن الله تعالى قال (واستشهدو اشهيـديـن من رجالكم فان لم يكونا ، رجلين مرجل و امراءتان) فمن زاد فى ذلك فقد زاد فـى الـنـص والـزيـادة فـى الـنـنـص نسخ ولاء ن النبى صلى الله عليه وسلم قال "البينة على المدعى واليمين على من اءنكرّ فحصرا يمين فى جانب المرعى عليه كما حـصـرالية فـى جانب المرعى ولنا ماروى سهيل عن اءبيه عن اءبى هريره قال قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم باليمين مع الشاهد الواحد رواه سعيدبن منصور فى سـنه والاءئمه من اءهل السنن والمسانيد قال الترمذى هذٰا حديث حسن غريب و فى الـبـاب عـن عـلـى و ابـن عبـاس و جـابر و مسروق ، وقا ل النسائى اسناد حديب ابن عبـاس فى اليمين مع الشاهد اسناد جيد ، ولان ايمين تشريح فى حق من طهر صدقه و قوى جانبه و لذلك شرعت فى حق صاحب اليدلقوة جنبة بهاوفى حق المنكرلقوم احـنبة فـان الاصـل بـراءة ذمته والمدعى ههناقد ظهر صدقه فوجب اءن تشرع ايمن فـى حصه ولا حجة لهم فى الآية لا نها دلت على مشروعيه الشاهدين والشاهد والمراء تيـن ولا نـزاع فـى هـذا ، وقـولهـم اءن الـزيادة فى النص نسخ غير صحيح لان النسخ الـرفـع والا زالة والزيادة فى الشيئى تقريرله لا رفع والحكم بالشاهد وايمين لا ينمع الـحكم بالشاهدين ولا يه فعه ولا ن الزيادة لوكانت منصلة بالزيد عليه لم ترفعه ولم تـكـن نسـخـا و كذلك باذا انفعلت عنه ولاءن الآ ية واردة فى الحمل دون الاداء ولهذا

قال لا ء ن تضل احداهما فتذكر احدا هما الاخرى و النزاع فى الاداء و حديثهم ضعيف وليس هو للحصر بدليل ا ء ن ايمين تشرع فى حق المودع اذا ادعى ر دا بو ديعة و تلفها و فى حق الامناء نظهور جنا يتيم و فى حق الملاعن و فى انقسامة و تشرع فى حق البائع و المشتبرى اذا احتلفا فى الشمس و السلعة قائمة و قول محمد فى نقص قصاء من قضى بالشاهد و ايمين يتضمن القول بنقض قضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم و الحلفاء الذين قضوا به وقد قال الله تعالىٰ (فلا وربك لا يئومنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجد وافى انفسهم حرجا مما قصيت ولسلموا تسليما) و القضاء بما قضى به محمد بن عبدالله صلى الله عليه وسلم ا ء ولى من قضا محمد بن الحسن المحاف ''(37)

یعنی ''اموال میں ایک مرد اور دو عورتوں سے کم کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی یا ایک مرد عادل اور مدعی کے قسم کے سواء۔عادل سے مراد یہ ہے کہ جیسے قرض ،غضب وغیرہ میں اور مقصود میں سے جیسے تجارت وقف، اجارہ، ھبہ، صلح، مساقات، مضاربہ، شرکت، وصیت یا ایسا جرم جو مال کو واجب کر دیتا ہے جیسے جنایت خطا اور عمد الخطا یا ایسا عمد جو مال کو واجب کر دیتا ہے قصاص کو نہیں جیسے ایسا زخم جو گوشت میں ہو ھڈی کو ظاہر کرتا ہو۔ یہ سبب ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو جاتے ہیں۔اور ابو بکر کہتے ہیں کہ جنایت بدنی ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ وہ جنابت ہے لہذا وہ قصاص کو ضروری کرنے والے جنابت کے مانند ہوگا لیکن قول درست ہے کیونکہ اس جنابت سے مال ہی واجب ہوتا ہے لہذا یہ بیع کے مشابہ ہے اور یہ اس جنابت سے الگ ہے جو قصاص کا موجب بنتا ہے کیونکہ قصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اسی طرح ان امور میں بھی جو قصاص کا موجب ہوتے ہیں جبکہ مال کا موجب بنتے ہیں جبکہ مال عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو جاتا ہے۔اسی طرح وہ امور جو مال کا موجب بنتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مال ثابت ہو جاتا ہے۔عورتوں کی گواہی مردوں کے ساتھ ہو اسکی صراحت اللہ تعالیٰ نے کتاب میں اپنے اس قول سے کر دی ہے۔

''یا ایھا الذین آمنو اذا تدینم بدین ۔ فان لم یکونا رجلین فرجل و امراء تان ممن ترضون من الشهداء '' اکثر اہل علم کے نزدیک مال کا ثبوت مدعی کے لئے ایک گواہ اور قسم سے ہو جاتا ہے ۔یہ روایت کیا گیا ہے، ابو بکر، عمر، عثمانؓ سے اور یہی ساتوں فقہاء کا قول ہے ۔اور دیگر فقہاء جس میں مالک اور شافعی شامل ہیں اور امام نخعی اور اصحاب الرائی اور اوزاعی کہتے ہیں کہ ان میں ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ نہیں

کیا جائے گا۔

امام محمد بن الحسن نے کہا کہ جس نے ایک گواہ اور مدعی کے قسم سے فیصلہ کیا اس کا فیصلہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ اللہ تعالی کا قول ہے۔ واشهد شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامراء تان تو جس نے اس میں اضافہ کو یا اس نے نص میں اضافہ کیا اور نص میں اضافہ کرنا اسے منسوخ کر دینے کے مترادف ہے اور پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ البينه على المدعى واليمين على من انكر تو آپ نے قسم کو مدعی علیہ کی جانب منحصر کر دیا جس طرح کہ گواہوں کو مدعی کی طرف منحصر کر دیا ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو سہیل نے اپنے باپ کے واسطے سے ابوھریرہؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ کے ساتھ قسم کے ساتھ فیصلہ دیا۔ اسے سعید بن منصور نے اپنے سنن میں روایت کیا ہے اور اسے اہل سنن اماموں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور غریب ہے اور اسی سلسلے میں حضرت علی، ابن عباس، جابر اور مسروق سے روایت ہے اور نسائی نے کہا کہ حدیث ابن عباس جو گواہ کے ساتھ قسم کے بارے میں ہے کی اسناد عمدہ ہے۔

نیز قسم کو اس کے لئے جائز قرار دیا گیا ہے جس کا سچ ظاہر ہو چکا ہے اور اس کا جانب قوی ہے یہی وجہ ہے اسے قابض کے حق میں جائز ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ اس کا جانب قوی ہے اور منکر کے حق میں بھی کیونکہ اس کا جانب قوی بھی ہے کیونکہ اصل میں اس کا اپنے ذمہ سے بری ہونا ہے اور یہاں پر مدعی کا سچ ظاہر ہو چکا ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ قسم کو اس کے لئے جائز قرار دیا جائے اور آیت سے انہوں نے جو دلیل دی ہے وہ دلیل صحیح نہیں کیونکہ آیت تو دو گواہوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو جائز ٹھہرانے کے لئے ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور ان کا یہ قول کہ نص میں اضافہ اسے منسوخ کر دینے کے مترادف ہے درست نہیں کیونکہ نسخ سے مراد زائل کرنا اور اسے دور کر دینا ہوتا ہے جبکہ اضافہ کسی چیز میں اسے مضبوط کرنے کے لئے ہوتا ہے، ازالہ کے لئے نہیں اور ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ کرنا مانع نہیں ہے دو گواہوں سے فیصلہ کرنے میں اور پھر آیت وارد ہے تحمل شہادت کے لئے نہ کہ ادائے شہادت کے لئے اسی وجہ سے اللہ تعالی نے فرمایا، ان تضيل احدا هما فتذكر احدا هما الاخرى اور اختلاف تو ادائے شہادت میں اور انہوں جو حدیث پیش کی ہے وہ ضعیف ہے اور وہ حصہ کے بھی نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قسم کو جائز ٹھہرایا گیا ہے امانت دار کے حق میں جب کہ وہ امانت کے واپس کر دینے کا دعویٰ کرے یا اس کے تلف ہو جانے کا دعویٰ کرے اور امانت داروں کے حق میں ان کے جنایت کے ظاہر ہونے کی وجہ سے اور اعلاعن الحق میں اور قسامہ میں اور اسے جائز ٹھہرایا گیا ہے باع اور مشتری کے حق میں جبکہ ان میں

باہم ثمن کے بارے میں اختلاف ہے اور سامان موجود ہو۔

امام محمد کا یہ قول کہ جس نے ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ دیا اس کا فیصلہ ٹوٹ جاتا ہے اس سے تو رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ بھی ٹوٹ جاتا ہے اس سے تو رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ بھی ٹوٹ جاتا ہے اور خلفاء کے فیصلے جنہوں نے اس کے مطابق فیصلہ دیا۔ جبکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

فلا ربك لا يومنون حتى يحكمون فيما شجر بينهم . و يسلمو تسليما

اور جو فیصلہ محمد بن عبداللہ ﷺ نے کیا ہے زیادہ بہتر ہے محمد بن الحسن کے فیصلہ سے جو اس کے خلاف جاتا ہے۔''

(38)

مالی معاملہ میں عورت کی گواہی کے حوالے سے حنبلی مکتبہ فکر کی رائے ملاحظہ ہو۔

''(فصل) و لا تقبل شهادة امراء تين و يمين المدعى ، وبه قال الشافعى و قال مالك يقبل ذلك فى الاموال لا نهما فى الاموال اء قيمتا مقام الرجل فخلف معهما كما يخلف مع الرجل .

ولنا ان البينه على المال اذا حلت من رج لم تقبل كما بو شهداء اربع نسوة و ماذكروه يبطل بهذه الصورة فا نهمالو اء قيمتا مقام رجلين و تقبل فى غير الاموال شهادة رجل و امراء تين ولان شهادة المراء تين ضعيفة تقوت بالرجل واليمين ضعيفة فيفم ضعيف الى ضعيف فلا يقبل.

(فصل) اذا ادعى رجل علحد جل اء نه سرق نصابا من حرره واء قام بذلك شاهدا و حلف معه اءو شهدله بذلك رجل و امراء تان و جب له المال المشهود به ان كان باقيا اءو قيمه ان كان تالفاو لا يجب القطع لان هذه حجة فى المال دون القطع و ان ادعى على رجل اء نه قتل و ليه عمدًا فاقام شاهدًا و امراء تين او حلف مع شاهده لم يثبت قصاص و لاء ية و الفرق مين المسئليتن ان السرقة تو جب القطع و الغرم معافازا لم يثبت احدهما ثبت الآخرو القيتل العمد مو جبه القصاص عينا فى احدى الروايتين والدية بدل عنه و لا يجب البدل مالم يو جد المبدل . ''(39)

یعنی ''دو عورتوں کی گواہی مدعی کی قسم کے ساتھ قبول نہیں کی جائے گی اور یہی شافعی کا قول ہے اور مالک کہتے ہیں اسے اقوال میں قبول کیا جائے گا کیونکہ دونوں عورتوں کو ایک مرد کا قائم مقام ٹھہرایا گیا ہے لہٰذا مدعی ان دونوں

کے ساتھ حلف اٹھائے گا جیسا کہ وہ مرد کے ساتھ حلف اٹھاتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب بینہ مال میں مرد کی گواہی سے خالی ہوتو اسے قبول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ اگر چار عورتیں گواہی دیں (تو قبول نہیں کی جائے گی) اور انہوں نے جو بیان کیا ہے وہ اس صورت سے باطل ہو جاتا کیونکہ اگر دوعورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام بہر صورت بنایا جاتا تو چار عورتیں دومردوں کی گواہی کے بدلے میں کافی ہوتیں اور غیر اموال میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کی جاتی دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں عورتوں کی گواہی کمزور ہے جسے ایک مرد کے ساتھ مضبوط بنایا گیا ہے اور یمین خود ضعیف ہے اور ضعیف کو ضعیف کے ساتھ ملانے کی صورت میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔''
(40)

حنبلی مکتبہ فکر کے ترجمان:

عرب مفکر عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی خواتین کی شہادت کی اھلیت و نا اھیلت وحقوق پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''وہ مسائل جن میں عورت کی گواہی کا حق ہے۔

1۔ مال کے بارے میں:

شریعت اسلامیہ نے مالی معاملات میں عورت کو گواہی کا حق دیا ہے اس میں معاملہ قرض، اجارہ، غصب اور دیون سے متعلق گواہی شامل ہے۔ سال کے بارے میں گواہی کا مطلب یہ کہ اس سے متعلق معاملات جیسے خرید و فروخت کا معاملہ لہذا عورت کو خرید وفروخت وغیرہ میں گواہی کا حق ہے اور اس میں شرائط پوری کرنا بھی ضروری ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ گواہ ایک مرد اور دوعورتیں ہوں، اسی طرح جن معاملات میں عورت کی گواہی معتبر ہے ان میں عقد وقف اجارہ، ھبہ، صلح، مساقات، مضاربت، شرکت اور وصیت جیسے معاملات شامل ہیں اور مالی معاملات میں عورت کی گواہی معتبر ہونے پر فقہاء کرام کا اجماع ہے۔

2۔ جنایات

عورت کو اس جنایت میں گواہی کا حق ہے جس میں مال واجب ہوتا ہے جسے خطاء میں اور عمد میں جب مال واجب ہو۔ (قلع وغیرہ کے نتیجے میں) اور اس میں بھی آیت شہادت کی رعایت ضروری ہے کہ ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں۔

3۔ خلع

عورت کی خلع میں گواہی کا حق حاصل ہے، عورت کو یہ حق ہے کہ وہ اس طرح گواہی دے جیسے کسی شخص نے

دعوی کیا کہ اس نے اپنی بیوی سے خلع کرلیا ہے۔اور عورت اس کا انکار کرے تو عورت کو گواہی دینے کا حق ہوگا لیکن اسی شرائط کے ساتھ کہ ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں۔

وہ مسائل جن میں صرف عورت کی گواہی معتبر ہے

ہم یہاں ان معاملات اور مسائل کو بیان کریں گے جن میں مردوں کی گواہی معتبر نہیں بلکہ صرف عورت کی گواہی معتبر ہے اور یہ مسائل عورتوں ہی کے خاص مسائل ہیں۔ان مسائل میں علماء کا اتفاق ہے اور اختلافی کوئی رائے نہیں پائی جاتی۔

1۔ولادت اور بچے کے رونے پر گواہی:

اگر بچہ کی ولادت اور بچے کے رونے کے مسئلے میں کوئی نزاع واقع ہوجائے تو یہاں صرف عورت کی گواہی معتبر ہونگی مرد کی نہیں۔اس لئے کہ یہ ان امور میں سے ہے جن پر اکثر اوقات مرد مطلع نہیں ہوسکتے (یہ اس لئے کہ) حضرت حذیفہؓ کی روایت میں نبی کریم ﷺ نے دائی کی تنہا گواہی جائز قرار دی ہے۔

2۔رضاعت

اسی طرح اگر رضاعت کے معاملے پر اختلاف ہوجائے اور معاملہ قاضی تک پہنچ جائے تو عورت کو یہ حق ہے کہ وہ گواہی دے کیونکہ یہ وہ مسئلہ ہے جو عورت کے ساتھ خاص ہے۔

حضرت ابن عباس اور امام احمد کا موقف ہے کہ دودھ پلانے والی عورت کی تنہا گواہی قبول کی جائیگی اس لئے کہ بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عقبہ بن حارث نے ام یحیٰ بن ابی وھاب سے نکاح کیا تو ایک عورت نے آکر کہا کہ تم دونوں کو میں نے دودھ پلایا تھا۔تو نبی کریم ﷺ سے انہوں نے یہ مسئلہ پوچھا تو روایت ہے کہ آپ ﷺ نے پوچھ گچھ کر کے عقبہ اور ام یحیٰ میں تفریق فرمادی تھی۔اور انہوں نے دوسری عورت سے نکاح کیا تھا۔

3۔عورت کے خفیہ عیوب پر گواہی:

عورت کے وہ عیوب جو کپڑے کے نیچے ہوں مثلاً فرج میں ھڈی کا نکل آنا وغیرہ جیسے ''رتق'' کہتے ہیں۔اس کی گواہی صرف عورت دے سکتی ہے

4۔پردہ بکارت کی گواہی

اگر اس معاملہ میں اختلاف ونزاع ہوجاتے تو عورت ہی اسے دیکھ کر گواہی دے سکتی ہے کہ یہ عورت کنواری ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی ان معاملات میں سے ہے جو عورت کے ساتھ خاص ہیں۔

5۔عدت کی گواہی

جب عورت کی عدت حیض سے ہو تو اس پر بھی گواہی صرف عورت دے سکتی ہے کیونکہ یہ ان امور میں سے ہے جن میں عموماً مردوں کو اطلاع نہیں ہوتی اس لئے صرف عورت کی گواہی معتبر ہے۔

6۔ ماھواری پر گواہی

ماھواری (حیض) کے کسی بھی اختلاف پر بھی گواہی عورت ہی دے سکتی ہے۔

وہ معاملات جن میں عورت کی گواہی مقبول نہیں۔

1۔نکاح میں صرف عورتوں کی گواہی

نکاح دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے منعقد ہوتا ہے۔امام احمد کہتے ہیں کہ اگر کوئی صرف عورتوں کو گواہ بنا کر نکاح کرے تو جائز نہیں جب تک کہ عورتوں کے ساتھ مرد بھی ہوں۔

امام زھری نے بھی ان کی رائے سے موافقت کی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ سنت چلی آ رہی ہے کہ حدود نکاح، اور طلاق میں محض عورتوں کی گواہی قبول نہیں۔

2۔حقوق جنائی (جرائیم)

حقوق جنائی یعنی قانون تعزیرات میں عورت کی گواہی معتبر نہیں کیونکہ حقوق ضائی اور حدود میں احتیاط اور حق ثابت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔شیخ مصطفیٰ سباعی اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''جنایات میں عورت کی گواہی اس لئے معتبر نہیں کیونکہ وہ زیادہ تر گھریلو کام کاج میں لگی رہتی ہے اور اسے جھگڑوں کی ان مجالس میں حاضر ہونا میسر نہیں ہوتا جو قتل اور اس جیسے جرائم پر منتج ہوتی ہیں اور اگر وہاں موجود بھی ہو تو وہ قتل جیسے جرم کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی کیونکہ وہ اتنی بہادر نہیں ہوتی۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اگر وہاں سے بھاگے نہیں تو آنکھیں بند کر لیتی ہے اور چیخ و پکار کرتی ہے اور بسا اوقات تو بیہوش ہو جاتی ہے۔اور یہ اس کی طبیعت میں موجود رحم دلی، رقت قلبی، جلد رونے کے جذبات کی وجہ سے ہوتا ہے اس کے یہ جذبات اس کے اصل بنیادی امور گھرداری اور ماں کے کردار بخوبی ادا کرنے کے لئے ہیں۔اس لئے ان وجوہات کے باعث کیسے ممکن ہے کہ وہ گواہی دے سکے۔یہ قانون مسلم ہے کہ حدود شبہات کی بناء پر ساقط ہو جاتی ہیں اور عورت کی قتل جیسے جرم میں گواہی شبہے اور عدم امکان کے شبہے پر مشتمل ہوگی جو اس کے نفسیاتی حال کی بناء پر صحیح طریقے جرم اور اس کے وقوع کو بیان نہ کر سکنے سے ثابت ہوگا۔

یہ وجہ بھی ہے کہ عورت میں حیاء بہت زیادہ ہے اور اکثریت عورتوں کی اس سے متصف ہے۔اس لئے بعض جرائم

جیسے ''زنا کا جرم'' عورت کی حیاء کی شان نہیں ہیکہ وہ ایسے جرم کے وقت حاضر ہو۔ اس لئے یہ بھی شبہے کو فائدہ دے گی۔

شریعت ان معاملات میں تنہا عورت کی گواہی قبول کرتی ہے جہاں اس کے علاوہ کوئی اور مطلع نہیں ہوسکتا، یا وہ اکثر حالات میں مرد کے بجائے مطلع ہوتی ہے اور یہاں کوئی مسئلہ عورت کے اکرام، امانت، اھلیت وعدم اھیلت کا نہیں بلکہ یہ مسئلہ وہ ہے جس میں احکام شریعت ثابت ہوئے ہیں اور یہ فیصلے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہی ہر قانون عدل کا تقاضا ہے۔

3۔زنا

زنا کی گواہی کے لئے ضروری ہے کہ گواہ مرد ہوں اور یہاں بھی عورت کی گواہی دینے کا حق حاصل نہیں۔ ایک ضعیف رائے بھی موجود ہے جس کا اعتبار نہیں۔ یہ رائے حضرت عطاء اور حماد کی ہے کہ زنا میں تین مردوں اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ لیکن یہ رائے قابل اعتماد نہیں۔'' (41)

ابن القیم نے حضرت امام ابن تیمیہ کا قول نقل کیا ہے کہ

''قرآن میں دو مرد اور ایک مرد اور دو عورتوں کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا ہے کہ فیصلہ کرنے والے اس تعداد کے پابند ہیں بلکہ صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ اتنے گواہوں سے حقدار کا حق محفوظ رہتا ہے۔'' (الطریق الحکمیہ ص 70)(42)

''امام ابن القیم نے اپنے دعوے کی تائید کے لئے رسول اللہ ﷺ کی سنت عملی سے یہ دلیل پیش کی ہے کہ آپ ﷺ نے رویت ھلال کے موقع پر صرف ایک اعرابی کی گواہی قبول فرمائی تھی اور مال غنیمت کے معاملے میں ایک مرد کی گواہی کو قبول کیا تھا۔ جیسا کہ حضرت ابو قتادہؓ کی روایت سے واضح ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ نے نسوانی معاملات میں ایک ثقہ عورت کی گواہی قبول فرمائی۔ حضرت خزیمہؓ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا اور فرمایا۔

من شھدلہ خزیمہ فحسبہ

جسکی گواہی خزیمہ دے دے وہ اس کے لئے کافی ہے۔'' (43)

تنہا حضرت خزیمہؓ کی گواہی پر فیصلہ کرنے کے حکم سے حضرت ابن القیم نے ایک بنیادی اصول وضع کیا ہے وہ کہتے ہیں۔

''قال ابن القیم رحمہ اللہ و قدا حبتج بحدیث حزیمة من یری ان للحاکم ان

يحكم لعلمه ـ قال وجرت شهادة حزيمه فی ذلك مجری التوكيد و الا ستظهار ، ولهذالم يكن معها يمين ، و هذا القول باطل ، و النبی صلی الله عليه وسلم انما امضی البيع شهادة خزيمة ، جعلها بمنزلة شاهدين ، وهذالان شهادة خزيمة علی البيع و نم يره استندت الی امر هو اقوی من الرئوية ، و هو تصديق رسول الله صلی الله عليه وسلم سلم بالبراهين الدالة علی صدقة ، و ان كل ما يخبربه حق و صدق قطعًا ، فلما كان من المستقر عنده انه الصادق فی خبره ، البار فی كلامه ، و انه يستحيل عليه غير ذالك اليتة ، كان هذا من اقوی التحملات فجرم بانه با يعه كا يجزم لور آه و سمعه بل هذه الشهادة مسندة الی محض الايمان ، و هی من لوازمة و مقتضاه ، و يجب علی كل مسلم ان يشهد بما شهد به خزيمة ، فلما تميزت عن شهادة الرئوية والحس ، التی يشترك فيها العدل و غيره اقامها النبی صلی الله عليه وسلم مقام شهادة رجلين ''(44)

گویا یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ابن القیم حدیث مذکورہ کے حوالے سے ایک فرد کی گواہی کی قبولیت کا معیار سچائی کو قرار دیتے ہیں ۔یعنی جج سچائی کو پرکھنے کے بعد ایک گواہ کی گواہی کی بنیاد پر فیصلہ دے سکتا ہے گویا امام ابن قیم کی بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ

1 ۔جب کسی نہ کسی طریقے سے حق ظاہر ہو جائے تو اس کی تقید ضروری ہے اور حق تلفی حرام ہے ۔

2 ۔اگر قاضی کو حدود اللہ کے علاوہ دوسرے مقدمات میں گواہی کی سچائی معلوم ہو جائے تو وہ ایک گواہی پر فیصلہ کر سکتا ہے کیونکہ خدا نے حکام پر یہ لازم قرار نہیں دیا کہ وہ بغیر دو گواہوں کے بالکل ہی فیصلہ نہ کریں ۔(45)

لہٰذا جب فقہاء اس امر کے قائل ہو گئے کہ ''حق کسی نہ کسی طریقے سے ظاہر ہو جائے تو اس کی تقید ضروری ہے اور حق تلفی حرام ہے'' تو کیا ایک ثقہ عورت کی گواہی ''کسی نہ کسی طریقے کے زمرے میں شامل نہیں ہے اگر ہے تو تنہا عورت کی گواہی قبول کرنے میں کون سے چیز مانع ہے ۔''(46)

گذشتہ صفحات میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے حنبلی مکتبہ فکر کی آراء کا تجزیہ پیش کیا گیا اس کا خلاصہ درج ذیل ہے ۔

☆ زنا میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ۔

☆ عطا اور حماد زنا میں تین مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو درست تسلیم کرتے ہیں کیونکہ مردوں میں سے ایک کم

ہونے کی وجہ سے اس کی قائم مقام دوعورتیں ہونگی۔

☆ حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہے البتہ عطا اور حماد کے مطابق مالی مقدمات کی طرح ایک مرد اور دوعورتوں کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔

☆ نکاح، طلاق سے رجوع، غلام کو آزاد کرنا، ایلاء، ظہار، نسب کسی کو وکیل مقرر کرنا، وصیت ولاء کتابت وغیرہ میں دومردوں کی شہادت کے بغیر ثابت نہیں ہونگے ان میں عورتوں کی گواہی کسی بھی صورت میں قبول نہیں۔

☆ اموال میں ایک مرد اور دوعورتوں سے کم کی گواہی قبول نہیں۔

☆ جن امور میں مرد مطلع نہیں ہوتے جیسے رضاعت، ولادت، حیض، عدت وغیرہ تو ان میں ایک عادل عورت کی گواہی قبول ہے۔

فصل چہارم: خواتین کی شہادت کے حوالے سے شافعی نقطہ نظر:

امام شافعی خواتین کی شہادت کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں۔

''(قال شافعی) رحمه الله والولادة و عيوب النساء مما لم اعلم فيه محالفاني ان شهادة النساء خائزة فيه لا رجل معهن و احتلفو في عدد ها فقال عطاء لا يكون في شهادة النساء لا رجل معهن في امر النساء اقل من اربع عدول (قال شافعی) رحمه الله و بهذانا خذ ولما ذكر الله النساء فجعل امراتين يقومان مقام رجل في الموضع الذي اجازهما فه دل الله اعلم اذا جار المسلمون شهادة النساء في موضع ان لا يجوز فهن الا اربع عدول لان ذلك معنى حكم الله عزو جل (قال شافعی) و قلت لمن يجيز شهادة امراة في الولادة كما يجيز الخبر يها لا من قبل الشهادة واين الخبر من الشهادة اتقبل امراة عن امراة ائن امراة رجل ولات هذا الولد قال لا قلت فتقبل في الخبراء خبرنا فلان عن فلان قال نعم قلت فاخبر هو ما استوى فيه المخبرو المخبر والعامة من حلال او حرام قال نعم قلت والشهادة ماكان الشاهد فيه خليا والعامة و انما تلزم المشهود عليه قال نعم قلت افترى هذا شبهالهذا اماهذا فلا ''(47)

امام شافعی زنا کی صورت میں خواتین کی شہادت کے بارے میں بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں

''(قال شافعی) رحمه الله رحم صلی الله علیه وسلم محصنین یهودین زنیا ور حم
عمر محصنة و جلد علیه السلا م بکرا مائة و غربه عاما و بذلك اء قول فاذاء صاب
الحراء و ئاصیبت الجرة بعد البلوغ بنکاح صحیح فقداء حصنافن زنی منها فحده
الرجم حتی یموت ثم یعسل و یصلی علیه و یدفن و یجوز بلام مام ئا ن یحضر رجمه
و یترك فان لم یحص جلد مائه و غرب ماما من بلده بالسنة ولو ئاقرمرة حد لا ن
النبی صلی الله علیه وسلم ئا مراء فیا ئان یعد و علی امئا ة فان اعترفت رجمها و
ئامر عمر رضی الله عنه ئا با و اقداللیشی بمثل ذلك و لم یاء مرا بعد ر د اقرار و فی
ذلك دلیل اء نه یجوز اء ن یقیم الا مام الجدو دوان لم یحضره علیه و متی رجع ترك و
قع به بعض الحداء ولم یقع (قال) و لا یقام حدا الجلد علی حبلی و لا علی المریض
المدنف ولا فی یو م حره اءو پرده مفرط ولا فی اسباب التلف و پرجم المحض فی
کل ذلك الااء ن تکون امراءة حبلی مقترك حتی تضع و یکفل ولدها وان کان البکر
نضو الحلق ان ضرب ''(48)

امام شافعی نے اپنی سند میں مندرجہ ذیل حدیث بیان کر کے یہ رائے قائم کی ہے کہ خواتین سے متعلقہ امور میں تنہا
چار عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے۔

''قال شهادة النساء علی الشئی من امراء لنساء لا یجوز فیه اقل من اربع ''(49)

اور فقہ شافعی کی معتبر کتاب المجموع میں امام نووی لکھتے ہیں کہ

''حدود وقصاص میں عورتوں کی شہادت قابل نہیں ۔دیون اور احوال میں مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت
ہو تو معتبر ہے۔''(50)

امام شافعی کے نقطۂ نظر کے مطابق:

''زنا کی گواہی میں چار مرد اشخاص سے کم کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے
و الـلاتـی یـاتین الفاحشه اور جو عورتیں تمہاری بیویوں میں سے کسی فحش کاری کا ارتکاب کریں تو ان پر چار
گواہ بنالو اپنے میں سے اگر وہ گواہی دے دیں تو انہیں گھروں میں پابند کر دو یہاں تک کہ انہیں موت آ جائے
یا اللہ ان کے لئے کوئی راستہ پیدا کر دے۔مزید برآں روایت کیا گیا ہے کہ سعد بن عبادہ نے کہا یا رسول اللہ

ﷺ آپ کا کیا خیال ہے کہ میں جب اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھوں تو کیا انہیں چھوڑ دوں اور جا کر گواہ لے آؤں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ اور مغیرہ بن شعبہ کے خلاف تین آدمیوں نے گواہی دی یعنی ابو بکرہ، نافع اور شبل بن معبد نے اور زیاد نے کہا کہ میں نے سرینو کو ظاہر ہوتے دیکھا اور اس پر ایک آدمی کو چڑھتے دیکھا اور دو آدمیوں کے دیکھا جیسے گدھے کے دو کان ہوتے ہیں۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ اس کے پیچھے کیا تھا تو حضرت عمر نے تینوں کو کوڑے لگائے اور مغیرہ کو کوڑے نہیں لگائے۔ لواطت میں بھی چار گواہ ہی قبول کئے جائیں گے کیونکہ حد میں یہ بھی زنا کی طرح ہے یہ گواہی بھی زنا ہی کی طرح ہوگی اور جانور سے بدکاری کرنے کے سلسلے میں اگر ہم یہ کہیں کہ اس میں حد واجب ہے تو پھر یہ گواہی میں زنا کی طرح ہے اس لئے کہ جب وہ حد میں زنا کی طرح ہے تو گواہی میں بھی زنا کی طرح ہوگا۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس میں تعزیر واجب ہے تو اس میں دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے اور قول ہے ابو علی ابن حیران اور الرئی کا کہ یہ دو گواہوں سے ثابت ہوگا اس لئے کہ یہ زنا کے ساتھ حد میں شامل نہیں ہے لہذا گواہی میں بھی اس کے متعلق نہیں ہوگا۔ اور دوسری صورت جو صحیح ہے وہ یہ ہے کہ یہ بھی چار گواہوں کے بغیر ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حیوان کا فرج ہے جس میں داخل کرنے کی صورت میں سزا واجب ہو جاتی ہے لہذا زنا کی طرح اس میں بھی چار کی گواہی کا اعتبار ہوگا اور زنا میں سے کمی سے یہ ضروری نہیں آتا کہ گواہوں میں بھی کمی کر دی جائے جیسے لونڈی کا زنا کم کرتا تو ہے تو آزاد عورت کے زنا سے حد میں لیکن گواہی میں اس سے کم تو نہیں ہے۔ مال اور اس کے متعلقات مال جیسے تجارت، ہبہ، وصیت، رہن اور ضمان وغیرہ تو یہ ثابت ہو جاتے ہیں۔ ایک مرد دو عورتیں سے اس لئے کہ اللہ تعالی کا قول ہے "واستشھدو الشھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل و امراتان " تو اللہ تعالی نے بیع السلم میں اس پر تصریح کر دی ہے اور ہم نے مال اور اس کی متعلقات کو اس پر قیاس کیا ہے اور جو مال نہیں یا جس سے مال مقصود نہیں اور اس سے مرد حضرات کو آگاہی ہو سکتی ہے جیسے نکاح، رجوع، عن الطلاق، طلاق، غلام کا آزاد کرنا، وکالت، وصیت، قتل، عمد اور زنا کے سواء دوسرے حدود وغیرہ ہو گئے تو یہ ثابت نہیں ہوتے سوائے دو مرد گواہوں کے اس لئے کہ اللہ تعالی کا قول ہے طلاق سے رجوع کے بارے میں واشھدو زوی عدل منکم اور ابن مسعود کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا نکاح نہیں ہو سکتا مگر ولی کے ذریعے اور دو عادل گواھوں کے ذریعے اور زھری نے کہا رسول اللہ ﷺ اور اس کے بعد دونوں خلیفوں کے عہد میں یہ طریقہ رائج تھا کہ حدود میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جاتی تھی۔

تو بعض موجود ہے طلاق سے رجوع، نکاح اور حدود کے سلسلہ میں اور دیگر ایسے امور کو جو مال سے متعلق نہیں اور

جن پر مرد حضرات مطلع ہو سکتے ہیں تو انہیں ہم نے ان پر قیاس کیا ہے اگر دونوں میاں بیوی کا نکاح پر اتفاق ہے لیکن مہر کے بارے میں اختلاف ہے تو مہر ثابت ہو جائے گا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے کیونکہ یہ مال ہی کا ثابت کرنا ہے اور اگر عورت نے خلع کا دعوی کر دیا (کہ خلع ہو چکا ہے) اور مرد اس کا انکار کر رہا ہے تو یہ دو مردوں کی گواہی کے بغیر ثابت نہیں ہوگا۔ اور اگر مرد نے خلع کا دعوی کیا اور عورت اس کا انکار کر رہی ہے تو یہ ثابت ہوگا دو مردوں کی گواہی سے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے اس لئے کہ عورت کی گواہی طلاق کے ثبوت کے لئے ہوگی اور مرد کی گواہی مال کے ثبوت کے لئے۔

ان امور میں جن سے مرد حضرات کو آگاہی نہیں ہوسکتی جیسے ولادت، رضاعت، اور کپڑوں میں پوشیدہ عورتوں کے عیب ہیں تو انہیں صرف عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی اس لئے کہ عادہ مرد حضرات ان سے آگاہ نہیں ہوتے اور اگر صرف عورتوں کی گواہی اس میں قبول نہ کی جائے تو جھگڑے کی صورت میں کوئی بات ثابت نہیں ہوسکتی جب تک کہ عدد پورا نہ ہو اس لئے کہ یہ گواہی ہے جس میں عدد کا اعتبار ضروری ہوگا۔ لہذا چار عورتوں سے کم کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اس لئے کہ کم از کم گواہی کے لئے دو مردوں کا ہونا ضروری ہے اور دو عورتوں کو ایک فرد کی گواہی کے برابر قرار دیا گیا ہے اور دلیل اس پر اللہ تعالی کا قول ہے۔

فان لم یکونا رجلین فرجل و امراتان تو اللہ نے دو عورتوں کو ایک مرد کا قائم مقام بنایا اور عبداللہ بن عمر نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے نہیں دیکھا کوئی ایسی عورت جو عقل اور دین میں کم تر ہو تم عورتوں میں سے عقلمند سے بھی بڑھ کر۔ ایک عورت نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ان کا دین اور عقل میں نقصان کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا عقل کی کمی تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ تو یہ عقل کی کمی ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ تم میں سے ہر عورت کئی راتوں تک نماز نہیں پڑھ سکتی ہے اور رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتی تو یہ دین کا نقصان ہے اور رضاعت میں خود دودھ پلانے والی عورت کی گواہی قبول کی جائے گی جیسا کہ روایت کیا ہے عقبہ بن الحارث نے کہا اس نے ام یحیی بن ابی وھاب سے شادی کی تو ایک کالی عورت آئی اور اس نے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور یہ بات آپکو بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا نکاح کیسے ہوسکتا ہے جبکہ وہ سمجھتی ہے کہ اس نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو آپ ﷺ نے اسے منع کر دیا۔ نیز اس لئے کہ وہ اس گواہی کے ذریعے کوئی فائدہ حاصل کرنا نہیں چاہتی اور نہ اپنے سے کسی نقصان کو دور کرنا چاہتی ہے اور عورت کی گواہی خود اس کے بچہ جننے پر قبول نہیں کی جائیگی کیونکہ اس طرح وہ اپنے لئے ایک حق کو ثابت کر رہی ہے اور وہ نفقہ ہے اور بچہ کے پیدا ہونے کے بعد آواز نکالنے پر صرف عورتوں کی

گواہی قبول کی جائے گی کہ وہ زندہ رہا تکلیف کی حالت میں حتیٰ کہ مر گیا۔ جو چیز ایک مرد گواہ اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو جاتی ہے وہ ایک گواہ اور قسم سے بھی ثابت ہو جاتی ہے جیسا کہ روایت کیا ہے عمرو بن دینار نے عبداللہ بن عباس سے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ اور عمرو کہتے ہیں یہ اموال میں تھا اور وقف میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے ابو اسحاق اور دوسرے اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہ دو اقوال پر مبنی ہے اگر تو ہم کہتے ہیں کہ ملکیت موقوف علیہ کیلئے ہے تو اسکا فیصلہ ایک گواہ اور قسم سے کیا جائے گا کیونکہ یہ ملکیت ہے تو اس میں ایک گواہ اور قسم سے بیع کی طرح کیا جائے گا۔

اور اگر ہم کہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو اس میں ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ نہیں ہوگا کیونکہ یہ ملکیت کو زائل کر کے منتقل کرنا ہے غیر آدمی کی طرف لہٰذا اس میں ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ نہیں ہوگا غلام آزاد کرنے کی طرح کہ اس میں ایک گواہ اور قسم لینے سے فیصلہ نہیں ہوتا۔ اور ابو عباس فرماتے ہیں کہ اس میں ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ دیدیا جائے گا دونوں صورتوں میں اس لئے کہ وقف سے مطلوب منافع کی ملکیت ہوتا ہے لہٰذا اس میں ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ کیا جائے گا جیسا کہ اجارہ میں کیا جاتا ہے۔'' (51)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ عورتوں کی گواہی مردوں کے ساتھ کسی معاملہ میں قبول نہیں کی جائے گی بجز معاملات، مالیہ اور ان معاملات کے جو ان کے ساتھ ملحق و تابع ہیں۔ (مثلاً کفالت و عاد یۃ اور بیع شرط الخیار) کیونکہ اصل عورتوں کی گواہی میں قابل قبول نہ ہونا ہے۔ عقل کے نقصان حفظ کی کمزوری و خلل اور ولایت کے قاصر ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ عورت امیر و خلیفہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے۔ اور اسی وجہ سے زکہ عورت کی گواہی میں اصل یہی ہے کہ قبول نہ کی جائے۔ اس کی گواہی حدود و قصاص میں قبول نہیں کی جاتی اور نہ تنہا چار عورتوں کی گواہی (بغیر مرد کی گواہی کے) معتبر ہوتی ہے۔ مگر یہ کہ عورتوں کی گواہی مالی معاملات میں ضرورت و حاجت کی بناء پر قبول کر لی گئی۔ اور نکاح اپنے مرتبہ کے اعتبار سے بہت ہی عظیم (اور مہتم بالشان) معاملہ ہے اور اس کا وقوع کم ہے۔ (بہ نسبت معاملات مالیہ کے) لہٰذا نکاح ملحق نہ ہوگا۔ ایسی شئے کے ساتھ جو مرتبہ میں اس سے کم تر ہو، اور واقع ہونے کے اعتبار سے اس سے زائد ہو (اور یہ ظاہر ہے احتیاج و ضرورت کے احوال میں خلاف اصل بہت سے امور رخصت اور گنجائش کے درجہ میں اختیار کر لئے جاتے ہیں)۔'' (52)

مولانا محمد مالک کاندھلوی درج بالا نقطۂ نظر پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

''ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل عورتوں کی گواہی میں قابل قبول ہوتا ہے نہ یہ کہ اصل میں وہ غیر معتبر ہو جیسے کہ امام شافعی نے بیان فرمایا اس اھلیت و قابلیت کے پائے جانے کی وجہ سے جس پر گواہی موقوف ہے اور وہ

مشاہدہ حفظ وضبط اور (قوت) اداء ہے۔اس لئے کہ پہلی بات (یعنی مشاہدہ) سے علم حاصل ہو جاتا ہے مشاہدہ کرنے والے کواور دوسری چیز (یعنی قوت حفظ وضبط) سے وہ علم باقی رہتا ہےاور تیسری چیز (یعنی تعبیر و بیان پر قدرت) سے قاضی (اور حاکم) کوعلم حاصل ہو جاتا ہے۔اسی وجہ سے احادیث وروایات میں عورتوں کی روایت قبول کی جاتی ہےاور حفظ وضبط کی کمی جو غلبہ نسیان کی وجہ سے ہوتی ہےاس کا تدارک دوسری عورت کوایک عورت کے ساتھ ملا کر دیا جاتا ہے۔لہٰذا اس کے بعد کوئی چیز (قابل تامل) باقی نہیں رہتی سوائے بدلیت کے شبہہ کے تو اس چیز کے پیش نظر یہ گواہی قبول نہیں کی جاتی ان امور میں جو شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں (یعنی حدود وقصاص) اور یہ حقوق مالیہ کو اس قسم کے شبہہ کے باوجود ثابت ہو جاتے ہیں۔(جبکہ ان کے لئے بینہ حجت ہو) اور تنہا چار عورتوں کی گواہی کا قبول نہ ہونا (جیسا کہ امام شافعی نے اپنے استدلال میں بیان کیا) اس قیاس کے خلاف ہے۔(جو بیان کیا گیا ہے) اس وجہ سے کہ عورتوں کا باہر نکلنا زائد نہ ہو جائے۔(اور شریعت کے اہم مقاصد میں سے یہ چیز ہے کہ عورتیں کم سے کم اور انتہائی ضرورت ومجبوری کی صورت میں باہر نکلیں)''(53)

زوجین میں سے ایک دوسرے کے لئے گواہی:

امام شافعیؒ خواتین کی شہادت کے حوالے سے میاں کے خلاف بیوی کی شہادت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''قبول کی جائے گی کیونکہ دونوں کے درمیان املاک ممتاز اور جدا ہیں اور ہر ایک کا قبضہ اپنی ملک کو احاطہ کئے ہوئے ہےاور اسی وجہ سے (کہ دونوں املاک جدا ہیں) قصاص دونوں کے درمیان جاری ہوتا ہے (اگر ایک نے دوسرے کو ناحق قتل کیا ہے) اور (اور اسی طرح باہمی) قرض کی وجہ سے قید کرنے کا حکم ہے (کہ شوہر بیوی کے قرضہ میں قید کرنا جائز ہوگا اور اسی طرح بیوی کو شوہر کے قرضہ میں) اور (کسی ایک کی شہادت دوسرے کے حق میں قبول کرنے میں) کوئی اعتبار نہیں ہے اس نفع کا جو حاصل ہوتا ہے۔نفس شہادۃ سے اس لئے کہ اس نفع کا ثبوت ضمناً ہے۔رکہ اداء شہادت پر جو منفعت بالعموم ہوسکتی ہے وہی ہے (نہ یہ کہ قصداً شہادت اسی منفعت کے لئے دی جائے) جیسے کہ صاحب دین کی گواہی دینے کی صورت میں جبکہ وہ گواہی دے اپنے مفلس مدیون کے لئے (تو گواہی قبول کی جائے گی اگر چہ اس گواہی میں ضمناً قرض خواہ کے لئے نفع ممکن ہے۔اگر اس گواہی پر مفلس قرض دار کے لئے کچھ مال دے دینے کا حکم کر دیا گیا) اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے کتاب (ادب القاضی) میں روایت کیا اور اس وجہ سے بھی (زوجین میں سے کسی ایک کی شہادت دوسرے کے لئے معتبر نہیں ہے کہ) منافع دونوں کے درمیان عادۃ ملے جلے ہیں۔اور املاک سے درحقیقت منافع ہی مقصود ہوئے ہیں۔(تو ان عادۃ اشتراک بمنزلہ املاک کے اشتراک کے ہوگا) لہٰذا ایسی صورت میں ہر ایک اپنے ہی واسطے گواہی دینے والا

ہو جائے گا۔ یا یہ کہ وہ متہم ہوگا (اپنی شہادت میں کہ ذاتی غرض کے پیش نظر سے برخلاف قرض خواہ کی شہادت کے کہ وہ اپنی شہادت میں متہم نہیں ہوسکتا) کیونکہ اس کو کوئی ولایت (اور حق) نہیں ہے اس چیز پر کہ جس کی اس نے شہادت دی ہے۔ کیونکہ وہ محکمہ قضاء اور عدالت کا مال ہے تو تہمت کا محل نہ ہونے کی وجہ سے شہادت معتبر ہوگی۔'' (54)

خواتین کی شہادت کے حوالے سے شافعیؒ مکتبہ فکر کی رائے کا تجزیہ پیش کیا گیا اس کا خلاصہ یہ سامنے آیا کہ

☆ مال اور اس کے متعلقات مال جیسے تجارت، اجارہ، ہبہ، وصیت اور ضمان وغیرہ کی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول ہوگی۔

☆ حدود میں عورت کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔

☆ ولادت، رضاعت اور کپڑوں میں پوشیدہ عورتوں کے عیب کے بارے میں صرف عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

☆ دو عورتوں کی گواہی اک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔

گذشتہ تمام مباحث کا خلاصہ:

گذشتہ صفحات میں ائمہ اربعہ اور چاروں مکاتب فکر کے فقہاء اور علماء کی آراء اور مباحث کو پیش کیا گیا۔ جس سے یہ نتیجہ سامنے آیا کہ اسلام کے شرعی قوانین کی رو سے خواتین بعض معاملات میں گواہی دینے کی اھل ہیں اور بعض معاملات ایسے ہیں جن میں اسے نااھل قرار دیا گیا ہے۔ نیز فقہاء نے عورت کی گواہی کو مرد کے مقابلے میں نصف قرار دیا ہے۔

مثلاً زنا کے حوالے سے ''اسلام کے تمام مذاہب اس پر متفق ہیں کہ زنا کا جرم ثابت کرنے کیلئے چار شخصوں کی گواہی ضروری ہے۔ مسئلہ زنا میں اتنی سختی احتیاط اور پردہ پوشی کی غرض سے رکھی گئی ہے اس معاملے میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں۔ سوائے عطاء اور حماد کی روایت کے کہ ان دونوں نے تین مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو جائز قرار دیا ہے اور سوائے مذہب ظاہری کے کہ اس میں ہر مرد کی بجائے دو عورتوں کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔ یہ تمام اختلافات زنا کے مسئلے میں ہیں اور حسن بصری نے قتل کے مسئلے کو بھی اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا کہ قتل بھی چار گواہوں کے بغیر ثابت نہ ہوگا۔'' (55)

''مخصوص نسوانی مسائل کے علاوہ دیگر مسائل حیات میں فقہائے انصاف امام مالک، امام شافعی، اور ان کے ہم خیال بعض اور فقہاء نے صرف عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ

اور عطاء بن ابی رباحؒ کی بھی یہی رائے ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔

لایجوز شهادة النساء و حد هن الا علیٰ مالا یطلع علیه غیر هن من عورات النساء و حملهن و حیضهن

تنہا عورتوں کی شہادت صرف ان ہی امور میں جائز ہے جس سے سوائے ان کے اور کوئی واقف نہیں ہو سکتا۔یعنی عورتوں کے قابل ستر مقامات اور حمل اور حیض سے متعلق ان کے بیانات پر فیصلہ کیا جائے گا۔اس کے لئے مرد کی شرکت ضروری نہیں سمجھی جائے گی۔''(56)

اور اسی طرح معیاری قرضے کی دستاویز یا مالی معاملات میں دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی کے حوالے سے ''تمام مذاہب اسلامیہ اس مسئلے میں متفق ہیں کہ اس قسم کی گواہی مقدمات مال میں قابل قبول ہے جیسے خرید و فروخت ،قرضہ،غصب اور دیگر واجبات احناف کے نزدیک ایسی شہادت تمام دیوانی معاملات میں قابل قبول ہے خواہ وہ مالی ہوں یا غیر مالی جیسے نکاح وطلاق۔''(57)

مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی کے علاوہ عورت کی تنہا گواھی کے حوالے سے نقطۂ نظر یہ سامنے آیا کہ ''تمام مذاہب اسلامیہ نے بلا تفاق اس گواہی کو قبول کیا ہے (یعنی تنہا عورتوں کی گواہی صرف ان چیزوں میں جائز ہے جنہیں مرد نہیں دیکھ سکتے) مثلاً بچہ پیدا ہونے کا حال ،اور نسوانی عیوب وغیرہ اور احناف کے سواء دیگر فقہاء بے جمہور کے نزدیک دودھ پلانا ان مواقع پر عورتوں کی گواہی کی تعداد میں اختلاف ہے حنفیہ اور حنبلیوں کے نزدیک صرف ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کی ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے بچے کی پیدائش میں صرف دائی کی گواہی کو جائز قرار دیا نیز اس دلیل سے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور جناب قاضی شریح وغیرہ حضرات نے ایک عورت کی گواہی پر فیصلے کئے لیکن باقی ائمہ کے نزدیک گواہی کی تعداد میں اختلاف ہے چنانچہ امام مالک کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی ہے جس طرح دو مردوں کی سوائے بعض مخصوص حالات کے اور عثمان البتی کے نزدیک تین ہونی چاہئے اور امام شافعی کے نزدیک چار۔اس سلسلے میں امام شافعی نے اپنی مسند میں عطا سے یہ حدیث روایت کی ہے۔یعنی آنحضرت ﷺ نے نسوانی معاملات میں عورتوں کی گواہی کے بارے میں فرمایا کہ چار عورتوں سے کم گواہی جائز نہیں۔

ان حالات کے سواء جن سے مرد واقف نہیں ہو سکتے آیا دیگر حالات میں تنہا عورتوں کی گواہی جائز ہے؟ امام مالک کے نزدیک معاملات مال میں تنہا دو عورتوں کی گواہی اس طرح جائز ہے کہ مدعی سے قسم بھی لی جائے۔امام احمد بن حنبل کا ایک مسئلک یہ بھی ہے۔حضرت عمر بن خطابؓ،حضرت علی ابن ابی طالبؓ اور قاضی شریح سے روایت کہ ان

بزرگوں نے طلاق اور مہر جیسے معاملات میں تنہا چار عورتوں کی گواہی قبول کی تھی اور اھل ظاہر کے نزدیک تمام معاملات میں عورتو ں کی گواہی قبول کی جائے گی اس اصول سے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر سمجھی جائے۔''(58)

ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کے حوالے سے:

''مذاہب اسلامیہ اس مسئلے پر متفق ہیں کہ اس قسم کی گواہی مقدمات مالی میں قابل قبول ہے لیکن یہ گواہی کا نصاب حدود کے مقدمات میں قابل قبول نہیں ۔امام شافعیؒ کو اعتراض ہے کہ مرد کے ساتھ یہ گواہی بطور بدل ہے وجہ حافظہ عورت کا کمزور ہے۔''(59)

''اس کا جواب امام اعظمؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے دیا ہے کہ بنیادی طور پر عورت کی گواہی جائز ہے گواہ کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔

1۔قوتِ مشاھدہ

2۔قوتِ حافظہ

3۔قوتِ بیان

اگر تمام چیزیں صحیح ہوں تو عورت مجاز ہے گواہی دینے کی اور ان تینوں کو مدنظر رکھتے ہوئے عورت کی گواہی قبول کر لی جائے گی ۔عورتوں کی شہادت حقیقتاً مردوں کی شہادت کا بدل ہے، اور یہ بدل بھی مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کا ہے کیونکہ ایک عورت کی شہادت ناقص تھی ۔لہٰذا عورتوں کی شہادت حدود کے معاملے میں شبہ کا باعث ہے اور شبہ حدود کو ساقط کر دیتا ہے ۔لیکن مؤلف الہدایہ نے تسلیم کیا ہے کہ نسیان زیادہ ہونے کی وجہ سے عورت کے ضبط رکھنے میں جو نقصان ہوتا ہے وہ دوسری عورت کے ملانے سے پورا ہو گیا، تو اس کے بعد اب کوئی نقص نہ رہا ۔ظاہر ہے کہ جب دو عورتو ں کی شہادت میں کچھ نقص نہیں رہا تو شبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔''(60)

لب لباب یہ ہے کہ

☆ زنا کے معاملے میں عورتو ں کی گواہی معتبر نہیں سوائے عطا اور حماد کے روایت کے انہوں نے تین مرد اور دو

☆عورتوں کی گواہی کو جائز قرار دیا اور ظاہر یوں کے نزدیک ہر مرد کی بجائے دو عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے۔

☆ایک مرد کی گواہی دو عورتو ں کی گواہی کے برابر ہے یعنی عورت کی گواہی مرد کی آدھی گواہی کے برابر شمار ہو گی ۔

☆عورتوں کی گواھی حدود و قصاص میں جائز نہیں ۔

☆غیر اموال میں عورتوں کی مخلوط شہادت جائز ہے۔

☆تمام دین کے معاملات میں مردوں کے ہمراہ عورتوں کی شہادت جائز ہے۔

☆اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت دو مردوں کے برابر ہے۔نکاح وطلاق میں یہ شہادت معتبر ہوگی۔

نتیجہ بحث:

اسلامی قانون شہادت کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حقیقت میں مجرد شہادت کا کہیں وجود نہیں۔ بلکہ اس کے ہمہ جہت پہلو ہیں اور ہر ایک کے احکامات بھی مختلف ہیں اور الگ الگ نوعیت کے ہیں اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو شہادت کے قوانین کا اجزاء باہم مربوط نظر آتے ہیں۔ یہ ناانصافی ہوگی کہ کسی ایک جز کا مطالعہ کرنے کے بعد پورے نظام شہادت کے بارے میں رائے قائم کر لی جائے۔لہٰذا درست نتیجہ تک رسائی کے لئے ضروری ہے کہ کل نظام شہادت کا شعوری مطالعہ کیا جائے اگر چہ کہ عورت کی گواہی کے مسئلے پر معاشرے میں کئی طرح کی مباحث جاری ہیں۔کہیں عورت کی شخصیت کو آدھا قرار دیا گیا ہے اور اس سلسلے میں قرآنی آیات اور احادیث کا سہارا لیا جاتا ہے۔ دراصل یہ نتیجہ فقط صرف اس وجہ سے برآمد ہوا کہ کل اسلامی تعلیمات وعصری تقاضوں سے عدم واقفیت کی وجہ سے آراء پیش کی گئیں۔''اسلام کے کسی ایک جز کو کل سے جدا کر کے اور اس کے سیاق وسباق سے ہٹا لیں گے اور کسی نتیجے پر پہنچنا چاہیں گے تو الجھن پیدا ہوگی شراب کی حرمت کو ہی لیجئے یہ تین مراحل میں مکمل ہوئی۔اب کوئی شخص ابتدائی آیت کو پڑھ کر یہ فیصلہ کر لے کہ شراب میں نقصان تو زیادہ ہے لیکن چونکہ نفع کا ذکر بھی ہے اور حرمت بھی نہیں ہے اس لئے اس کے استعمال میں کچھ زیادہ مضائقہ نہیں ہے۔ یا اگلی آیت کو لیا جائے تو اور بھی آسانی نظر آتی ہے، کہ یوں تو شراب پی جاسکتی ہے مگر نماز ادا کرتے وقت ممنوع ہے۔ مگر کیا یہ سب کچھ درست ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ جو شخص بھی ان احکام کو جدا جدا پڑھے گا اس کی الجھن بڑھتی چلی جائے گی۔اگر وہ سمجھنے کی غرض سے اپنا کرتا تو شاید اسے کوئی راہ دکھائی دے لیکن اس نے پہلے سے کوئی مفروضہ قائم کر کے اسلامی احکام کا مطالعہ شروع کیا تو اس کی گمراہی بڑھتی چلی جائے گی۔ یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا اسی قرآن سے بہت سوں کو گمراہی حاصل ہوتی ہے،اور اسی کے ذریعے بہت سے ھدایت پاتے ہیں۔ یہی کچھ عورت کی گواہی کے معاملے میں ہوا۔''(61)

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ عصری تقاضوں،خصوصاً بنیادی انسانی حقوق کے حوالے سے جدید رجحانات کو سمجھا

جائے اور قرآن حکیم کی عادلانہ روح کا حقیقی معنوں میں ادراک کر کے کل تعلیمات کو مدنظر رکھ کر قانون سازی کی جائے اور گذشتہ فقہاء کی تحقیقات سے استفادہ ضرور کیا جائے لیکن انہیں حرف آخر ماننا،عصری تقاضوں اور ارتقاء کی نفی کرنے کے برابر ہے۔کیونکہ ائمہ اربعہ نے اپنے دور کے مسائل کا حل قرآن وسنت سے پیش کیا۔اب چونکہ حالات وزمانہ تغیرات سے دوچار ہو چکا ہے نئے دور کے نئے تقاضے سامنے کھڑے ہیں ۔اب ضروری ہے کہ فقہ کی تدوین ہو اور خصوصاً خواتین کے حوالے سے قوانین پر نظر ثانی کی جائے اور بحیثیت انسان اس کے تمام حقوق کا تحفظ کیا جائے ۔اور اس کی حیثیت کے بارے میں پرانے تصورات کے وہ مردوں سے پیدا شدہ ایک دوسری درجے کی جنس اور اس کی شخصیت مردوں کے مقابلے میں آدھی اور ناقص العقل اور زندگی کی دوڑ میں نا اہل اور فقط چار دیواری میں مقید رہنے والی ایک شئے کا تصور، پر نظر ثانی کی ضرورت ہے ۔اور یہ سوال اٹھانے کی ضرورت ہے کہ آیا قرآن حکیم جو کہ فطرت کے ارتقاء کے اصول وقوانین کا محافظ اور پیامبر ہے کیا ایسے غیر منصفانہ اور غیر عادلانہ تصورات کو معاشرے میں پروان چڑھاتا ہے؟ اس پر سوچنے اور پھر درست حکمت عملی پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے ۔

﴿حوالہ جات﴾

1۔نقوش،رسول نمبر، مدیر محمد طفیل،لاہور،ادارہ فروغ اردو،جنوری ۱۹۸۵ء،شمارہ نمبر ۱۳۰،جلد یازدھم،ص ۲۷۵

2۔القرآن،۲:۲۸۲

3۔القرآن،۲۴:۶،۷

4۔القرآن،۲۴:۸،۹

5۔الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ،احمد بن علی بن حجر العسقلانی،ملتان،شرکت علمیہ،س۔ن،کتاب الشہادات

6۔ایضاً

7۔اسلامی قانون شہادت،تنزیل الرحمٰن،ڈاکٹر،لاہور،پی ایل ڈی پبلشرز،س۔ن،ص ۶۶

8۔صحیح بخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری،لاہور،دینی کتب خانہ،۱۹۹۷ء،کتاب الحیض،باب ترک الحائض الصوم

9۔اسلامی قانون شہادت،جسٹس تنزیل الرحمٰن،محولہ بالا،ص ۶۶،۶۵

10۔القرآن،۲:۲۸۲

11۔عورت اسلامی معاشرہ میں،جلال الدین عمری،سید،لاہور،اسلامک پبلیکیشنز،۱۹۹۴ء،ص ۱۷۷

12۔فلسفہ شریعت اسلام،صبحی محمصانی،ڈاکٹر،ترجمہ مولوی محمد احمد رضوی،لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۸۱ء،ص ۳۹۵،۳۹۶

13۔عورت اسلامی معاشرہ میں،جلال الدین عمری،سید،محولہ بالا،ص ۱۷۱

14۔صحیح بخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری،محولہ بالا،کتاب الحیض،باب ترک المائض العلوم

15۔عورت اسلامی معاشرہ میں،جلال الدین عمری،سید،محولہ بالا،ص ۱۷۲

16۔فتح القدیر،کمال بن ھمام،مصر،مطبوع علی حاشیہ،س۔ن،جلد ۵،ص ۴۸۶

17۔فتح القدیر،کمال بن ھمام،محولہ بالا،جلد،ص ۸

18۔ایضاً

19۔الھدایۃ ،شرح ہدایۃ المبتدی،شیخ الاسلام برھان الدین المرغینانی،مصر،مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ ،۱۹۳۶ء،ص ۸۶،۸۵

20۔سراج الھدایہ،اردوترجمہ،ھدایہ محمد مالک کاندھلوی،مولانا،محمد میاں صدیقی کاندھلوی،مولانا،لاہور، ملک سراج الدین اینڈ سنز،۱۹۶۷ء،ص ۳۱۵ تا ۳۱۱

21۔المجلہ شرح،سلیم رستم باز اللبنانی،الہند،طبع فی مطبعۃ لکشمی فرلیس بدبھی عاصمتہ،۱۳۸۹ھ،ص ۱۰۰۳

22۔مجلۃ الاحکام (اردو ترجمہ) عبدالقدوش ھاشمی،کراچی،مکتبہ اسحاق،۱۹۶۶ء،باب اول شہادت،ص ۳۹۱

23۔فتح القدیر،کمال بن ھمام،محولہ بالا،جلد ۶،ص ۸ تا ۶

24۔بدائع الصنائع،علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی،مطبوعہ قاھرہ،۱۹۱۰ء،جلد ۶،ص ۲۷۸

25۔بدائع الصناع،علاؤالدین ابوبکر مسعود الکاسانی،محولہ بالا،جلد ۶،ص ۲۷۷

26۔المحلی،ابومحمد علی بن احمد ابن حزم،طبع قاہرہ،۱۳۴۷ھ،جلد ۹،ص ۴۰۳

27۔سراج الھدایہ،اردوترجمہ محمد مالک کاندھلوی،مولانا،لاہور،محولہ بالا،جلد سوم،ص ۳۶۷،۳۶۶

28۔احکام القرآن،ابوبکر الجصاص،امام،مطبوعہ مصر،س۔ن،جلد ا،ص ۵۰۲،۵۰۱

29۔ اسلامی قانون شہادت،تنزیل الرحمٰن،ڈاکٹر،محولہ بالا،ص ۶۷

30۔ادب القاضی،تراجم مصادر اسلامی،ترتیب وتدوین محمود احمد غازی،اسلام آباد،ادارہ تحقیقات اسلامی ۱۹۸۳ء،ص ۴۶۸،۴۶۹

31۔الشرح الصغیر،ابی البرکات احمد بن محمد بن احمد الاردیر،العلامہ،مصر،دارالمعارف،۱۹۷۴ء،الجزالرابع، ص ۲۶۹ تا ۲۶۸

32۔ادب القاضی، تراجم مصادر اسلامی،ترتیب وتدوین محمود احمد غازی،محولہ بالا،ص ۴۷۴

33۔ایضاً،ص ۴۷۵،۴۷۴

34۔نقوش رسول نمبر،مدیر محمد طفیل،محولہ بالا،ص ۶۸۲

35۔المغنی،الشرح الکبیر،محمد عبداللہ بن احمد بن محمود بن قدامہ،امام،مصر،مطبعۃ المنار،۱۳۴۸ھ،جلد سوم،ص ۴۸۲ تا ۴۸۱

36۔ادب القاضی، تراجم مصادر اسلامی، ترتیب وتدوین محمود احمد غازی محولہ بالا،ص ۴۸۱ تا ۴۸۲

37۔المغنی الشرح الکبیر، محمد عبداللہ بن احمد بن محمود بن قدامہ، امام محولہ بالا،ص ۱۱ تا ۹

38۔ادب القاضی، تراجم مصادر اسلامی، ترتیب وتدوین محمود احمد غازی محولہ بالا،ص ۴۸۱ تا ۴۷۸

39۔المغنی، الشرح الکبیر، محمد عبداللہ بن احمد بن محمود بن قدامہ، امام محولہ بالا، جلد سوم،ص ۱۳

40۔ادب القاضی، تراجم مصادر اسلامی، ترتیب وتدوین محمود احمد غازی محولہ بالا،ص ۴۸۱

41۔اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل، عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، ترجمہ مفتی ثناءاللہ محمود، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۱ء،ص ۹۶ تا ۱۰۱

42۔نقوش رسول نمبر، مدیر محمد طفیل محولہ بالا،ص ۶۸۴

43۔ایضاً

44۔تہذیب، ابن القیم الجوزیۃ بہ حاشیہ مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری ومعالم السنن لابی سلیمان الخطابی، الامام، المطبوع المصر، ۱۹۴۹ء، جلد پنجم،ص ۲۲۳ تا ۲۲۴

45۔نقوش رسول نمبر، مدیر محمد طفیل محولہ بالا،ص ۶۸۶

46۔ایضاً

47۔کتاب آلام، ابی ابراھیم اسمٰعیل بن یحیٰ المزنی الشافعی، امام، مصر، بالمطبعۃ الکبریٰ الامیریہ، ۱۳۲۲ھ،ص ۲۴۸

48۔ایضاً،ص ۱۱۶

49۔ نقوش رسول نمبر، مدیر محمد طفیل محولہ بالا،ص ۶۸۲

50۔ اسلامی قانون شہادت، تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر محولہ بالا،ص ۶۶

51۔المھذب، ابو اسحاق شیرازی، بیروت، الفکر، س۔ن، جلد دوم،ص ۳۳۲ تا ۳۳۴

52۔سراج الھدایہ، ترجمہ وتشریح ھدایہ محمد مالک کاندھلوی، مولانا محولہ بالا، جلد سوم،ص ۳۱۳

53۔ایضاً،ص ۳۱۵ تا ۳۱۶

54۔ایضاً،ص ۳۳۱

55۔فلسفہ شریعت اسلام، ڈاکٹر صبحی محمصانی، ترجمہ مولوی احمد رضوی محولہ بالا،ص ۳۹۲ تا ۳۹۳

56۔عورت اسلامی معاشرے میں، جلال الدین عمری، سید، بحولہ بالا، ص ۱۷۸ تا ۱۷۹

57۔فلسفہ شریعت اسلام، محمصانی، بحولہ بالا، ص ۳۹۵

58۔ایضاً، ص ۳۹۹ تا ۴۰۰

59۔قانون شہادت، ثناء اللہ غوری، کراچی، مکتبہ فریدی، ۲۰۰۱ء، ص ۲۹۶

60۔ایضاً

61۔اسلام قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، محبت حسین اعوان، کراچی، مکتبہ البخاری، ۲۰۰۲ء، ص ۱۱۹ تا ۱۲۰

باب سوم:

مرد اور عورت کی شہادت کا بنیادی فرق

گذشتہ ابواب میں اسلامی قانون میں شہادت کے معنی مفہوم اور اہمیت اور اسکے بعد ائمہ اربعہ کی بطور خاص خواتین کی شہادت کے حوالے سے مباحث اور آراء کا تجزیہ کیا گیا۔ اور شرعی نقطۂ نظر سے عورت کی گواہی کی حیثیت، اہلیت اور نا اہلیت کے معیاروں کی ایک صورت سامنے آئی۔ لیکن یہ صورت صرف آخر نہیں ہوسکتی اور ان تمام سوالوں کے جوابات جو عصر حاضر میں پیدا ہو رہے ان کی تشفی نہیں ہوسکتی۔ لہذا ضروری ہے کہ اس موضوع پر مختلف پہلوؤں پر تحقیق کی جائے کہ آیا عورت کے حقوق اور اس کی قانونی حیثیت کو کس حد تک معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اور حقیقت میں کیا عورت اور مرد دو مختلف جنس ہونے کی وجہ سے انسانی حقوق میں بھی ایک دوسری سے مختلف ہیں یا نہیں؟ اور آیا مختلف فقہاء اور علماء نے خواتین کی شہادت کو مردوں کے مقابلے میں آدھی حیثیت دی ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

''عورت صدیوں سے مردوں کے تشکیل شدہ اس پدری نظام میں مقید زندگی کا سفر طے کر رہی ہے اس کو ناقص العقل قرار دے کر اسے سماجی زندگی کی تشکیل کے حوالے سے فیصلوں سے کنارہ کش رکھا گیا اور پھر قانون سازوں نے ہر دور میں اس کو قانون سازی کے ذریعے اپنے تخلیق کردہ مقام سے اوپر نہیں آنے دیا۔ اسلام نے خواتین کے لئے کیا سہولیات اور حقوق متعین کئے ہیں اور مردوں کے مقابل ان کی کیا حیثیت ہے جب ہم اس تناظر میں اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام ان بنیادی انسانی حقوق میں مردوں اور عورتوں کے مابین مساوات کا قائل ہے جن کے تحفظ سے انسان کی زندگی پر مثبت و خوشگوار اثرات اور عدم تحفظ سے منفی اور نا خوشگوار اثرات پڑتے ہیں، تحفظ سے مسرت و اطمینان اور امن و سکون کی کیفیت پیدا ہوتی اور عدم تحفظ سے بے چینی اور بے اطمینانی وجود میں آتی ہے لیکن زندگی کے ان فرائض و واجبات میں جن کی ادائیگی اور انجام دہی پر تمدن و اجتماع کے قیام و بقاء کا دارومدار ہے اسلام مردوں اور عورتوں کے مابین جو فرق و امتیاز کرتا

ہے دراصل اس کی وجہ وہ فرق واختلاف ہے جو جسمانی بناوٹ وساخت ،طبیعت ومزاج کی نرمی وسختی قوت کار اور قدرت برداشت کی کمی وبیشی ، نیز مختلف حالات اور اوقات میں طاری ہونے والے حتمی عوارض کے لحاظ سے مردوں اورعورتوں کے درمیان پایا جا تا ہے دونوں اصناف کے مابین یہ فرق واختلاف ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے ۔جس سے کوئی انکارنہیں کرسکتا بلکہ پوری انسانیت کےنزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کی وجہ سے ہرانسانی معاشرے میں مردوں اورعورتوں کے درمیان فرائض کےمیدان میں فرق وامتیاز پایا جا تا ہے جس طرح یہ فرق و امتیاز ماضی کے ہر ملک ومعاشرے میں ملتا ہے اسی طرح حال کے تمام ملکوں اور معاشروں میں بھی کارفرما نظر آتا ہے مشرقی معاشرے ہوں یامغربی غیرمتمدن وپسماندہ ممالک ہوں یامتمدن اورترقی یافتہ ممالک سب کے اندر اس فرق واختلاف کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے جوفرائض کے حوالے سے مردوں اورعورتوں کے درمیان پایا جاتا ہے ۔'' (1)

لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ فرائض اورذمہ داریوں کےفرق کو بنیاد بنا کرعورت کوسماجی زندگی سے ہی بے دخل کردیا جائے اسلام نے برابری اور مساوات کا جوتصور دیا ہے وہ بحیثیت انسان ہونے کے ہے ۔اوروہ مردوں اورعورتوں کوایک نظر سے دیکھتا ہے البتہ فطری فرق کی وجہ سے کام کی نوعیت تبدیل ہوسکتی ہے لیکن مردوں کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی مرضی اورمنشاء سےعورتوں کےحقوق کاتعین کریں جس طرح صدیوں سےعورتوں کے ساتھ ہوتا ہورہا ہے ۔اگرانسانی قدروں اورحقوق کی اساس پرخواتین کےحقوق کاتعین ہوتو پھر مساوات وعدل کی روح کوقائم کیا جاسکتا ہے ۔

فصل اوّل: انفرادی اوراجتماعی حیثیت کے تناظر میں :

ایک صالح اجتماعیت کی تشکیل کے لئے مرد اورعورت دونوں یکساں کردار ہیں ۔دونوں کی انفرادی کاوشیں ملکر اجتماعی ارتقاء کا باعث بنتی ہیں ۔یہ اصول فطرت بھی ہے کہ انفرادیت کا استحکام آگے چل کر ایک اجتماعی طاقت کی صورت میں ابھرتا ہے ۔لیکن اگر معاشرتی زندگی میں مرد یا عورت کونظر انداز کردیا جائے یا انہیں کسی بھی طریقے سے تمدنی زندگی میں بیدست وپابنا کررکھ دیا جائے یااس کی انفرادی حیثیت کوکم تر قرار دیا جائے تو لامحالہ اس کی فطری ترقی رک جائے گی اورنتیجۃ اجتماعیت کو بھگتنا پڑے گا اسلامی قانون شہادت مرد اورعورت کی گواہی کے

حوالے سے کیا نقطۂ نظر پیش کرتا اور انفرادی سطح پر مرد اور عورت کی شہادت میں کیا فرق ہے اور یہ فرق اجتماعی تناظر میں کس حد تک روا رکھا جاتا ہے اس پر تفصیلی بحث پیش خدمت ہے۔

اسلام نے عورت کو انفرادی حیثیت سے نوازا ہے انفرادی زندگی کے تمام معاملات جن کا تعلق اس کی اپنی ذات سے ہے مثلاً رشتہ ازواج، نان ونفقہ، بچوں کی پرورش، گھریلو معاملات اور ذاتی مسائل میں کسی درجہ میں خودمختاری عطا کی ہے اور اس حوالے سے وہ انفرادی نوعیت کے مسائل میں اپنی رائے رکھتی ہے اور اس کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے۔اور گھریلو زندگی کے جملہ معاملات میں اس کی رائے اساسی حیثیت کی حامل ہوتی ہے اور اس کے گھر کی حفاظت اور بقاء کا دارومدار اس کی درست رائے اور حکمت عملی پر ہوتا ہے۔لیکن جب ہم بعض اسلامی سکالرز کی آراء کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ نظر آتا ہے کہ اکثر عورت کی انفرادی حیثیت کو رد کرنے کے لئے ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ عورت ناقص العقل ہے اور وہ کسی بھی واقعہ یا مقدمہ کو صحیح انداز میں سمجھنے یا اس کا ادراک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی گویا اس کو سرے سے اس قابل نہیں سمجھا جاتا کہ وہ کوئی عقل ودانش کی بنیاد پر کوئی اچھا فیصلہ کیلئے کرسکتی ہے۔لہذا اسے کسی بھی مقدمہ میں شہادت دینے کے حوالے سے مرد کے مقابلے میں آدھی حیثیت دی جاتی ہے۔ لیکن اس حوالے سے مختلف انداز سے امام اکمل الدین اس نقطۂ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''العقل بالملکہ'' کی صلاحیت کے بعد ہی انسان پر شریعت کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور عورتوں میں اس کی کمی نہیں ہے کیونکہ وہ جزیات سے بدیہات کو حاصل کر لیتی ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر عورت کی صلاحیت میں کوئی نقص ہوتا ہے تو شریعت کی ذمہ داریاں مردوں پر یکساں نہ ہوتیں۔''(2)

''بابرتی کا یہ تجزیہ انتہائی معقول ہے اور اس کی صحت کا ثبوت اس زمانہ کی بے شمار ایسی عورتوں کے وجود سے مل جاتا ہے جو انتہائی ذہین وفطین تھیں۔یعنی عہد جاھلیت کے آخری دور تک عورت بے جا پابندیوں اور معاشرتی امور میں حصہ نہ لینے کے سبب ''عقل کی کمی'' کا شکار تھیں یا اسے ''ناقص العقل'' سمجھا جاتا تھا۔لیکن جب مدینہ میں اسلامی معاشرت کا آغاز ہوا اور عورت کو اس کے جائز حقوق تفویض کئے گئے اور عورت کو متعلقہ امور میں جائز آزادی دی گئی تو عورتوں میں ''عقل کی کمی'' زیادتی کی طرف مائل ہونے لگی چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اور پھر صحابہؓ رسول، تابعین اور تبع تابعین کے طویل دور میں ایسی مسلم خواتین کے نام ملتے ہیں جو ذہانت وفطانت

اور عقل وشعور میں مردوں سے بھی سبقت لے گئی تھیں اور جو اپنے دور کی مسلمہ مفسر، محدث، فقیہ، مفتی اور قاضی رہ چکی تھیں ۔اس زمانہ کے کثیر التعداد صحابہ نے ان سے فیض حاصل کیا اور انکی ذہانت سے شریعت کے مسائل میں رہنمائی حاصل کی تھی ۔'' (3)

گویا یہ کہنا کہ عورت ناقص العقل ہے اور وہ عقلی صنف کی وجہ سے زندگی کے تمام معاملات میں درست فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے غلط ہے ۔ بلکہ بحیثیت انسان ہونے کے مردوں کی طرح وہ بھی سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اپنے حواس خمسہ کے ذریعے اس گردوپیش کے حالات کا ادراک کرنے اور ان کے لئے درست حکمت عملی طے کرنے کی قوت اور صلاحیت سے بہرہ مند ہے ۔ یہ نظریہ دراصل ان فرسودہ روایات کا آئینہ دار ہے جن کی بنیاد پر صدیوں سے عورت کو کم تر حیثیت سے رکھا گیا اور زندگی کے معاملات میں اور سچائی شعور سے اس کو علیحدہ رکھا گیا ہے اور اس کی ذہنی فکری ارتقاء پر قدغن لگائی گئی ۔ اور اس کو معاشرتی زندگی میں اسے استعمال کرنے والی جنس کی حیثیت تک محدود کر دیا گیا ۔ انفرادی شخصیت کے اعتبار سے اسلام ایک عورت کو کیا حیثیت دیتا ہے اس کا جائزہ سیرت رسول ﷺ سے لیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے عورتوں کو عزت وتکریم دی ۔ ان کو ماں، بہن، بیوی، بیٹی کے رشتوں میں پرو کر، انہیں مقدس بنا دیا ۔ پھر زندگی کے مختلف امور میں ان کو یہ حق دیا کہ وہ شرکت کر سکتی ہیں ۔ آپ ﷺ نے خواتین کو تجارت کرنے سے نہیں روکا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے ۔ آپ ﷺ نے زندگی کے مختلف شعبہ جات میں خواتین کی رائے کو اہمیت دی ۔ اور انہیں اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے آواز بلند کرنے کی اجازت دی ۔

اپنی زندگی اور مستقبل کے لئے فیصلہ کرنے کی مکمل اجازت فرمائی اور آپ ﷺ نے مختلف فیصلہ جات جن میں خلع ، طلاق جیسے مسائل میں خواتین کی مرضی ورائے کو اہمیت دی اور ان کی خواہش کے مطابق فیصلہ دیا ۔

آپ ﷺ نے لڑکی کی پرورش کرنے اس کو اچھی تعلیم وتربیت دینے والے کو اخروی نعمتوں اور کامیابی کی نوید سنائی ہے ۔ آپ ﷺ نے خواتین کی گواہی پر بھی فیصلے سنائے اور ان کی گواہی کو قابل اعتماد قرار دیا ۔ مثلاً رضاعت، بچہ کی پیدائش اور دیگر امور میں اکیلی عورت کی شہادت پر فیصلہ دیا ۔ جو کہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک خواتین نہ صرف گواہی کی اہل ہیں بلکہ اکیلی عورت بھی گواہی دے سکتی ہے ۔

''مرد جس نے آج سے تقریباً سات ہزار سال قبل عورت کے حقوق پر تسلط اور اپنی برتری قائم کرنے کا آغاز کیا تھا۔شاید اسے آپ ﷺ کی ڈیڑھ ہزار سال پہلے کی یہ ادا کچھ زیادہ پسند نہ آئی۔اسی وقت سے غیر مسلم اقوام کے مفکرین نے آپ ﷺ کے اس مثبت عمل واقدام میں منفی پہلو تلاش کر کے اجاگر کرنے کی کوشش تو کی ہی تھی لیکن یہ کس قدر حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ بعض مسلم علماء نے بھی عورت کو دی گئی ان مراعات کو عورت کی کمزوری اور اس کی عدم صلاحیت پر محمول کیا اور کچھ اس قسم کا تاثر اور مفہوم ظاہر کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے یہ حقوق ومراعات صرف اس لئے ہیں کہ عورت ان صلاحیتوں سے محروم ہے جو مردوں میں پائی جاتی ہیں۔'' (4)

عورت کا انفرادی تشخص اور فطری امتیاز کی حقیقت:

اسلام کے نزدیک ایک عورت اپنی نوع کے اعتبار سے مرد کی تابع محض نہیں، بلکہ اس کی اپنی علیحدہ مکمل شخصیت ہے وہ دین ودنیا، دونوں اعتبارات سے اپنا پورا وجود رکھتی ہے۔اسے اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے، دین کی حدمت کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے اور کسی تخلیقی کام میں اپنی صلاحیت ظاہر کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے اور کسی تخلیقی کام میں اپنی صلاحیت ظاہر کرنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک مرد کو ہے۔اس کا دین اور اس کی دنیا دونوں کسی کے تابع نہیں ہیں اور وہ ہر اعتبار سے اپنی شخصیت کی مالک ہے۔''(5)

قرآن حکیم کے مطالعے سے یہ وضاحت ہو جاتی ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورت کم تر نہیں بلکہ ہر اعتبار سے یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے حوالے سے، ہر طرح کے درجات وفضائل میں ان میں کوئی تفریق وامتیاز نہیں۔ مالی معاملات ہوں، تجارت، صنعت کا معاملہ ہو تعلیم وتربیت کے حقوق ہوں یا تہذیبی حقوق خواتین مردوں کے ساتھ برابر ہیں یعنی خواتین اپنی ایک انفرادیت رکھتی ہیں۔اور اجتماعی معاشرے میں اپنے اس تشخص کی بنیاد پر وہ اپنا کردار ادا کرنے میں خود مختار رہے۔

''اسلامی قانون میں عورت کی حیثیت کے حوالے سے چند امور بہت اہم ہیں ان میں سب سے پہلا مسئلہ عورت کی گواہی سے متعلق ہے۔''(6)

اس حوالے سے خواتین کی گواہی کے بارے میں جب جاننے کی کوشش تو ''عام نقطۂ نظر یہ ہے کہ اسلام میں عورتوں

اور مردوں کی گواہی میں فرق ہے ۔یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے اور حدود یعنی قتل، ڈاکا، چوری اور زنا کے معاملات میں عورت کی گواہی سرے سے معتبر ہی نہیں ہے ۔'' (7)

حقوق و فرائض کے حوالے سے اسلام نے جو فطری تقسیم مرد اور عورت میں روا رکھی ہے اگر اس کا شعوری نظر سے جائزہ لیا جائے اور عصری تقاضوں اور تبدیلیوں کے تناظر میں قوانین کی تشکیل کا عمل جاری رکھا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ خواتین کے فطری اور طبعی ارتقاء میں کسی قسم کی رکاوٹ پیش آئے ۔خواتین کی گواہی کے حوالے سے مردوں کے مقابلے میں اس کی اہلیت کا تعلق بھی خواتین کے ان فطری حقوق و فرائض سے بڑا گہرا ہے اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو جن مفکرین نے عورت کی گواہی کو مردوں کے مقابلے میں نصف قرار دیا ہے ۔انہوں نے عصری تقاضوں کو درست طریقے سے سمجھا نہیں ہے ۔اور ماضی کے گزرے ہوئے سماجی تقاضوں کے مطابق جو آراء سامنے آئیں آج کے دور میں انہیں من وعن پیش کر دیا گیا ۔اکثر مسلم مفکرین یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ

''معاشرتی فرائض کے ناطے سے جو معاشرتی حقوق وجود میں آتے ہیں ان میں بھی مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق و اختلاف پایا جانا قدرتی امر ہے بعض حقوق میں مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق و اختلاف پایا جانا قدرتی امر ہے بعض حقوق میں عورتوں کو مردوں پر اور دوسرے بعض حقوق میں مردوں کو عورتوں پر فوقیت و برتری حاصل ہوتی ہے اس قسم کے حقوق میں اسلام عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات کا قائل نہیں بلکہ فرق و تفاوت کا دعویدار ہے ۔''(8)

فرق و اختلاف کے اس تصور نے عورت کو سماجی زندگی میں ایک بے مصرف شئے بنا کر رکھ دیا ہے ۔ کیونکہ فطری اختلاف کی تشریحات ہر مفکر الگ سے کرتا ہے بعض کہتے ہیں کہ چونکہ عورت کی پیدائشی ھیئت اور صلاحیت مرد سے کم تر اور کمزور ہے ۔لہٰذا اس پر ذمہ داریوں کا زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جا سکتا اور اس طرح اسے اکثر سماجی حقوق سے محرومی سے دوچار کر دیا گیا ۔اور ایک دوسرا نقطۂ نظر ضعف عقل کے حوالے سے ہے جس کی پاداش میں اسے گواہی کے اعتبار سے بھی محروم کر دیا گیا ہے ۔

بہر حال فرق و تضاد کا یہ فلسفہ بنیادی انسانی حقوق کو اگر متاثر کرتا ہے تو یہ تصور اسلامی نہیں ہوسکتا ۔ بلکہ یہ ان ذہنوں کی اختراع ہے جو عورت کو دوسرے درجے کی جنس تسلیم کر چکے ہیں ۔اور وہ اس تصور کو ہمیشہ سے رد کرتے آئے

ہیں کہ خواتین سیاسی اداروں، معاشی تجارتی امور، عدالتی نظام جس میں جج سے لے کر گواہ تک اور اسی طرح دیگر اجتماعی اداروں سے دور رہیں۔ اور وہ فقط چار دیواری کے اندر مقید رہ کر مردوں کی خاطر داری اور تابعداری کے ذریعے دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرے۔ کیونکہ شاید خدا نے اس کی تخلیق اسی لئے کی تھی۔

لیکن سچ تو یہ ہے کہ خواتین اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے مردوں سے کسی بھی صورت میں کم تر یا ضعیف نہیں ہیں بلکہ کئی امور میں وہ ان سے بہتر صلاحیتوں سے مالا مال ہیں۔ عقل کا صعف، بھولنے کی عادت اور کمزوری، جسمانی کمزوری، یہ تو مردوں میں بھی ہوسکتی ہے۔ تو کیا معاشرے کے کمزور اور کم عقل مردوں کے حقوق کی تقسیم کی بھی بات ہوتی ہے۔، ہرگز نہیں۔ تو پھر عورت کو ازل سے ان کمزوریوں کا شکار کیوں سمجھ لیا گیا ہے اور اس کی تقدیر سے کیوں کھیلا جا رہا ہے۔ دنیا کے اکثر فلسفے، مذاہب اور افکار و نظریات، بادشاہوں، حکمرانوں نے عورت کو دیگر مال کی طرح زر کی طرح قبول کیا، حفاظت کی اور اس کو استعمال کیا۔ اس کی دراصل وجہ یہ ہے کہ انفرادی حیثیت سے خواتین کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ مرد ان پر فضیلت اور غلبہ رکھتے ہیں۔ ''بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ حیوانات میں نر اور انسانات میں مرد، مادہ اور عورت پر مقدم، برتر اور غالب ہے۔ ہم یہ فیصلہ اور اس پر یقین بادی النظر حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے کوئی عنوان تیار نہیں کرتے۔ ہم زندگی کے ہر شعبے میں مرد کو برتر دیکھتے ہیں۔ بچہ پیدا ہوتے ہی باپ کی برتری اور ماں کی کمتری کو محسوس کرتا ہے اسی بناء پر ہم لڑکے اور لڑکی کی تربیت میں ابتداء ہی سے تفریق کو قائم رکھتے ہیں۔ لڑکے کو برت اور لڑکی کو کمتر امور سونپے جاتے ہیں۔ اسی طرح دونوں اپنی اپنی جگہ برتری اور کمتری کو اپنا اپنا حصہ سمجھ کر اپنا لیتے ہیں اور ہم ہر شعبہ زندگی میں ایسا ہی پاتے ہیں لہٰذا ہمارے ذہنوں میں عورت کی تقدیم و تفصیل یا فضیلت کا کوئی تصور اور امکان موجود ہی نہیں ہے۔ جبکہ دراصل حقیقت اس کے برعکس ہے، ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ انسان کی ابتدائی زندگی میں ایسا نہیں تھا۔ عورت مقدم و برتر تھی، دورِ تاریخ میں مرد نے اس تقدیم و برتری کو چھین لیا اور معاشرہ کے تمام اصول وضوابط اپنے حق میں بدل ڈالے اور ایسے قوانین وضع کئے جن سے عورت کمتر اور مغلوب ہوتی چلی گئی اور کسی مقام پر اس کی برتری کا نشان واظہار باقی نہ رہا۔ حتیٰ کہ خود عورت بھی اپنی ذات کو کمتر سمجھنے لگی'' (9)

اب اگر اس تناظر میں خواتین کی شہادت کے مسئلے پر بات کرتے ہیں تو دو حقیقتیں ہمارے مدنظر ہوتی ہیں ایک تو یہ

کہ جب فقہاء حضرات اس مخصوص ذھنیت اور فکر کی اساس پر قانون سازی کریں کہ خواتین کمزور، بھولنے والی اور بے اعتماد مخلوق ہے ۔تو پھر لا محالہ ایسے قوانین وجود میں آئیں گے جن میں عورت کو نظام عدلیہ میں کوئی با اعتماد حیثیت حاصل نہیں ہونگی نہ ہی وہ جج کے عہدے پر فائز ہو سکتی ہے اور نہ ہی وکیل ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کی گواہی قابل قبول ہوگی ۔

اور اگر شہادت کے حوالے سے عورت کی حیثیت کو اگر کمزور اور آدھا ثابت کیا جائے تو پھر اس کی حیثیت عدلیہ کے دیگر شعبہ جات میں کم تر ہو جاتی ہے ۔یعنی عورت اگر گواہی نہیں دے سکتی تو پھر جج کے عہدے کے بھی اہل نہیں ۔

ایسی صورتحال عورت کے سماجی حقوق کے استحصال کی علامت ہے ۔دوم یہ ہے کہ عورت کے مقام کے حوالے سے یہ فکر مد نظر ہو کہ مرد اور عورت دونوں برابر ہیں، دونوں گواہی کے اہل ہیں دونوں کو زندگی کے معاملات میں شرکت کے برابر مواقع ملنے چاہئیں دونوں تمدنی زندگی کی تشکیل کی دوڑ میں برابر اور مساوی ہیں ۔انفرادی حیثیت دونوں کی یکساں ہے دونوں کے احساسات، جذبات اور آراء کی یکساں اہمیت ہے اور دونوں کو زندگی سے مستفید ہونے کا برابر حق ہے ۔

اس طرح اس اساس پر ہونے والی قانون سازی سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے قانون وجود میں لائے جو غیر استحصالی اور عادلانہ ہوں اور خواتین کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے ضامن ہوں ۔اگر خواتین کی انفرادی حیثیت سے شہادت کی اہلیت مرد کے مقابلے میں کیا ہے اس کو سمجھنے کے لئے جب ''ہم قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ جہاں تک شہادت وگواہی کی اہلیت کا تعلق ہے وہ مردوں اور عورتوں دونوں کو یکساں طور پر حاصل ہے ۔دونوں تحمل شہادت اور اداء شہادت کے مساوی طور پر اہل ہیں اسی طرح جہاں تک بحیثیت مسلمان شہادت کی ذمہ داری کا تعلق ہے اس میں بھی مرد اور عورت دونوں برابر اور یکساں طور پر اس کے ذمہ دار اور مکلف ہیں اس بارے میں نظری طور پر دونوں کا درجہ برابر ہے ۔'' (10)

لیکن بعض اہل علم کا نقطۂ نظر بڑا عجیب ہے وہ یہ تسلیم کرنے کو قطعاً تیار نہیں اور طرح طرح کے دلائل کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مرد کے مقابلے میں عورت کی حیثیت آدھی ہے اس سلسلے میں وہ قرآن وحدیث کا حوالہ بھی دیتے ہیں ۔مثلاً ایک صاحب قلم لکھتے ہیں ۔

''قرآن اور حدیث عورت اور مرد کی شہادت میں واضح فرق کی نشاندہی کر رہے ہیں عورت میں یاد رکھنے کی صلاحیت کی کمی ہے اور وہ جلد بھول جاتی ہے اس لئے مرد کے مقابلے میں اس کی شہادت آدھی ہے ورنہ کئی دوسرے معاملات میں عورت مرد کے مقابلے میں زیادہ عقل مند ہوسکتی ہے اب اندازہ کر لیجئے کہ نسیان اور ضبط کا نقص کیا کسی شخص کو اس اہل چھوڑتا ہے کہ وہ حکمران یا سربراہ کا بوجھ اٹھا سکے۔'' (11)

خواتین پر نسیان کا فتویٰ لگا کر اس سے شہادت کا حق چھین لینے یا اسے مرد کی شہادت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہ دینے کی روش شاید اسی وجہ سے بھی ہے کہ اکثر علماء فقہی تدوین کے ان اصولوں اور ضابطوں سے قطعاً ناواقف ہیں جن کی بنیاد پر حالات زمانہ کی رعایت رکھتے ہوئے، قانون سازی کی جاتی ہے۔ دراصل ان کی آراء کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ جن روایتوں کو نصوص کے درجے میں تسلیم کرتے ہیں وہ خاص حالات اور خاص زمانے کے خاص تقاضوں کی پیداوار ہیں۔ اب زمانہ بدل گیا حالات نئے تقاضے لے کر سامنے کھڑے ہیں اب ظاہر ہے فقہ پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اور پھر اسی شعور کے ساتھ قرآن حکیم کے مطالعے کی ضرورت ہے۔

''شہادت و گواہی سے متعلق قرآن و حدیث میں جو نصوص ہیں ان سے یہ ثابت اور واضح ہوتا ہے کہ بعض امور میں عملی طور پر مرد اور عورت کی شہادت کے مابین کچھ فرق نہیں بلکہ کامل مساوات ہے جیسے وہ شہادت جن پر کسی انسان کے مومن و مسلم ہونے کا دارومدار ہے یعنی کلمہ شہادت کے ذریعے اللہ کی الوہیت، توحید حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی شہادت دیتا ہے تو وہ مومن و مسلم بن جاتا ہے اسی طرح ایک عورت بھی ایک مرد کی طرح کلمہ شہادت پڑھنے سے مومن و مسلم بن جاتی ہے شرعاً دونوں اس شہادت کا یکساں طور پر اعتبار ہے یعنی اس کے بعد دونوں پر ذمہ داری عائد ہوجاتی ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے شرعی احکام کی پابندی کریں۔'' (12)

''قرآن حکیم میں اکثر خطاب مردوں سے ہے لیکن اس سے مراد مرد اور عورتیں دونوں ہیں۔ تمام فرائض کی ادائیگی کے احکامات مردوں عورتوں کے لئے برابر ہیں تاہم خاص خاص معاملات میں عورتوں کے بارے میں علیحدہ سے احکامات صادر کئے گئے ہیں عورتوں سے متعلق امور ہیں۔ ایک عورت کی گواہی کافی ہے مثلاً بچے کی ولادت میں ایک دائی کی شہادت کافی ہوتی ہے اسی طرح کئی امراض اور مباشرت کے ہونے نہ ہونے کے بارے

میں شہادت ایک عورت کے ذریعے ہی ممکن ہے جو قابل قبول ہوتی ہے۔'' (13)

قرآن حکیم میں سورہ یوسف میں شہادت کے حوالے سے جو واقعہ پیش آیا اس میں بھی خواتین کی شہادت اور مرد کی شہادت میں کسی امتیاز کا تصور نہیں ملتا۔ اگر اس واقعہ کا شعوری طور پر مطالعہ کیا جائے کہ

''سورہ یوسف میں جب گھر کا مالک آتا ہے اس کی بیوی یوسف پر بے حرمتی کا الزام لگاتی ہے حضرت یوسف الزام سے انکار کرتے ہیں اس موقع پر یہ نہیں کیا گیا کہ مرد کی گواہی عورت سے اعلیٰ تھی، کیونکہ وہ مرد تھا۔ یہ کسی تیسرے شخص کی شہادت تھی، جس نے کہا کہ شہادت کے حوالے سے جانچا جائے فقہاء کا تصور اس زمانے کی عورتوں کے سماجی حالات پر مبنی ہے۔'' (14)

قرآن حکیم وراثت کے متعلق وصیت کے لئے دو عادل آدمیوں کو گواہ بنانے کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

''یا ایھا الذین اٰمنُو شَھَادَۃ مینکم اِذَا حَضَرا اَحَدکُم الموت حِین الوصیۃ الثنٰن ذُو اعَدلٍ منکم اَو اُخرانِ مِن غیر کم'' (15)

ترجمہ۔ اے لوگو: جو ایمان لائے ہو جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو اس کے لئے شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں دو صاحب عدل آدمی گواہ بنائے جائیں۔

''اس میں مرد و زن کی تخصیص نہیں کی گئی بلکہ حالات اور ضرورت کا تقاضہ ہو تو غیر مسلموں کی گواہی بھی جائز رکھی گئی ہے۔'' (16)

کیونکہ یہ ایک فطری عمل ہے اور عقل اسے تسلیم نہیں کرتی کہ وصیت کے وقت دو مرد ہی ہونے ضروری ہیں۔'' چنانچہ فقہاء کے دور میں ابن صدقہ نامی ایک شخص اپنے رشتہ داروں کو وصیت کرے اور اپنے غلام کو آزاد کر دے لیکن اس وقت سوائے عورتوں کے کوئی مرد موجود نہ ہو تو اس کی وصیت پر عمل نہیں کیا جائے گا؟ جبکہ وصیت اور اس پر عمل کو شریعت میں ضروری قرار دیا جا چکا ہے۔'' (17)

اسی طرح زنا کے حوالے سے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں کے لئے قرآن حکیم چار گواہ ضروری قرار دیتا ہے ارشاد ربانی ہے۔

''لَو لَا جَآءُو علیہ باربعۃ شھذاء فَاِذ لَم یاَتو ا بالشھداءِ فاؤلٰئکَ عند اللہ ھم

الکاذبون ''(18)

ترجمہ۔وہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے پس جب وہ گواہ نہیں لائے وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔

''بعض علماء اکرام کے مطابق دوعورتوں اور ایک مرد کی شہادت کا اصول تمام صورتوں میں لاگو ہونا چاہئے۔''(19)

اس موقف کی تائید نہیں کی جاسکتی کیوں کہ قرآن حکیم کی درج ذیل آیت میں عورت اور مرد کی شہادت کو یکساں ٹھہراتی ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔

''وَالذین یَرمُون اَزواجَھُم و لمیکن لَّھم شھداء اِلّا اَنفُسُھم فَشَھَادَۃ اَحَدِھِمْ اَرْبَع شَھدٰتٍ بااللہ اِنَّہٗ لَمِنَ الصّٰدِقِین ''(20)

ترجمہ۔اور جولوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے اپنے سواء دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک شخص کی شہادت (یہ ہے کہ وہ) چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کر وہ (اپنے الزام میں) سچا ہے۔

اسی طرح قرآن حکیم کی ایک اور آیت ملاحظہ ہو جس میں عورت اور مرد کی گواہی کو یکساں قرار دیا گیا۔ارشاد ربانی ہے۔

''فَاِذَا بلغَن اَ جلَھُنَّ فَامسِکُو ھُن المعرُوف اَو فار قُوھُنَ لمعروف وَاَشْھدو ا ذوی عَدلٍ مِنکم وَاَقیمُو الشَّھادَۃ لِلّٰہ ذٰلِکُمْ یُوعَظَ مِنْ کَانَ یُومِنَ بااللہ وَالیَوم الاخِرِ ''(21)

ترجمہ۔تو جب وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو انہیں دستور کے مطابق روک لو یا ان سے دستور کے مطابق الگ ہو جاؤ اور اپنے میں سے دومعتبر انسانوں کو گواہ بنالو اللہ تعالیٰ کے لئے شہادت قائم کرو۔

''اس آیت ربانی میں گواہی کے لئے مرد اور عورت دونوں کو برابر کا درجہ دے کر دونوں کو مکمل گواہ بتایا گیا ہے اس معاملہ میں دو عورتیں یا دو مرد گواہ ہو سکتے ہیں۔زنا کے معاملات میں قرآن مرد اور عورت دونوں کے لئے چار چار شہادتیں طلب کرتا ہے اگر عورت کی گواہی نصف مرد کے برابر ہوتی تو یہاں پر چار عورتوں کے بجائے آٹھ عورتوں کو گواہ بنانے کے لئے کہا جاتا لیکن ایسا نہیں بلکہ زنا کے معاملات میں مرد اور عورت کی گواہی کے سلسلے میں

کوئی فرق نہیں۔''(22)

اور اس کےعلاوہ زنا کی شہادت کے بارے میں ''چاروں اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ چار گواہوں نے ارتکاب زنا کی گواہی کسی کے خلاف دی اور انہوں نے کہا میں نے دونوں کی شرم گاہوں کو اچھی طرح دیکھا ہے کیونکہ تفتیش کے وقت اثبات جرم پر قادر ہونے کے لئے یہ امر ضروری تھا تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ ختنہ کرنے والا معالج اور انیمہ دینے والے کا دیکھنا یا بکارت کا امتحان اور یا واپسی کی شرط پر لئے ہوئے مملوک کے عیب کا پتہ لگانا ہو وغیرہ تو بہتر یہ ہے کہ عورت کے ایسے معاملات کو عورت ہی انجام دے۔ اگر چہ ضروری حصے سے زائد حصہ ڈھکنا واجب نہیں ہے اگر گواہ نے لذت اندوزی کے لئے ستروں پر نظر ڈالی ہو تو ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔''(23)

عورت کی گواہی:

(الف) عورت کی گواہی حدود میں:

وہ علماء جو حدود کے معاملے میں عورت کی گواہی کو نا قابل قبول قرار دیتے ہیں اپنی دلیل کے لئے درج ذیل آیت کریمہ پیش کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

''والتی یا تین الفاحشته من نسائکم فاشتهدو ا علیهن اربعة منکم فان شهد وا فاسکو هن فی البیوت حتی یتو فهن الموت او یجعل الله لهن سبیلاً''(24)

ترجمہ۔یعنی اور جو کوئی یہ کاروائی کرے تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دیویں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھالیوے ان کو موت یا مقرر کردے اللہ ان کے لئے راہ۔

''اس آیت کا ترجمہ یوں ہی کیا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ اربعۃ منکم '' سے بالخصوص ''تم میں سے چار مرد ہی مطلوب ہیں۔''(25)

اس آیت کے حوالے سے علماء میں ہمیشہ سے اس کی حیثیت اور نفس مضمون کے بارے میں اختلاف موجود رہا۔ بعض علماء لفظ الفاحشۃ (بدکاری) سے مراد زنا لیتے ہیں۔

''وہ کہتے ہیں کہ یہ عورت کوحبس کر دینے کا حکم حدود نازل ہونے سے قبل تھا۔لیکن حدود کے احکامات نازل ہونے کے ساتھ ہی یہ حکم منسوخ کر دیا گیا ان کے نزدیک ''او یجعل اللہ لھن سبیلا'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ اس جرم کی شاید کوئی حد مقرر کردے یا توبہ کی توفیق دیدے۔

یوں ایک بات معلوم ہوئی کہ اگر اس آیت میں زنا کا اور اس کے ثابت کرنے کا اور اس کی سزا کا ذکر ہو رہا ہے تو یہ آیت سورہ نور کی آیت 12 کے نازل ہونے کے بعد منسوخ ہوگئی ہے لہذا اگر ہم اس آیت کو منسوخ تسلیم کرلیں تو پھر اس آیت مبارکہ سے زنا کے معاملہ میں اور تمام حدود کے معاملہ میں صرف اور صرف مردوں کی گواہی قابل قبول ہونے کے مسئلہ کو اخذ کرنا اور وہ بھی محض عدد معدود کی بحث سے نہایت دور کی کوڑی لا کر ثابت کرنا قرین انصاف بات نہ ہوگی بلکہ ظلم ہوگا۔''(26)

(ب) قصاص:

حدود اور قصاص کے معاملات میں گواہی کا مسئلہ پیش آتا ہے یہاں دو مردوں کی گواہی کافی ہے جو دستیاب نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں سے گواہی مکمل ہو جاتی ہے۔یعنی ان میں عورت کی گواہی مقبول ہے لیکن اسلامی معاشرے میں عورت کی تکوین میں حیا اور شرم اولین عناصر ہیں۔جن کے باعث مسلمان عورتیں مردوں کا سامنا کرتے وقت جھجک محسوس کرتی ہیں اس کا اثر مقدمے کی کاروائی پر بھی پڑتا ہے اس لئے اسلام عورت کو ایک سہولت مہیا کرتا ہے کہ کسی معاملہ میں گواہ بناتے وقت اسے ایک معاون عورت بھی فراہم کرتا ہے تاکہ دوران مقدمہ ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے۔اس دوسری عورت کی گنجائش بھی بھول کی صورت میں ہے ورنہ فی الاصل ایک ہی عورت کی گواہی کافی ہے۔اس کے برعکس دنیا کے دوسرے تمام نظام عورت کو اس طرح کی کوئی سہولت فراہم نہیں کرتے۔وہ عورت کو بس عدالت میں لاکھڑا کرتے ہیں پھر سوال جواب میں کوئی دوسرا نہیں بول سکتا، جرح کے دوران میں مخالف وکیل کے تند تیز سوالات کا وہ کیسے سامنا کرے؟ قانون اس کی مدد نہیں کرسکتا۔ اسلام نے عورت کو یہ ایک بہت بڑی سہولت فراہم کی ہے جس کو بعض لوگ عورت کے ''بنیادی حقوق'' سے متصادم سمجھتے ہیں۔اپنے دائیں بائیں دیکھ لیجئے عام گھریلو عورتیں دوسرے کے گھروں میں جاتے وقت اپنے ساتھ کسی دوسری عورت کو لازماً لے کر جاتی ہیں یہی حالت شارع نے گواہی میں مدنظر رکھی۔''(27)

مصر کے معروف عالم دین ڈاکٹر انور محمود یوسف دؤ ر کہتے ہیں کہ ''حدود میں عورتوں کی گواہی قبول نہ کئے جانے کی حکمت یہ ہے کہ عورتوں کے بھول جانے اور بہکائے جانے کا احتمال رہتا ہے اور یہی بات حدود میں عورتوں کی گواہی میں شبہ کے قیام کا موجب بنتی ہے اس لئے حدود میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں۔''(28)

(ج) لعان:

قرآن پاک کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ لعان کی صورت میں بھی خواتین مردوں کے برابر تصور کی جاتی ہیں۔اس سلسلے میں قرآن حکیم کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

''وَالَّذین یَرمُونَ اَزواجَهُم وَلَم یَکُنْ لَهُم شُهداءُ اِلّا انفُسُهم فَشَهَادَةُ اَحَده هم اَرْبَعُ شَهَادَتٍ باالله اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدقین وَالخَامِسَةُ اَنَّ لَعنَتَ الله علیه ان کان من الکاذبین وَیَدرءُ عَنهَا العَذاب اَن تشهَدَ اَربَعَ شِهَاداتٍ باالله اِنَّهٗ لَمِنَ الکاذِبینَ وَ الخامسته اَنَّ غَضَبَ الله علیها ان کان من الصادقین''(29)

ترجمہ۔اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس سوائے خود کے اور گواہ نہ ہوں تو ان کی شہادت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ تہمت لگانے میں سچا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اللہ کی اس پر لعنت اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو اور اس کے بعد عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ تہمت لگانے میں میرا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ سچا ہے۔

''ان آیات میں جس طرح شوہر کے بطور لعان کہے گئے اقوال کو شہادات سے تعبیر کیا گیا ہے اسی طرح بطور لعان عورت یعنی بیوی کے کہے گئے اقوال کو بھی شہادتوں سے تعبیر فرمایا گیا ہے جو اس پر صراحتہً دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالی نے عورت کو شہادت کو گواہی کا اہل و قابل قرار دیا اور اس کی شہادت کو معتبر ٹھہرایا ہے۔''(30)

(ہ) زنا:

کیا زنا کے معاملے میں مرد اور خواتین کی شہادت یکساں ہے؟ بعض مفکرین اسے یکساں قرار دیتے ہیں اور اس سلسلے میں قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ دلیل کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔ارشاد الٰہی ہے۔

''وابتَلُو الیتمٰیٰ حتّٰی اِذا بَلَغُو النِّکاح فَاِنْ انستُم مِنهم رشدًا فَادفَعُو الیهم اَموالَهُم وَلا

تَـا كُـلُـو هَـا اِسرافاًو بِدارًا آن يَّكبرُو وَمَن كان عينياً مليستعفف وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَليا كل بالمعروف فَاِذا دفعتُم اِليهِم اَمْوالهُم فَاَ شهِدُو اعليهم و كَفيٰ باالله حَسيباً ''(31)

ترجمہ۔اور یتیموں کو بالغ ہونے تک کام کاج میں مصروف رکھو پھر (بالغ ہونے پر) اگر ان میں عقل کی پختگی دیکھوتو ان کا مال ان کے حوالے کر دو اور اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے (یعنی بڑے ہو کر تم سے اپنا مال واپس لے لیں گے) اس کو فضول خرچی اور جلدی میں نہ اڑالینا۔جو شخص آسودہ حال ہو اس کو (ایسے مال سے قطعی طور پر) پرھیز رکھنا چاہئے اور جو بے مقدور ہو وہ مناسب طور پر (یعنی بقدر خدمت) کچھ لے لے اور جب ان کا مال ان کے حوالے کرنے لگو تو اس پر گواہ بنالیا کرو اور اللہ تعالی حساب لینے والا کافی ہے۔

''اس آیت میں یہ کہیں بھی نہیں لکھا ہوا کہ صرف مرد گواہ ہو سکتے ہیں بلکہ مرد اور عورت دونوں برابری کی حیثیت سے گواہی دے سکتے ہیں اسی طرح پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والے مرد اگر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے مارنے کا حکم سنایا گیا ہے اس معاملہ میں بھی گواہی کے لئے مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ کوئی سے بھی چار گواہ خواہ مرد ہوں یا عورتیں یا دونوں میں سے ہوں پیش کئے جا سکتے ہیں۔یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ چار مرد یا آٹھ عورتیں گواہ پیش کرو بلکہ حکم یہ ہے کہ چار گواہ پیش کرو۔''(32)

(ح) تجارتی معاملات:

اور اسی طرح سورہ البقرہ کی آیت نمبر 282 میں عورت کی شہادت کے حوالے سے جو تصور دیا گیا ہے اس کا تعلق بازار منڈی سے تعلق رکھنے والے تجارتی معاملات سے ہے۔چونکہ ان کا تعلق معاشرے کے اجتماعی معاملات کے ساتھ بنتا ہے لہٰذا اس معاملے میں شہادت کی ذمہ داری اوّلاً مرد پر رکھی گئی ہے اور اگر ''مرد موجود نہ ہو تو نمبر۲ پر یہ ذمہ داری عورتوں پر بھی ڈالی جا سکتی ہے کیونکہ اھلیت شہادت ان کے اندر بھی موجود ہوتی ہے۔'

(33)

دیگر معاملات:

اور اسی طرح مخصوص معاملات میں عورتوں کی شہادت ''جن پر مردوں کی نگاہ نہیں پڑتی جیسے ولادت، رضاعت اور بکارت وغیرہ جو عموماً عورتوں ہی کے دیکھنے میں آتے ہیں حدیث کی کتاب مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن

ابی شیبہ میں متعدد ایسے آثار صحابہ ہیں جن میں عورتوں سے مخصوص حالات اور عیوب کے بارے میں عورتوں کی شہادت کے معتبر ہونے کا ذکر ہے۔''(34)

''گواہی دینے کے بارے میں قرآن مجید میں پورے آٹھ مقامات پر احکامات بیان کئے گئے ہیں ان میں سے ایک مقام پر جہاں مالی معاملات کا ذکر ہے وہاں یہ قید لگائی گئی ہے کہ جب عورت گواہی دینے جائے تو اس کے ساتھ ایک اور عورت بھی ہونی چاہئے۔''(35)

اس قرآنی حکم میں قرض کے لین دین کے سلسلے میں جہاں یہ ھدایت فرمائی گئی کہ اگر مدت مقررہ تک کسی سے کچھ قرض کا لین دین کرنا ہو تو اسے لکھ لینا چاہئے وہیں یہ ھدایت فرمائی گئی کہ اس پر دو مردوں کو گواہ بنالیا جائے اور اگر کسی موقع پر دو مرد گواہ میسر نہ ہوسکیں تو ان کے بجائے ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالیا جائے چنانچہ اس سے استدلال کیا جاتاہ کہ ایک عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے نصف ہوتی ہے۔

اسلام نے مردوں اور عورتوں کے دائرہ ہائے کار کو یوں متعین کیا ہے کہ مردوں کا کام گھر سے باہر رزق کی تلاش ہے اور عورتوں کا کام اندرون خانہ، اولاد کی پرورش اور امور خانہ داری کی دیکھ بھال ہے اس کے ذمے نہ تو کسی کا نان نفقہ ہے اور نہ ہی اخراجات زندگی کا اہتمام کرنا یہ کام مردوں کی ذمہ داری ہے ظاہر ہے کہ مالی معاملات کی ذمہ داری کی وجہ سے قرض کے لین دین کا معاملہ، عورت کا ذہن، مالی لین دین اور قرض وادھار کے معاملات میں مردوں کی طرح کام نہیں کرسکتا جیسا کہ مردوں سے گھریلو معاملات کو بہتر طریقے پر چلانے کی توقع نہیں کی جاسکتی عدالتوں کے چکروں میں پھنسنا جہاں وکیل صاحبان بال کی کھال اتارتے ہیں عورتوں کے لئے کم درد سر نہیں۔انہیں اس معاملے کی تفصیلات میں الجھایا جاسکتا ہے اس لئے قرآن مجید نے مالی معاملات کی صورت میں یہ قرار دیا کہ اگر عورت اپنی گواہی میں الجھ جائے تو اس کی جنس کی ایک دوسری عورت اسکے ساتھ ہو جو اسے یاد دلا دے اور اس میں کسی قسم کا اضطراب پیدا نہ ہونے دے۔اس مقصد کے لئے قرآن مجید میں ان لضل احد هما نتذكر احد هما الخرى کے لفظ استعمال ہوئے ہیں۔الضلۃ کے بنیادی معنی ہی حیرانی، سرگردانی اور اضطراب کے ہیں۔اس کے معنی یہ ہیں کہ مالی معاملات کے مختلف پہلو غلط ملط ہوجانے کی وجہ سے عورتیں ذہنی طور پر الجھ سکتی ہیں۔اور اس الجھاوء سے سارا مقدمہ خراب ہوسکتا ہے لہٰذا اس موقع پر دو عورتیں ہونی چاہئیں کہ

اگر ایک عورت الجھاؤ میں مبتلا ہو جائے تو دوسری اسے صاف کر دے۔ یہ عورتوں کا کوئی نقص نہیں ہے بلکہ ان کے طبعی اور خلقی ساخت کا لازمی نتیجہ ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عورتیں ناقص العقل اور نا قابل اعتبار ہیں۔ خود مردوں کے سلسلے میں بھی قرآن کریم نے دو کی شہادت کو ضروری قرار دیا ہے کہ ایک آدمی کی شہادت پر کوئی عدالت اپنا فیصلہ صادر نہیں کر سکتی۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں لیا جا سکتا کہ ایک مرد قابل اعتبار یا لائق اعتبار نہیں۔ ہر مرد خواہ وہ ایک ہو یا دو ہوں قابل اعتبار ہیں، لیکن عدالت اپنا فیصلہ صادر کر سکتی ہے۔'' (36)

مالی معاملات میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے دو خواتین کا ہونا اس طرح ثابت ہو سکتا ہے۔'' مثلاً ایک شخص بیماری کا آپریشن کروانا چاہتا ہے وہ تسلی کے لئے دو کوالیفائیڈ سرجنز کا مشورہ لینے کو ترجیح دیگا۔ لیکن اگر وہ دوسرے سرجنز کو ڈھونڈنے میں ناکام رہتا ہے۔ دوسری صورت میں وہ ایک سرجن اور دو عام ایم بی بی ایس ڈاکٹرز سے مشورہ کر سکتا ہے اسی طرح مالی لین دین میں دو آدمیوں کو ترجیح حاصل ہے۔ اسلام مردوں سے اپنے گھرانوں کی کفالت کی توقع رکھتا ہے چونکہ مالی ذمہ داری مرد کے کندھوں پر ہے اس لئے ان سے مالی معاملات میں خواتین کی نسبت زیادہ باخبر ہونے کی توقع رکھی جاتی ہے۔ دوسری صورت میں گواہ ایک مرد اور دو عورتیں ہو سکتے ہیں تا کہ اگر ایک عورت ''تضل'' کرے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ اس عربی لفظ تضل کا مطلب مبہم ہونا یا غلطی کرنا ہے۔ بہت سے لوگوں نے غلطی سے اس کا ترجمہ ''بھول جانا'' کیا ہے۔ پس مالی لین دین کی دستاویز کے لئے دو خواتین کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔'' (37)

اس سلسلے میں ضروری ہے کہ یہ حقیقت مدنظر رہے کہ ایک نظام کے جملہ اجزاء آپس میں ایک تنظیم کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں اس لئے اس نظام کی ہر چیز کو اس کے پورے ماحول اور سیاق وسباق context کو مدنظر رکھ کر سمجھنا چاہئے یہ سوال ہو سکتا ہے کہ عورت کو مرد کا نصف کیوں قرار دیا۔ اس کے بعض عمرانی اور جسمانیاتی اسباب ہیں، اس سے دو باتیں قطعی طور پر ثابت ہوتی ہیں اول یہ کہ عورت شہادت دے سکتی ہے یہ اثبات ہے نہ کہ نفی، مگر شرائط کے ساتھ۔ جس طرح مرد شہادت دے سکتے ہیں مگر شرائط (عدل، اعتماد، ذمہ داری اور وثوق) کے ساتھ، اسی طرح عورت کے حق و اھلیت شہادت کے لئے دو عورتوں کا یہی فلسفہ ہے۔ اس کی مصلحت یہ ہے کہ عورت مردوں کے مقابلے میں زیادہ جذباتی مخلوق ہے اس کا عملی شعور بھی مردوں کے مقابلے میں محدود ہوتا ہے اس کے

علاوہ عورت چونکہ زیادہ تر گھر کے اندر رہتی ہے اس لئے اس کے ذرائع معلومات محدود ہوتے ہیں اور شاید اس وجہ سے بھی کہ عورتوں کو عدالتوں تک لے جانے کی حوصلہ شکنی بھی مقصود ہے۔''(38)

عورتوں کی شہادت مالی معاملات میں واضح ہونے کے حوالے سے پروفیسر محمد لطیف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ''عام اور خواص ہر طرح کے معاملات میں گواہوں کو گواہی کی صورتوں کا وضاحت سے بیان ملتا ہے ایسے واضح حکم کے باوجود جو لوگ اصرار کرتے ہیں کہ عورت کی گواہی مرد کے برابر ہے ان کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ اپنی ذات کو اللہ عز و جل کے برابر سمجھ رہے ہیں کہ جو چاہیں حکم دیں۔''(39)

قتل کیس میں خواتین کی شہادت کے بارے میں ''بعض علماء کی رائے میں قتل کیس میں نسوانی طرز عمل گواہی پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ ایسے حالات میں ایک عورت مرد سے زیادہ خوف زدہ ہوتی ہے، اپنی جذباتی حالت کے باعث وہ ابہام کا شکار ہو سکتی ہے لہذا بعض قانون دانوں کے مطابق قتل کے کیسوں میں بھی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے دیگر تمام صورتوں میں ایک عورت کی شہادت کا درجہ بھی وہی ہے جو مرد کی شہادت کا ہے۔''(40) حیرت ہوتی ہے کہ جب دیگر معاملات میں عورت ابہام کا شکار نہیں ہو سکتی تو قتل کیس میں کیسے ہو سکتی ہے؟ اور کیا مردوں کے ساتھ یہ صورتحال پیش نہیں آسکتی۔ کیا قتل کے وقت مرد خوفزدہ ہو کر اپنے حواس نہیں کھو سکتا؟ اس طرح کے فیصلے کی بنیاد کیا ہو سکتی ہے کہ ہم نے پہلے سے یہ طے کر رکھا ہے کہ عورت ہوتی ہی انتہائی جذباتی اور خوف کا شکار۔ کیونکہ برسوں سے اس جنس کو خوف اور دباؤ کی زندگی نصیب ہوئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر ایک مرد کو بھی ایسے یہ کسی ماحول میں برسوں رکھا جائے جہاں اس کے اردگرد دیواریں ہوں اور ہر عمل اور احساس کے لئے دوسرے کسی کا محتاج ہو۔ اور عضو معطل کی طرح اس کو قید رکھا جائے تو اس کی بھی یہی کیفیت ہوگی یعنی وہ صنف نازک کا روپ دھار لے گا۔ خوف اور دباؤ اور جذباتی طبیعت اس کی نفسیات بن جائے گی؟ افسوس کہ ہم نے خواتین کی بنائی ہوئی اس نفسیات کو فطرت سمجھ لیا ہے اور اس کو صنف نازک تسلیم کر کے اسے ایک ایسے دائرے میں بند کر دیا ہے جہاں سے وہ کبھی نہیں نکل سکتی۔

بہر حال ''یہ حقیقت نہیں کہ دو خواتین کی شہادت کو ہمیشہ ایک مرد کی شہادت کے مساوی سمجھا جاتا ہے۔ یہ صرف مخصوص معاملات میں ہے قرآن مجید کی تقریباً 5 آیات مرد و زن کی تخصیص کے بغیر گواہی کا ذکر کرتی ہیں۔''

(41)

اس کے علاوہ ''زندگی کا ایک دائرہ ایسا بھی ہے جس میں بالعموم مردوں کی گواہی کا سرے سے امکان ہی نہیں ہوتا اس لئے ان کی گواہی کا سوال بھی بے معنی ہے کسی عورت کے حاملہ ہونے نہ ہونے کی گواہی عورت ہی دے سکتی ہے۔ وضع حمل کے وقت بچہ زندہ پیدا ہوا اور پیدا ہوتے ہی مر گیا یا پیدا ہی مردہ ہوا تھا یہ بھی عورت کی ایک گواہی میں ایک عورت کی گواہی کافی ہوتی ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے کئی مرتبہ محض ایک عورت کی اس گواہی پر کہ اس نے زوجین کو اپنا دودھ پلایا زوجین میں تفریق کرا دی۔'' (42)

خواتین کی گواہی کے حوالے سے اگر معاشرتی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ''ہمارے مفسرین اور فقہاء نے قرآن میں استعمال شدہ الفاظ سے مختلف نتیجا سوالات پیدا کر کے واضح اور صاف حکم میں اپنے مقصد کا مفہوم ظاہر کیا ہے۔ وہ عورت کو مرد کے برابر نہیں رکھنا چاہتے اسے مرد سے کم تر ثابت کرنا چاہتے ہیں۔''(43)

''حالانکہ قرآن مجید نے صرف ایک مقام پر عورت کی گواہی کا ذکر کیا ہے اور اس کا تعلق لین دین اور قرض اور قرضی معاملات سے ظاہر کا ہے۔ سورہ البقرہ کی آیت نمبر (282) میں اس کا ذکر موجود ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''اور گواہی حاصل کرو اپنے مردوں میں سے دو کی اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، یہ گواہ ان لوگوں میں سے ہوں جن کو تم بحیثیت گواہ پسند کرتے ہو۔ (ایک مرد کی جگہ دو عورتیں اس لئے کہ) اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے۔

اس پوری آیت پر غور کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اگر ایک عورت کی گواہی ناکافی ہے تو ایک مرد کی گواہی بھی کافی نہیں ہے اسی لئے دو مردوں کی واضح شرط موجود ہے اور یہ دو مرد بھی اسی لئے رکھے گئے ہیں کہ جس طرح دو میں سے ایک عورت بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے بالکل اسی طرح دو مردوں میں سے ایک بھول جائے تو دوسرا یاد دلا دے۔ ہاں اگر معتبر مرد نہ مل سکے تو دو مردوں کی طرح دو عورتوں کو گواہی میں شامل کر لیا جائے۔ یہ بات بھی اس لئے زور دے کر کہی گئی کہ عہد جاھلیت میں عورت کے گمراہ ہونے کا کوئی تصور ہی موجود نہ تھا۔ وہ عورت کو دوسرے معاملات کی طرح گواہی میں بھی کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ قرآن یہ بتانا چاہتا ہے کہ عورت

گواہی دے سکتی ہے اور اگر تمہیں مرد نہ ملے تو عورت کو گواہی کے طور پر تسلیم کر لو جس طرح گواہی میں دو مرد ضروری ہیں اسی طرح دو عورتیں بھی ضروری ہیں۔ عدد کی شرط سے مرد اور عورت کا بطور گواہ ہونا برابر ہے ظاہر کیا ہے۔ آیت میں یہ ضرور کہا گیا اگر دو مرد نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی میں شامل کر لی جائیں۔ مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ دو عورتیں ایک مرد کی خالی جگہ کو پر کرنے کے لئے ہیں یا دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں۔ مرتبہ الفاظ کے اس ظاہری معنی سے فقہاء نے فائدہ اٹھایا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عورت مرد کی نصف ہے۔

قرآن کے ان الفاظ پر بھی غور کرنا لازم ہے جن میں کہا گیا ہے کہ ''گواہ ان لوگوں میں سے ہوں جن پر تمہیں اعتماد اور اعتبار ہو۔'' اگر آیت سے اس جملہ کو حذف کر دیا جائے تو گواہی سے متعلق مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ ہی باور کرائے گئے۔ اس مفہوم میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے کہ عورت مرد کی نصف ہے پھر بھی اس آیت کے اس پورے مضمون کے درمیان اس جملہ کا اضافہ کوئی اہم مقصد ضرور رکھتا ہے۔ قرآن صاف طور پر حکم دے رہا ہے کہ گواہ ان لوگوں کو بناؤ جن پر تمہیں اعتماد ہے اور بھروسہ ہو، جو ایماندار اور سچے ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے ایک مکر جائے یا یہ کہہ دے کہ مجھے تو یاد نہیں ایسی صورت میں اسے دوسرا مرد یا عورت یاد دلائیں گے۔ اس حکم کے ساتھ دوسرے حکم کا گہرا تعلق ہے یعنی اگر دو معتبر مرد نہ مل سکیں صرف ایک ہی پسندیدہ معتبر شخص ہو تو دو قابل اعتماد عورتوں کو گواہ بنایا جائے اور ان کے ساتھ اپنے ایک پسندیدہ قابل اعتماد مرد کو شامل کر لیا جائے۔ یہاں اس ایک مرد کے بہت زیادہ پر اعتماد ہونے کے سبب یہ گنجائش رکھی گئی ہے کیونکہ اعتماد ضروری شرط ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ کہ ایک مرد کی کمی کو دو عورتوں کی شرکت سے پورا کیا گیا ہے گواہ صرف دو ہی نہیں تین چار اور اس سے زیادہ ہو سکتے ہیں۔ البتہ دو سے کم نہیں ہو سکتے۔ ایک مرد یا عورت خواہ کتنے ہی معتبر و ایماندار اور سچے ہوں وہ تنہا گواہی کی شرط پوری نہیں کر سکتے ہاں اس کو دوسرے گواہوں میں خواہ وہ مرد ہوں یا عورت شامل کیا جا سکتا ہے۔''(44)

اس نقطۂ نظر کی وضاحت اور ثبوت کے لئے قرضے کے حوالے سے عہد جاھلیت کی دستاویز جس میں آنحضرت ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کی جانب سے بطور قرض دی گئی رقم کا اظہار ہوتا ہے ''اس تحریر کا ذکر ابن

الندیم نے الفہرست میں کیا ہے جو اس نے چشم خود دیکھی ہے یہ اسے مامون رشید کے کتب خانہ سے ملی تھی۔''

(45)

اس سلسلے میں ابن الندیم تحریر کرتا ہے۔

''میں نے مامون الرشید کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی جو عبدالمطلب بن ھاشم کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی تھی۔اس تحریر کے الفاظ یہ تھے۔

حق عبد المطلب بن هاشم من اهل مكه، علیٰ فاں بن فلاں الحمیری من و زل فنعا۔ علیہ الف در هم فضه کیلاً بالحدیدة۔ و متی دعاه بها اجابه، مشهد الله و المكان ''

(46)

ترجمہ۔(عبدالمطلب بن ھاشم ساکن مکہ کا قرضہ فلاں حمیری پر ہے جو صنعا کا باشندہ ہے۔یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں جب طلب کئے جائیں گے وہ ادا کرے گا۔خدا اور دو فرشتے اس کے گواہ ہیں)

اس دستاویز پر تبصرہ کرتے ہوئے سرکار زینی جار چوی تحریر کرتے ہیں۔

''ھمارا مقصود دستاویز کے مضمون کی طرف توجہ دلانا نہیں ہے بلکہ اس گواہی سے بحث کرنا ہے جو اس دستاویز میں موجود ہے اس تحریر میں اللہ اور فرشتوں کو گواہ ٹھہرایا گیا ہے اس زمانہ میں سولہ سو قبل مسیح تک نہ صرف ایسی ذات جو نظر نہ آئے بلکہ بے جان اشیاء مثلاً درخت اور پتھر کو بھی گواہ بنایا جاتا تھا لیکن ہم یہاں اس طویل بحث میں پڑنا نہیں چاہتے۔اس صورتحال سے چند باتوں کا واضح باتوں کا واضح طور پر اثبات ہوتا ہے۔مثلاً نمبر ایک یہ ہے کہ جب یا جہاں یہ دستاویز معرض تحریر میں آئی کوئی مرد یا قابل اعتماد مرد موجود نہ تھا اور ایسے موقعوں پر اللہ اور فرشتوں کو گواہ بنایا جاتا ہے۔نمبر دو یہ کہ گواہ بنانا ضروری تھا اور گواہوں کی تعداد کم سے کم دو تھی۔نمبر تین یہ کہ مرد کے ساتھ عورت کی شہادت کا جواز موجود تھا۔لیکن عرب اس کے باوجود عورت کو اہمیت نہیں دیتے تھے،عرب فرشتوں کو مونث اور خدا کی بیٹیاں تصور کرتے تھے۔نمبر چار یہ کہ واحد گواہ کافی نہیں سمجھا جاتا تھا،اللہ دو نہیں ہو سکتے تھے۔اس لئے دو فرشتوں کو گواہ ٹھہرا کر عدد پورا کیا گیا۔اللہ تعالی کی ذات واحد سب کے لئے معتبر، قابل اعتماد اور صادق و مصدق تھی اس لئے اسے بھی شامل رکھا گیا۔ورنہ ایک اللہ اور ایک فرشتہ کیا بطور گواہ کافی نہ

تھے؟ لہذا یہ کہنا کہ ایک مرد کی کمی کو دو عورتیں ہی پورا کر سکتی ہیں یا یہ کہ دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں قطعی غلط ہے اور آیت کے اس جملہ سے کہ ''اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں'' یہ مطلب اخذ کرنا کہ ایک مرد گواہ کا بدل دو گواہ عورتیں ہونگی کفر کے تراف میں آئے گا اور اسکا مطلب یہ ہوگا کہ (معاذ اللہ) ایک اللہ کا بدل دو فرشتے ہو سکتے ہیں۔

علماء پر غور کرنے کی بجائے مسائل کا انبار لگا دیا اور ''تنہا عورت کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ شہادت کا نصاب کیا ہو۔ یعنی شہادت کیلئے عورتوں کی تعداد کیا ہو؟ عورت یعنی دین کے سواء معاملات میں گواہی دے سکتی ہیں یا نہیں؟ عورت کے ساتھ مرد گواہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ یوں اصل مسئلہ کا حل باقی رہا اور مرد علماء نے اپنا مقصد پالیا۔'' (47)

خواتین کی شہادت اور عقل کا ضعف:

''عقل ایک جسمانی قوت ہے اور اس کا تمام تر دارومدار انسان کے حواس خمسہ پر ہوتا ہے کہ انسان کسی مسئلہ کے بارے میں حقائق حواس خمسہ کی مدد سے حاصل کرتا ہے پھر اس کا تجزیہ اس کی عقل کرتی ہے۔ ویسے تو عقل ناپنے کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں لیکن چونکہ اس وقت ہمیں اس مسئلہ کو ادائے شہادت کے تناظر میں دیکھنا ہے لہٰذا ہم اس کو ایک انسانی صلاحیت یا قوت کے اعتبار سے ہی دیکھیں گے۔ جسمانی صلاحیتوں کی کمی بیشی سے متعلق اصول ہے کہ بات قوت باصرہ کے حوالے سے ہو رہی ہے تو سب سے اچھی شہادت اس شخص کی ہوگی جس کی نظر بالکل درست ہوگی جو اندھا ہوگا وہ ادائے شہادت سے محروم رہیگا یوں بات کچھ ایسے بنتی ہے کہ اگر کوئی گواہ عدالت میں ایسا آجاتا ہے جس کی نظر کمزور تو ضرور ہے لیکن وہ بالکل اندھا نہیں ہے تو پھر یہ فرض قاضی کا ہے کہ وہ اس کی شہادت حالات وواقعات کو سننے کے بعد حقیقت کو ڈھونڈے۔ قاضی کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو شہادت دینے سے منع کر دے جس کی نظر کمزور ہو۔ نہ قاضی یہ کر سکتا ہے کہ دو کمزور نظر رکھنے والے گواہوں کی شہادت ملا کر ایک صحیح نظر رکھنے والے شخص کی شہادت کے مساوی شہادت بنا دے کیونکہ اگر دونوں کی نظر مساوی طور پر کمزور ہے تو پھر جو بات ایک گواہ کے لئے دیکھنا مشکل ہے وہ ہی دوسرے گواہ کے لئے بھی دیکھنا مشکل ہوگی۔

یہ ہی حال دوسری جسمانی صلاحیتوں کا ہے کہ اگر کوئی شخص قوت سماعت کچھ کم رکھتا ہے تو کوئی بھی دوسرا ایسا شخص جس کی قوت سماعت میں اتنا ہی نقص ہو وہ اس کے ساتھ مل کر پوری سماعت رکھنے والے شخص کے مساوی نہیں سن سکتے لہٰذا قاضی کم سماعت رکھنے والے شخص کو ادائے شہادت سے منع کرنے کا حق تو نہیں رکھتا لیکن وہ یہ ضرور کرے گا کہ گواہ کی قوت سماعت اور مقدمات کے واقعات کو دیکھ کر مقدمہ کا فیصلہ کرے۔

بالکل یہی بات عقل کی بھی ہے کہ عقل ایک جسمانی صلاحیت ہے جو کہ انسانوں میں کم اور زیادہ ہوتی ہے یعنی تمام مردوں کی عقل مساوی نہیں ہوتی اور تمام عورتوں کی عقل مساوی نہیں ہوتی۔ ادائے شہادت کے حوالہ سے صرف وہ انسان (مرد و عورت) ادائے شہادت کا حق نہیں رکھتا جو کہ ادائے شہادت کے وقت بالکل پاگل ہو یعنی عقل نہ رکھتا ہو۔ اس کے علاوہ تمام وہ انسان جو کہ پاگل نہیں ہیں ہو ادائے شہادت کا حق رکھتے ہیں۔ یہاں پر پھر وہ بات دھرا دی جائے تو بہتر ہوگا کہ دو احمق مل کر ایک عقل مند شخص کے برابر گواہی نہیں دے سکتے قاضی کوئی حق نہیں ہے کہ وہ کم عقل کو ادائے شہادت کے حق سے محروم کر دے یوں اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ عورت بحیثیت ایک جنس و نوع کم عقل ہوتی ہے تب بھی ہم اس کے ادائے شہادت کے حق کو اس سے نہیں چھین سکتے۔ اب اگر یہ بات بالفرض مان لی جائے کہ عورت کی عقل من حیث الجنس مرد کے مقابلہ میں نصف ہوتی ہے تب ہی اس کو کسی مقدمہ میں محض اسی بنیاد پر ادائے شہادت سے منع کر رکھنا کسی لحاظ سے بھی قرین انصاف اور درست بات نظر نہیں آتی۔ ہاں اس کی ایک ہی صورت ہو سکتی تھی کہ ہم عورت کی عقل کو تحمل شہادت کا اہل ہی نہ سمجھیں ہم عورت کو اس قابل ہی نہ سمجھیں کہ وہ تحمل شہادت کی صلاحیت رکھتی ہے جب تو ہم اس کا اداء شہادت کا حق ختم کر سکتے ہیں لیکن یہ بات بھی ہم کو نظر نہیں آتی۔ تمام فقہاء عورت کے حق ادائے شہادت کو تسلیم کرتے ہیں۔ صرف اختلاف یہ ہے کہ متقدمین کی رائے میں جہاں ایک مرد گواہ درکار ہے وہاں دو عورتوں کی گواہی ہونی چاہئے۔ کیا ہر مقدمہ مے ایک مرد کی گواہی دو عورتوں کی گواہی کے برابر ہے۔" (48) "بعض علماء نے عورتوں کے ضلال اور نسیان میں پڑنے کی وجہ یہ بتائی کہ وہ ناقصات عقل و دین ہیں، جبکہ بعض دیگر حضرات اس کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ عورتوں کے مزاج میں رطوبت زیادہ ہوتی ہے۔ الاستاذ الامام (شیخ محمد عبدہ) فرماتے ہیں کہ مفسرین نے اس معاملے میں جو بحث کی ہے اس کا سبب عورتوں کا مزاج بتایا ہے اور کہا ہے کہ عورتوں کے مزاج کو سردی لاحق

ہوتی ہے اور ان پر نسیان غالب آ جاتا ہے لیکن (استاد کہتے ہیں) کہ یہ چیز غیر محقق ہے اور اس کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ عورت کی یہ عادت نہیں ہے کہ وہ مالی معاملات میں مشغول ہو اور اس قسم کے لین دین سے اس کا زیادہ واسطہ نہیں پڑتا اسلئے ان معاملات میں اس کی یاداشت کمزور ہوتی ہے۔ جبکہ گھریلو معاملات جو اس کی اصلی مصروفیت ہیں، ان میں ایسا نہیں ہوتا اور ان معاملات میں اس کی یاداشت مرد سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے، یعنی انسانی طبیعت میں یہ بات داخل ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، کہ اس کی یاداشت ان امور کے بارے میں زیادہ مضبوط ہوتی ہے، جن سے اس کا تعلق ہوتا ہے اور جن میں وہ مصروف رہتا ہو اور اس عمومی قاعدے کو اس حقیقت سے نہیں بدلا جا سکتا کہ اس زمانہ میں بعض غیر ملکی خواتین مالی معاملات میں حصہ لینے لگی ہیں کیونکہ ایسا کم ہوتا ہے اور یہ قابل اعتبار نہیں اس لئے کہ عمومی احکام کا تعین اشیاء میں کثرت کے طریقہ پر ہوتا ہے اور اس طریقہ پر جو اشیاء میں اصل ہو، نہ کہ بعض نادر الوقوع استثناء کی بنیاد پر۔''(49)

ایک طرف تو یہ نظریہ ہے کہ عورت ناقص العقل ہے اور اسی وجہ سے اس کے اندر نسیان کا مرض ہے اور وہ گواہی کے لئے اس درجہ قابل اعتماد نہیں ہے جس طرح مرد حضرات ہیں۔ اور دوسری طرف عصر حاضر میں محققین نے تحقیق اس انداز میں بھی کی ہے کہ مادہ کا وجود نر سے بہتر و برتر ہے۔ اس حوالے سے سماجی تقاضوں اور تاریخی حالات کو بنیاد بنایا گیا ہے اور اس حوالے سے مغربی مفکرین کی تحقیق یہ بھی ہے کہ عورت فطری طور پر بالا دست ہے اور اپنی ذات کی تکمیل کے حوالے سے مردوں کے مقابلے میں زیادہ مکمل ہے۔ اور یہ دراصل عورت کو کمزور و ناتواں اور صنف نازک بنانے والا وہ دور ہے جب پدری نظام کا معاشرے میں غلبہ قائم ہو گیا۔ تو تحقیق کرنے والوں نے عورت کو موجودہ حالات کو موجودہ حیثیت کے ساتھ جوڑتے ہوئے اس کو ازلی اعتبار سے کم عقل اور گنہ گار اور کم تر قرار دے کر اس کے لئے ایک مکمل ضابطہ ترتیب دے دیا۔ اور یہ ضابطہ اس کا مقدر قرار دیا گیا۔ مغربی مفکرین کی یہ تحقیق کہ عورت مرد کے مقابلے میں زیادہ مکمل بہتر ہے۔ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ ہوں۔

''دور جدید میں طبی، سائنسی، نفسیاتی اور سماجی طور پر مطالعہ و تحقیق سے عورت اور مرد کے درمیان بہت سے ایسے اختلاف دریافت ہوئے ہیں جو زمانہ قدیم میں قطعاً ممکن نہ تھے۔ مرد و عورت میں بلوغت کے وقت میں فرق کا علم اسی دور میں ہوا اور یہ بھی کہ فطرت نے قانون ضرورت کے تحت اس میں تناسب کو بھی برقرار رکھا ہے۔ مرد

میں تجربات کی زیادتی اور عورت میں جذبات کی فراوانی کی دریافت بھی اسی دور میں ہوئی ۔اسی کے ساتھ اس کے اسباب کا علم بھی ہوا یعنی اگر مرد وعورت کی سماجی حالت کو برعکس کردیا جائے تو مرد جذباتی اور عورت تجرباتی ہو سکتی ہے اور یوں دونوں برابر ہو جاتی ہیں ۔اس دور کے مخلص غیر جانبدار اور غیر مذہبی محققین نے اپنی تحقیق مطالعہ اور تجربات سے مدلل طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ درحقیقت عورت (مادہ) برتر ہے اور مرد (نر) کمتر جنس ہے ۔مغربی مفکرین نے حال ہی میں مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مرد ایک ناقص، کم درجہ اور حاجز جنس ہے ۔جبکہ اس کے مقابلے میں عورت مکمل، بلند درجہ اور بالا دست جنس کی حیثیت رکھتی ہے ۔''ایشلے مونٹیگو'' نے اپنی کتاب ''عورت کی فطری بالادستی The natural superiorty of woman میں بڑی تفصیل اور مدلل بحث سے ثابت کیا ہے کہ عورت مرد کے مقابلہ میں بہت زیادہ مکمل ہے ۔اسی نے عورت اور مرد کی زندگی اور تخلیق کے ہر فطری ،نفسیاتی ،سماجی ،ظاہری اور باطنی پہلو پر بڑی مفصل ومدلل گفتگو کی ہے ۔'' (50)

اسلام نے گواہی کے حوالے سے خواتین کے لئے گواہی دیتے وقت جو سہولت دی ہے کہ دو عورتیں ہوں اور ایک اگر بھولے تو دوسری اس کو یاد کروا دے ۔یہ تصور اس نظریے کی پیداوار نہیں ہے کہ عورت ضعف عقل میں مبتلا ہے یا وہ مرض نسیان کی حامل ہے ۔یا وہ دماغی کمزوری کا شکار ہے اس لئے اللہ تعالی نے حکم دیا ہے کہ گواہی دیتے وقت دو عورتیں ہوں اگر ایک اپنے صنف عقل کی وجہ سے بھول جائے تو دوسری اس کی جگہ گواہی دے ۔بلکہ یہ ایک ایسی سہولت ہے جو عورت کو صرف مالی معاملات میں دی گئی ہے ۔اور اس کا تعلق بھی عصری ضرورت اور تقاضے سے تھا یہ اصول نہیں بنایا جا سکتا کہ ہر دور میں عورت کو ایسی سہولت درکار ہوگی ۔اور نہ ہی سا قرآنی حکم کا یہ مطلب ہے کہ آئندہ کے لئے عورت کی گواہی آدھی تصور کی جائے اور اس کے مقابلے میں مرد کی گواہی کو مکمل قرار دیا جائے یعنی یہ حکم مردوں اور عورتوں میں امتیاز قائم کرنے کے لئے نہیں تھا ۔عورت گواہی کے دوران دوسری عورت سے مدد لیتی ہے تو اس سے اس کی عقلی صلاحیتیں مشکوک نہیں ہو جاتیں ۔اور اس کی گواہی پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس سلسلے میں ذیل کی بحث ملاحظہ فرمائیں ۔

''عقل کا حال بھی انسان کی دیگر جسمانی صلاحیتوں سے مختلف نہیں ہے کہ اگر ادائے شہادت کے وقت کوئی گواہ اصل واقعہ کا کوئی حصہ یا کوئی جز ویا کوئی بات بھول جاتا ہے تو اس کا تدارک تو ضرور ہونا چاہئے کیونکہ گواہ

کے بھول جانے کی وجہ سے حق دار کا حق مارا جانا درست نہیں۔اور عدالت میں صحیح صحیح گواہی دینا، ایک ذمہ داری بلکہ فریضہ ہے لہذا اگر ایک گواہ، گواہی دیتے وقت کچھ بھول جاتا ہے تو اس بات کا مداوا صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ دوسرا گواہ اس کو یاد کرادے لیکن اس کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ضروری ہیں۔

۱۔ یہ کہ دونوں گواہ بالکل مساوی نوعیت کے ہوں یعنی دونوں گواہوں نے اس امر کو جس کے بارے میں وہ گواہی دے رہے ہیں بالکل ایک طریقہ اور ایک انداز میں دیکھا ہو۔

۲۔ دونوں گواھوں کے مساوی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں بیک وقت کسی واقعہ کے برضاء ورغبت یعنی مرضی سے گواہ بنے ہوں۔

۳۔ مرضی سے گواہ بننے سے مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان دونوں گواہ بنا رہا ہے وہ بھی راضی ہو اور جو گواہ بن رہے ہیں وہ بھی راضی ہوں بصورت دیگر گواہان واقعہ کی روح کو سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔

۴۔ یہ کہ مشہود بہ (یعنی وہ واقعہ جس کے متعلق گواہی دی جارہی ہے) کسی بھی لحاظ سے حادثاتی نہ ہو کیونکہ حادثاتی واقعہ میں گواہوں کے مساوی حیثیت ختم ہو جائے گی اور دونوں گواہ واقعہ کو اپنی اپنی نگاہ سے دیکھیں اور سمجھیں گے۔

یہ مذکورہ بالا شرائط پوری ہونگی تب ہی یہ بات ممکن ہے کہ ایک گواہ کے نسیان یا بھول کو دور کرنے کے لئے دوسرا گواہ مدد کرے۔اللہ تعالی کا یہ ایک بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے گواہی میں عقل کی لغزش کو دور کرنے کے اسباب مہیا کر دیئے۔

یہاں یہ امر ملحوظ رہنا چاہئے کہ جب اس قسم کے دو بالکل مساوی گواہ عدالت میں گواہی دے رہے ہوں تو اس میں سے کوئی اصل بیان دے رہا ہوگا اور دوسرا صرف اس کی امداد کے لئے موجود ہوگا اگر ضرورت پڑے تو وہ یاددھانی کرادے۔اور یہ طرہ امتیاز اسلام کا ہی ہے کہ اس نے یہ خصوصی رعایت صرف اور صرف عورتوں کے لئے مختص کر دی ہے مردوں کو یہ خصوصی رعایت حاصل نہیں۔" (51)

اس طرح یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے گواہی کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے عورت کو یہ خصوصی رعایت دی ہے کہ وہ ایک دوسری عورت کو بھی ساتھ رکھ سکتی ہے،اور یہ صرف مالی معاملات کی حد تک ہے۔باقی معاملات میں

اس کی ضرورت نہیں، اور مالی معاملات بھی گذشتہ زمانے میں ایسے تھے جن میں عورتیں شریک نہ ہوتی تھیں آج کے زمانے میں اس کی بھی ضرورت نہیں رہی۔

''قرآن وسنت میں کہیں پر یہ مذکور نہیں ہے کہ کسی شخص کو ادائے شہادت سے اس کی جنس یا عدد کی بناء پر روکا جائے یعنی اسلامی نظام عدل میں ہر شخص کو مکمل اور مساوی حق اداء شہادت حاصل ہے۔ بالفاظ دیگر قاضی کو قرآن نے یہ اختیار نہیں دیا ہے کہ وہ کسی بھی شخص کو جو کہ شہادت دینا چاہتا ہو اس کو شہادت دینے سے اس کی جنس یا نسل کی وجہ سے منع کردے۔

یعنی کسی عورت کو اداء شہادت سے محض اس وجہ سے شرعاً و قانوناً نہیں روکا جاسکتا کہ وہ اکیلی ہے اور اس کے ساتھ دوسری نہیں ہے۔ قرآن نے جہاں پر یہ فرمایا ہے کہ تم اپنی مرضی کے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ کرلیا کرو، وہاں پر بھی یہ نہیں فرمایا گیا کہ یہ امر لازمی ہے یا واجب اور فرض ہے بلکہ ایسا کرلینا اچھا ہے اصول فقہ کی رُو سے یہاں پر امر کا صیغہ وجوب کے لئے نہیں بلکہ ارشاد کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔'' (52)

مختلف سماجی امور اور واقعات کے حوالے سے خواتین کی شہادت کو فقہ اسلامی میں قبول کیا گیا ہے۔ قتل کے حوالے دیت کے معاملے میں عورت کی گواہی ایسی صورت حال میں قبول کی جاتی ہے۔ مثلاً ''عورتوں کا مخصوص حمام ہے جہاں مردوں کو جانے کی اجازت نہیں وہاں کسی عورت نے دوسری عورت کو قتل کردیا۔ یا کوئی مرد گواہ نہیں صرف عورتیں موجود ہیں، عورتوں نے گواہی دی کہ فلاں عورت کو قتل کیا ہے تو یہ گواہی اثبات دیت کے حق میں قبول کی جائے گی اور مقتول کے ورثاء کو دیت دلائی جائے گی البتہ اس شہادت کی بناء پر قصاص نہیں ہوگا۔ یہ جذئیہ کتب فقہ میں منقول ہے کیونکہ اس زمانہ میں عورتوں اور مردوں کے علیحدہ علیحدہ حماموں کا رواج تھا۔ اس جزئیہ کا اطلاق ان تمام صورتوں میں کیا جاسکتا ہے جہاں واقعہ قتل کے وقت صرف عورتیں ہی موجود ہوں اس طرح جرائم مستوجب حد کے ارتکاب کے وقت اگر صرف عورتیں ہی موجود ہوں تو ایسی صورت میں عورتوں کی گواہی سے اگرچہ حد جاری نہیں ہوسکتی لیکن مجرم کو تعزیر دی جاسکتی ہے جس کی تعین کا حق قاضی کو حاصل ہے بعض صورتوں میں تعزیر سزائے موت تک دی جاسکتی ہے۔'' (53)

عورت کی گواہی سے حد جاری نہ ہونا بھی عورت کی گواہی کے حوالے سے ایک کمزور پہلو ہے۔ اس حوالے سے

گذشتہ دور قدیم کے فقہا نے یہ رائے پیش کی ہے کہ عورت زنا کے معاملے میں گواہی نہیں دے سکتی اور اسی طرح اس کی گواہی سے حد جاری نہیں ہو سکتی۔ دراصل اس نقطۂ نظر میں بھی وہی عصری تقاضے کارفرما ہیں، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں کہ عورت کی گواہی قابل اعتماد نہیں لہٰذا ضروری ہے کہ عصر حاضر میں اس قسم کی بندشوں سے عورت کی شہادت کو آزاد کروایا جائے۔ کیونکہ جب یہ طے ہے کہ اگر عورت شرائط گواہی پر پورا اترتی ہے تو اس کی گواہی ہر معاملے میں قبول ہونی چاہئے۔ یہ معنی بر انصاف نہیں ہے کہ عورت کی کچھ معاملے میں گواہی کو قبول کیا اور کچھ میں رد کر دیا جائے۔

عام زندگی کے معاملات میں عورت کی گواہی کو اسلام میں قبول کیا گیا ہے۔ مثلاً ''بعض امور و معاملات میں مرد اور عورت دونوں کی شہادت عملاً درست اور معتبر تسلیم کی گئی ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے ایسے امور و معاملات سے مراد وہ مالی و معاشی قسم کے معاملات ہیں جن میں ادھار، لین دین اور ایک فریق کا دوسرے کے ذمے مالی حق لازم ہوتا ہے جو کچھ وقت کے بعد ادا کرنا پڑتا ہے تحفظ حق کے لئے دستاویز لکھی جاتی اور گواہ مقرر کئے جاتے ہیں تا کہ بوقت ضرورت کام آئے اور سند رہے۔''
(54)

اور اسی طرح دیگر امور کے حوالے سے ''اکثر قاضی اس بات پر متفق ہیں کہ ہلال یعنی پہلی رات کا چاند دیکھنے کی ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ تصور کریں کہ اسلام کے ایک رکن یعنی روزے کے لئے ایک خاتون کی شہادت کافی ہے اور مرد و زن کی بنیادی مسلم برادری اس کی شہادت قبول کرتی ہے بعض فقہا نے رمضان کے آغاز کے لئے ایک گواہی اور رمضان کے اختتام کے لئے دو شہادتوں کا تقاضہ کیا ہے لیکن اس میں مرد و عورت کی کوئی تخصیص قائم نہیں کی۔ بعض معاملات میں صرف عورت کی گواہی لی جاتی ہے جبکہ مرد کی گواہی قبول نہیں کی جا سکتی ہے مثلاً کسی عورت کو آخری غسل دیتے وقت عورت کے مسائل سے متعلق عورت کی شہادت ہی لی جاتی ہے۔ مالی معاملات میں مرد و عورت کی شہادت میں بظاہر نظر آنے والی عدم مساوات اسلام میں عدم صنفی مساوات کا باعث نہیں ہے۔ یہ محض مرد اور عورت کی فطرت اور کردار کے اختلاف کی وجہ سے ہے جس کا اسلام لحاظ رکھتا ہے۔'' (55)

بہر حال فقہاء کا یہ فیصلہ کہ ''عورت قاضی بن کر ہر معاملہ کی سماعت اور فیصلہ کر سکتی ہے بجز حدود اور قصاص کے

مقدمات کے کہ ان کی سماعت خاتون جج نہیں کرسکتی جس طرح اس کی شہادت حدود وقصاص میں درست نہیں اسی طرح اس کا فیصلہ بھی درست نہیں۔'' (56)

ایک ایسا تصور جس کو عصری تقاضوں کے حوالے سے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے، اور اس پر عصری تناظر میں نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔

نتیجہ بحث:

انفرادی اور اجتماعی معاملات کے حوالے سے خواتین کی شہادت کے حوالے سے بحث پیش کی گئی اور اس حوالے سے مختلف مکاتب فکر کی آراء اور عصر حاضر کے حوالے سے تجزیہ کیا گیا۔ اس تمام تر بحث کا یہ خلاصہ سامنے آیا کہ گواہی کے حوالے سے ایک ضروری نقطہ یہ مدنظر رہے کہ

''کسی معاملے میں گواہ بننا اور قاضی کے سامنے گواہی دینا، معاشرتی فرائض میں سے ایک فریضہ ہے جس سے مقصود افراد کے حقوق کا تحفظ اور عدل کا قیام ہے اور اس اجتماعی فریضے کا درجہ شرعاً فرض کفایہ کا سا ہے جب معاشرے کے بعض افراد سا کو ادا کر دیں تو سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے شہادت کی اھلیت رکھنے والے ہر ہر فرد پر عملاً اس فریضے کی ادائیگی لازم اور واجب نہیں ہوتی بلکہ بعض کی ادائیگی سے تمام کی طرف سے ادائیگی ہو جاتی ہے اور اگر کوئی بھی یہ فریضہ ادا نہ کرے تو سب گنہ گار قرار پاتے ہیں۔'' (57)

اس تناظر میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے بھی یہی اصول مدنظر رہنا چاہئے کہ یہ کوئی واجب عمل نہیں ہے ، لیکن اگر گواہی کی ضرورت پیش آجاتی ہے تو پھر اس کی ادائیگی کرنی چاہئے اب رہ گیا مسئلہ عورت کی گواہی کا تو اس حوالے سے مختلف ائمہ فقہاء میں تضادات و اختلافات موجود ہیں۔ انفرادی معاملات مثلاً عورتوں کے مخصوص معاملات ، بچہ کی ولادت ، رضاعت وغیرہ اور اجتماعی معاملات مثلاً بڑے کاروباری امور، مالی تجارتی معاملات، حکومتی معاملات اور زنا، قتل چوری اور دیگر تمام سماجی معاملات کے حوالے سے خواتین کی شہادت کا نچوڑ یہ سامنے آیا کہ

عورت کو بعض فقہاء ناقص العقل سمجھ کر گواہی کے معاملات میں اسے ایک مخصوص دائرے تک محدود کر دیتے ہیں۔

☆ اجتماعی معاملات سے ان کو دور رکھ کر ان کی گواہی کو قابل قبول نہیں سمجھا جاتا۔

☆ مسلمان فقہاء کی آراء سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عورت گواہی کی اھلیت رکھتی ہے لیکن چند مخصوص معاملات میں۔

☆ لہذا درج بالا فکر پر استوار ایسے قوانین اور رواجات معاشرے میں موجود ہیں جن کی روشنی میں عورت کی گواہی کو چند مخصوص معاملات تک محدود کر دیا گیا ہے۔

حالانکہ بعض جدید مفکرین نے ان تصورات کو رد کیا ہے اور یہ تصور دیا ہے کہ عورت زندگی کے ہر شعبے کے معاملات کے بارے میں گواہی دینے کی اھل ہے جس طرح مرد اھل ہے۔ اگر مرد شرائط گواہی پر پورا نہیں اترتا تو وہ بھی نا اھل قرار دیا جا سکتا ہے اور اسی طرح عورت کے ساتھ بھی یہی ہے کہ وہ اگر شرائط گواہی پر پوری نہیں اترتی تو اسے بھی نا اھل قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ تصور کہ عورت ہونے کے ناطے وہ آدھی حیثیت کی حامل ہے یہ تصور غلط تصور ہے اور اس کا مقصد خواتین کی حیثیت کو نا قبل اعتبار قرار دینا ہے یعنی آپ کسی شخصیت کو اچھا بھی کہیں اور ساتھ یہ بھی کہیں کہ وہ ان ان معاملات میں نا اھل ہے اور نا اھلی کا سبب ایسا بیان کریں کہ اس کی سماجی زندگی کا ہر حق اس تصور سے متاثر ہو جائے۔ یہی طریقہ خواتین کے معاملات میں بھی روا رکھا گیا۔ یہ تو کہا گیا کہ عورت کو بڑا مقام دیا گیا لیکن سوال یہ ہے کہ اس بڑے مقام کی بڑائی مرد کے مقابلے میں کتنی ہے۔ مرد کے مقابلے میں تو اسے دوسری جنس قرار دے کر، ضعف عقل اور نسیان کا مرض کا فتوی لگا کر اس کو ایسی کم تر ی کی جیل میں مقید کر دیا ہے وہ چاہے بھی تو اس سے آزاد نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے لئے دلائل قرآن وسنت سے لائے جاتے ہیں۔

عملی طور پر معاشرے کی کیفیت یہ ہے کہ عورت کی گواہی کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے ملکی قانون میں اس کی گواہی کو آدھا اور حدود، قتل میں اس کو نا قابل قبول قرار دیا ہوا ہے۔ لہذ یہ مسئلہ حل طلب ہے اور اس سلسلے میں نئے انداز سے سوچنے اور قوانین کی تدوین کی ضرورت ہے۔ اور ذہنوں کو روایتی مردانہ حاکمیت کی سوچ سے آزاد کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اگر عورت کے اس حق کو تسلیم کر لیا جائے کہ وہ واقعی ہر معاملے میں گواہی کی شرائط کے مطابق گواہی دے سکتی ہے تو اس سے کون سے حقوق غصب ہونے کا یا شریعت کے کس حکم کے ٹوٹنے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ ھاں صرف یہ ہوگا کہ مردوں کے مقابلے میں عورت کی حیثیت اس سلسلے میں برابر ہو جائے گی۔ اور اس کے لئے ھمارا معاشرہ اور مردانہ ذھنیت خصوصاً مذھبی طبقہ کے لئے یہ سانحہ ہوگا۔ کیونکہ صدیوں سے

بنی ہوئی وہ روایتی ذہنیت جس کی بدولت ایسی عورتیں جو بے زبان جانوروں کی طرح مردوں کے گھروں اور خوابگاھوں کو آباد کرتی رہیں اوران کو ایسی فضاء میں پروان چڑھایا گیا کہ وہ ایک مکمل انسان کی بجائے صنف نازک بن گئی ۔ اسکے ساجی ،نفسیاتی ،سیاسی ،معاشرتی ارتقاء پر قدغن لگا دی گئی ۔نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک عورت کو فقط مرد کی خوشیوں اور تسکین کا ذریعہ سمجھا گیا جیسا کہ دیگر لوازمات زندگی ہوتے ہیں ،اب عصر حاضر کے تقاضے بدل چکے ہیں ،خواتین زندگی کے ھر سیکھ چکی ہیں یا سیکھنے کی جدوجہد میں ہیں وہ مردوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ کام کرنے کا حوصلہ اور عملی صلاحیت کی حامل ہیں ۔خلاء سے لے کر اولی سے کام تک عورتیں خدمات انجام دے رہی ہیں ۔سائنسی لیبارٹریوں میں اور صنعت کے میدان میں کاروباری دنیا میں ،علم وادب ،حتیٰ کہ فوجی زندگی میں کردار ادا کر رہی ہیں ۔اور ہمارے معاشرے اور ہماری فقہ صدیوں پہلے کی سوچ سے آگے نہ بڑھ سکے ۔ہم ابھی تک یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ عورت کی گواہی آدھی یا مکمل ہے ۔اور یہ ناقص العقل ہے یا نہیں ہے ۔اس کو مرد کے برابر سمجھا جائے یا نہیں؟

لہذا ضروری ہے کہ عصری تقاضوں کا ادراک کیا جائے اور انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی معاملات خواتین کی شہادت کو قابل اعتماد سمجھا جائے اور اس سلسلے میں نہ صرف قانون سازی کی جائے بلکہ معاشرے میں ایسی فضاء پروان چڑھائی جائے جس سے خواتین کی تعلیم وتربیت اور اجتماعی خوشحالی ،ملکی تعمیر وترقی میں ان کو حصہ دار بنانے کے مواقع پیدا ہوسکیں ۔

ایک خاتون سکالر خورشید النساء بیگم کے بقول

''یہ جو کہا جاتا ہے کہ پڑھی لکھی عورتیں برابری کا دعوی کرتی ہیں میں سمجھتی ہوں کہ وہ پڑھی لکھی عورتیں جنہوں نے مغربی تہذیب کی انتہا کو پالیا ہے اور اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں وہ اپنی توہین سمجھتی ہیں حالانکہ یہ جہادی عزت اگر انہیں اسلام کا پتہ ہو تو سمجھتی ہوں کہ کاروباری معاملہ میں ایک کی بجائے دو عورتیں گواہ ہونا بھی ہماری عزت ہے ،کاروبار کا کام ایسا ہے کہ جسے صرف مرد ہی سمجھ سکتا ہے عورتیں نہیں سمجھ سکتیں اگر چہ آج کل عورتیں یہ دعوی کرتی ہیں مگر چونکہ یہ کام ان کی طبعی افتاد سے مناسبت نہیں رکھتا ،اس لئے اللہ تعالی نے حکم دیا کہ اگر کہیں ایسا ہوجائے تو پھر ایک کی بجائے دو عورتیں ہوں یہ بھی ہماری عزت ہے ۔باقی یہ جو کمزوریاں ہیں عورت ہونے کے

ناطے سے میں خود مانتی ہوں ۔عورت گھر کی مصروفیات کے ہوتے ہوئے کچہری جا کر گواہی کیسے دے سکتی ہے جب کہ اگر وہ گھر کا کام کرتے تو چوبیں گھنٹوں میں ایک منٹ بچانا بھی محال ہے ۔اگر چہ امتحان میں عورت فرسٹ آجاتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لڑکوں سے بہت عقل مند ہوگئی ہے بلکہ اس کو تو کوئی اور کام ہی نہیں ہوتا جب کہ لڑکوں کو بہت سے باہر کے بعد گھر کے کام کرنے ہوتے ہیں فی الحقیقت اگر عورت صرف اپنے پر نظر رکھے تو یہ ماننے سے انکار نہیں کرے گی کہ یہ جو ایک مرد کی گواہی کے مقابلے میں دو عورتیں رکھی گئی ہیں اس میں عورت کا بھلا ہے میں تو کہونگی تین بھی بے کار ہیں بلکہ کہنا چاہئے کہ یہ کاروباری سلسلے میں اللہ تعالی نے ہمیں گواہی کے قابل بنا کر ہماری عزت افزائی کی ہے ۔'' (58)

فصل دوم: تاریخ اسلام میں خواتین کی شہادت کی حیثیت:

''اسلامی تصور عدالت کی فوقیت ہے کہ اس میں صدیوں پہلے یہ امتیاز قائم ہوا، کتاب وسنت میں شرعی قوانین Substansive laws کے اصول Principles وفروع Details بیان ہوئے ہیں ۔اور وہ ہر عہد اور ہر جگہ کے لئے واجب العمل ہیں خود نبی کریم ﷺ نے شرعی قوانین مختلف معاشروں کے لئے یکساں طور پر نافذ کئے ۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام معارج الوصول بان اصول الدین وفروعہ قد بینہ الرسول ہے ۔البتہ شرعی ضوابط Procedural Laws کے صرف اصول بتائے ہیں اور ان کو مئوثر بنانے کی تکنیک کا کام مسلمانوں کے لئے چھوڑا ہے اور انہیں اجازت دی ہے کہ وہ باہمی مشورے سے ان کا تعین کریں ۔حنفی فقہاء ''استحسان'' اور مالکی فقہاء ''مصالح المرسلۃ'' کے نظریوں کے تحت یہ کام سرانجام دینے کا مشورہ دیتے ہیں ۔'' (59)

اسلام جو معاشرتی زندگی کے لئے نئے اصول اور ضوابط لے کر آیا اور اس نے معاشرتی زندگی میں عدل وانصاف کی نئی جہتیں متعارف کروائیں ۔صدیوں سے انسانی معاشرے میں خواتین کا استحصال جاری تھا ۔گذشتہ مذاہب اور فلسفوں میں اس کو کوئی خاص حیثیت اور اہمیت نہیں تھی ۔اگر چہ کہ مادری نظام میں عورتوں کو حقوق حاصل تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ پدری نظام نے اپنا اثر پیدا کیا اور مرد ہی معاشرے کے جملہ شعبہ جات پر حاوی ہوتے چلے گئے ۔ پدری نظام میں مردوں کا اثر رسوخ بڑھتا چلا گیا ۔اور رفتہ رفتہ انہوں نے خواتین کو سماجی زندگی کے

اجتماعی دائرے سے نکال کر ایک مخصوص محدود دائرے میں بند کر دیا۔ اس کی رائے، شہادت اور احساسات و جذبات کی کوئی اہمیت نہ رہی۔ عدالتی نظام میں اس کی گواہی کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب کی خواتین کے بارے میں اپنی رائے محدود رکھی ہے۔ کسی نے اس کو پیدائشی گنہگار کہا کسی نے اسے شیطان کا ساتھی قرار دیا۔ کسی نے اس کو ازلی مجرم اور تزکیہ کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیتے ہوئے اس سے کنارہ کشی کا نظریہ دیا۔ کسی نے کہا کہ خدا نے اس کو سزا میں مبتلا رکھا۔ کیونکہ یہ ازلی گنہگار ہے اور اس کی سزا یہ بتائی کہ مرد اس پر حاکمیت کرے گا۔ اور یہ ہمیشہ مرد کی محکومیت میں زندہ رہے گی۔ اور مرد اس کا مجازی خدا ہوگا۔ اس کی ذات مرد سے ہے اور مرد کے وجود سے اس کا وجود ہے اور اس طرح مرد کو عورت کی ازلی اور ابدی حاکمیت عطا کر کے اس کے مقابلے میں حیثیت کو گھٹا دیا گیا۔ اور اسی تصور پر ہر دور میں قانون سازی ہوتی رہی۔ فقیہ، علماء بانیان مذاہب نے اسی تصور کو بنیاد بنایا۔

''چھٹی صدی عیسوی میں عرب مشرق وسطی میں ایک جزیرے کی طرح تھا اور یہی وہ آخری علاقہ تھا جس میں پدرسری Partilineal اور پدری Partiarchal شادی یا شادی کی واحد جائز شکل کی حیثیت میں رائج نہیں ہوتی تھی۔'' (60)

''اسلام سے پہلے کی عرب شادی کے رواجوں کی کثرت اور تنوع اور مادرسری رسموں کی موجودگی (بشمول بچوں کی ماں کے قبیلے سے وابستگی) کا لازمی مطلب یہ نہیں کہ معاشرے میں عورتیں بہت اختیار کی حامل تھیں یا معاشی ذرائع ان کی رسائی تھے۔ نہ ہی ان رواجوں کا عورت دشمنی کی عدم موجودگی سے کوئی تعلق بنتا ہے، بلکہ واضح شہادت اس کے برعکس ہے طفل کشی کا رواج بظاہر لڑکیوں تک ہی محدود تھا اور اس کے پیچھے یہ عقیدہ کارفرما تھا کہ عورتیں ناقص اور برتنے کے لائق ہیں۔ طفل کشی کے زد میں آنے والی قرآنی آئیتیں اس شرم اور ان منفی رویوں کا احاطہ کرتی ہیں جنہیں دور جاہلیت کے عرب جنس سے وابستہ کرتے تھے۔ جب ان میں سے کئی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ غم کے سبب کالا پڑ جاتا ہے اور (اس کے دل کو دیکھو) وہ اندوھناک ہو جاتا ہے اور اس خبر بد سے (جو وہ سنتا ہے) لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ (اور سوچتا ہے) کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے (سورۃ ۱۶، ۵۸، ۶۱)'' (61)

اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں خواتین آزادانہ سماجی زندگی گزارتی تھیں ۔مردوں کے ساتھ میل جول عام تھا ان کو حظ نفس کے لئے خریدا اور بیچا بھی جاتا تھا۔لونڈیوں اور کنیزوں کی تجارت بھی عام تھی ۔عورتوں کو اختیارات کی کچھ سہولتیں حاصل تھیں ۔اگر چہ کہ بعض حلقوں میں عورت کی پیدائش کو معیوب سمجھا جاتا تھا اور بعض قبائل میں تو لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کردیا جاتا تھا۔بعض محققین نے یہ لکھا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب معاشرہ مادری معاشرہ تھا۔اور عورتیں سماجی زندگی میں اثر رسوخ رکھتی تھیں اور مختلف پیشوں سے منسلک ہو کر تجارتی ،کاروباری زندگی میں بھی دخیل تھیں ۔اور کسی حد تک ان کی رائے کا بھی احترام موجود تھا اور مختلف حوالوں سے ان کو ذمہ داریاں بھی دی گئی تھیں ۔مثلاً کعبۃ اللہ کی چابیاں وغیرہ کی ذمہ داری بھی ایک عورت کے پاس تھی ، وغیرہ اس طرح عرب معاشرہ مادری معاشرہ کے عمل سے گزر رہا تھا۔لیکن ۔۔۔'' آنے والے اسلامی دور میں معاشرے کے بنیادی معاملات میں عورتوں کی شرکت کے بارے میں قبولیت مسلسل کم ہوتی گئی ۔''(62)

اور اس طرح اسلام نے ایک مادری نظام کی جگہ پدری نظام کو قائم کیا حال ہی میں منٹگمری واٹ نے اس نظریئے کو تبدیل شدہ شکل میں پیش کیا ہے ۔اس نے عرب کے کچھ حصوں میں زوجہ باسی شادی اور کثیر الشوہری سے متعلق شہادتیں جمع کی ہیں ۔ان کی بنیاد پر وہ رائے پیش کرتا ہے کہ اسلام سے پہلے کا عرب معاشرہ مادری نہیں تھا ۔بلکہ غالب طور پر مادرسری تھا ایک ایسا معاشرہ جس میں پدریت کو بہت کم یا بالکل اہمیت حاصل نہیں تھی ۔اور یہ کہ حضرت محمد ﷺ کی ولادت کے وقت وہ معاشرہ پدرسری معاشرے میں تبدیل ہونے کے عمل میں تھا اسی تبدیلی کو اسلام نے مستحکم کیا''(63)

اور اس طرح خواتین کی سماجی سرگرمیوں میں رفتہ رفتہ کمی آتی گئی ،اور وہ ایک محدود دائرے میں بند ہو کر رہ گئیں ۔ اور زندگی کے وہ تمام معمولات جو اسلامی دور سے قبل وہ اختیار کئے ہوئے تھیں ان میں کمی ہوگئی ۔مرد زندگی کے ہر شعبے پر چھانا شروع ہو گئے ۔شعبہ حرب ،شعبہ سیاست ،اور تجارت پر رفتہ رفتہ کنٹرول کرلیا۔حالانکہ شروع کے دور میں عرب میں خواتین کی باقاعدہ تجارت کے ساتھ منسلک تھیں ۔باغات کی مالک تھیں ،زندگی کے اہم امور ان کے اختیار میں ہوتے تھے اور وہ مردوں کے ساتھ باہم شریک ہو کر کام کرسکتی تھیں ۔لیکن رفتہ رفتہ پدری نظام نے اپنا دائرہ کار بڑھانا شروع کردیا۔

اسلام نے پدری نظام کے اس ارتقائی عمل میں کیا کردار ادا کیا اس کے بارے میں روشنی ڈالتے ہوئے مصر کی ایک معروف مفکر لیلیٰ احمد لکھتی ہیں۔

''تاہم کچھ اسلامی مفکروں کی یہ دلیل کہ اسلام نے طفل کشی کو ممنوع قرار دے دیا، یہ بات ثابت کرنے کے لئے تو کافی ہے کہ اسلام نے ہر لحاظ سے عورتوں کی حالت میں بہتری پیدا کی۔ لیکن یہ دلیل غلط اور سہل پسندانہ ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ عرب کی مختلف آبادیوں میں عورتوں کی صورتحال مختلف رہی، مزید برآں اگرچہ دورِ جاھلیت کی شادی کی رسموں کا لازمی مطلب یہ نہیں کہ عورتوں کو بہت زیادہ اختیار حاصل تھا یا عورت دشمنی موجود نہیں تھی لیکن ان سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کے تحت ملنے والی آزادی کی نسبت اس وقت عورتوں کو بہت زیادہ جنسی خودمختاری میسر تھی۔ ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عورتیں بہت سے اجتماعی معاملات، بشمول جنگ اور مذہب میں سرگرمی کے ساتھ شریک ہوتی تھیں۔ وہ رہنما کے کردار کی حامل بھی ہوتی تھیں اسلام اور اس کے پدرسری، شادی کے واحد جائز ادارے کے قیام کے ساتھ ان کی خودمختاری اور شراکت کم ہوتی گئی۔'' (64)

موصوفہ اسلامی معاشرہ میں سماجی زندگی کی تبدیلیوں کے حوالے سے روشنی ڈالتے ہوئے مزید رقم طراز ہیں۔

''اسلام نے عورتوں کی حیثیت اور ان کی اولاد پر عورت اور اس کے قبیلے کے حقوق مردوں کو منتقل کر دیئے۔ اور شادی (کے نئے ادارے) کی بنیاد مردانہ ملکیتی حق کو قرار دیا۔ یوں اسلام نے مرد وزن کے تعلقات کو ایک نئی نہج پر لا کھڑا کیا۔ اس نئے نظام کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ مردوں کو عورتوں پر اور دوسرے مردوں سے ان کے میل جول پر پابندی لگانے کا اختیار حاصل ہے۔ اس طرح نئی پابندیوں کے لئے زمین ہموار کی گئی، عورتوں کو ان سماجی سرگرمیوں سے خارج کر دیا گیا جن کے ذریعے ان میل جول دوسرے ایسے مردوں سے ہو سکتا تھا جو ان کی جنسیت پر حق نہیں رکھتے تھے ان کی مکمل خانہ نشینی جلد ہی قاعدہ بن گئی، جیسے یہ ترییت کہ عورت کا فرض اطاعت اور فرمان برداری ہے۔ اس طرح ایک نئے معاشرے کے قیام کے لئے زمین ہموار ہو گئی پرانے معاشرے میں عورتیں سماجی معاملات میں سرگرم کردار ادا کرتی تھیں، نئے عرب معاشرے میں عورت کا مقام محدود ہو گیا (65)''

☆ موصوفہ نے اس کیفیت کا شعوری نظریئے سے تجزیہ کیا ہے کہ مادری نظام کے زوال کے بعد پدری نظام

نے اس معاشرے پر کیسے ڈیرے ڈالنا شروع کئے اور پھر اسلام نے اس عمل کو کس قدر مضبوط اور مستحکم کیا، اگر چہ کہ ابتدائے اسلام میں عورتیں بالکل سماجی زندگی سے کنارہ کش نہیں ہوئی تھیں بلکہ ان کو کچھ نہ کچھ آزادیاں حاصل تھیں۔موصوفہ ابتدائے اسلام نے عورتوں کی آزادی اور حیثیت کے بارے میں بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔

''ابتدائی مسلم معاشرے کی عورتوں کے بارے میں ملنے والی شہادت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ معاشرتی معاملات میں خصوصیت کے ساتھ حصہ لیتی تھیں اور ان سے اس بات کی توقع بھی کی جاتی تھی۔ان معاملات میں مذہب اور جنگ دونوں شامل تھے۔ابتدائی مسلم معاشرے کی عورتیں نماز مسجد میں پڑھتی تھیں تہواروں کے دنوں میں مذہبی عبادتوں میں شریک ہوتی تھیں اور حضرت محمد ﷺ کے خطبات سنا کرتی تھیں۔دوسرے معاملات کی طرح مذہبی معاملات میں بھی وہ غیر متحرک اور نو آموز پیروکار نہیں بلکہ سرگرمی سے مکالمہ کیا کرتی تھیں۔احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتیں اپنے اعمال واقوال میں اس اعتماد سے معموز ہوتی تھیں کہ انہیں مذہبی فکر و عمل کی زندگی میں شرکت اور قرآن کے ساتھ ساتھ کسی بھی معاملے پر رائے دینے کا حق حاصل ہے اور وہ یہ توقع رکھتی تھیں کہ ان کی رائے پر دھیان بھی دیا جائے گا۔احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ عورتوں کی رائے دینے کے حق کو تسلیم کرتے تھے اور ان کی رائے پر فوری ردعمل کا اظہار کیا کرتے تھے۔مثلاً حضرت محمد ﷺ عورتوں اور مردوں، دونوں کو قرآن حفظ کروایا کرتے تھے، ایک موقع پر عورتوں نے شکایت کی کہ مرد ان سے سبقت لے جارہے ہیں۔اور انہوں نے ان سے درخواست کی کہ وہ انہیں زائد وقت دیں تا کہ مردوں کے برابر پہنچ سکیں۔حضرت محمد ﷺ نے ایسا ہی کیا، قیاس ہے کہ وہ مردوں کو نماز کے اوقات میں نہیں بلکہ اس قوت تعلیم دیتے تھے جب عورتیں گھریلو کاموں میں مشغول ہوتی تھیں۔''(66)

مزید لکھتی ہیں کہ ''خواتین کی رائے اور ان کے خیالات کو آپ ﷺ اہمیت دیتے تھے اسلامی تاریخ کے اس اولین دور کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ عورتوں کی رائے اور خیالات کو سنتے اور انہیں اہمیت دیتے تھے ان کی یہ عادت بلاشبہ عرب معاشرے کے رویوں کی عکاسی کرتی تھی۔حتیٰ کہ مذہبی اور سماجی اہمیت کے معاملات میں بھی عورتوں کی رائے وزن رکھتی تھی۔''(67)

ابتدائی اسلامی معاشرے میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے کیفیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا

ہے کہ آپ ﷺ نے خواتین کی گواہی کو قبول فرمایا، اگر ان واقعات کا مطالعہ کیا جائے جو اس دور میں ظہور پذیر ہوئے تو اس سے درست اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آیا اسلام نے دوراول میں خواتین کو شہادت کے حوالے سے کیا مقام دے رکھا تھا۔؟

مثلاً: ''حضور ﷺ کی زندگی میں عقبہ بن حارث اوران کی بیوی کے بارے میں ایک لونڈی نے گواہی دی تھی کہ ان دونوں کو میں نے دودھ پلایا تھا۔تو حضور ﷺ نے کسی مرد کی گواہی طلب نہیں کی اور صرف لونڈی کی گواہی پر دونوں کا نکاح توڑ دیا۔اب یہاں کہاں ایک مرد اور دو عورتیں ہیں حضور ﷺ کے زمانے میں جب عورتیں نماز کے لئے جایا کرتی تھیں تو کسی نے ایک عورت کے ساتھ منہ اندھیرے جب زیادتی کی اس نے چیخنا شروع کیا تو وہاں سے ایک مرد گزر رہا تھا تو اس نے کہا وہ بھاگا جا رہا ہے وہ اس کے پیچھے بھاگا پکڑنے کے لئے اتنے میں اور لوگ آ گئے ان کو بھی اس نے وہی بات کی وہ جب بھاگے تو دوسرے آدمی کو پکڑ لائے اور اس عورت نے کہہ دیا کہ ہاں یہی وہ شخص تو آپ ﷺ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا تو یہاں خاتم النبین ﷺ نے ایک عورت کی گواہی پر فیصلہ کیا تھا۔اسی طرح حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک مرد کسی گھر میں لڑکی بن کر رہا اور موقع پا کر صاحب خانہ کی لڑکی سے زیادتی کی تو اس لڑکی نے اس مرد کو قتل کر دیا۔حضرت عمرؓ تک جب یہ بات پہنچی تو بنفس نفیس اس لڑکی کے پاس آئے اور بچی کے باپ سے کہا کہ میں خود اس سے بات کرنا چاہتا ہوں جب آپ کو لڑکی نے تمام ماجرا سنایا تو حضرت عمرؓ نے اس کو قصاص میں قتل نہیں کروایا بلکہ اس کو معاف کر دیا۔'' (68)

درج بالا واقعات اس پر شاہد عدل ہیں کہ آپ ﷺ نے خواتین کی گواہی پر اعتبار کرتے ہوئے فیصلہ فرمایا، یعنی عورت کی رائے کو اہمیت دی۔آپ ﷺ کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک مسلم معاشروں میں یہ روایت موجود رہی ہے کہ وہ عورتوں کی رائے اور شہادتوں پر اعتماد کا اظہار ہوتا رہا۔

''اس کا ثبوت یہ ہے کہ احادیث میں عورتوں کے حصے کو تسلیم کیا گیا آغاز ہی سے احادیث کو محفوظ کرنے سے مراد یہ تھی کہ سماجی طور طریقے کو منضبط کیا جائے اگر چہ انہیں مقدس یادداشتوں کی حیثیت سے جمع و محفوظ کرنا بھی مقصود تھا۔ایک ایسی برادری جس کا سربراہ نیا نیا جدا ہوا ہو اس کے لئے حدیث ہی ایک ایسا ذریعہ تھی جس کی مدد سے یہ جانا جا سکتا تھا کہ ان حالات میں قابل قبول اور نا قابل قبول طرز عمل کیا ہونا چاہئے۔جن کے بارے میں

حضرت محمد ﷺ کوئی واضح احکام نہیں چھوڑے ہیں، پیغمبر کے اقوال اور اعمال کے بارے میں عورتیں کی گواہی کو قبول کرنے کا مطلب رسم ورواج اور قوانین سے متعلق روایتی اور انضباطی معاملات میں عورتوں کی سند کو قبول کرنا تھا۔ درحقیقت بعد کے مسلم معاشروں میں قرآن کے بعد حدیث ہی مرکزی مقام کی حامل تھی، اور ان دونوں ذرائع سے ہی قوانین کا استخراج ہوا۔'' (69)

اسلام کے ابتدائی عہد میں اگر موجودہ عہد کی طرح کے قواعد وقوانین ہوتے تو ''ایسے قوانین کی تشکیل بھی نا ممکن ہو جاتی اگر اسلام کی ابتداء میں ہی ایسے قانون موجود ہوتے، جن کے مطابق حضرت محمد ﷺ کی اعزہ خواتین کی یاداشتیں اس وقت مصدقہ قرار دی جاتی جب ان کی تصدیق ایک دوسری عزیز خاتون کے الفاظ سے ہوتی۔ خوش قسمتی سے اسلام کے ابتدائی دنوں میں مردوں اور عورتوں کے رویے ایسے تھے کہ انہوں نے عورتوں کی شہادتوں کو مقبول نسخوں میں شامل کرلیا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ انتہائی عورت دشمن ادوار میں بھی فکر وعمل کی دنیا میں ان کی شراکت کو کسی نہ کسی حد تک تسلیم کیا جاتا رہا۔ احادیث روایت کرنے والی عورتیں (جنہیں عام طور پر ان کے باپ تعلیم دیتے تھے) عباسی معاشرے سمیت ہر دور کے مسلم معاشرے میں مل جاتی ہیں۔'' (70)

لیکن اسلام کے بعد کے ادوار کا جب مطالعہ کیا جائے تو خواتین کی حیثیت اور حالت زار کا نقشہ بڑا عجیب نظر آتا ہے خصوصاً ''عباسی معاشرے میں انسانوں بالخصوص عورتوں کی بکاؤ مال اور جنسی استعمال کی شئے کی حیثیت سے خرید وفروخت اور مرہ کی حقیقت بھی بیشتر غلام عورتیں گھریلو خدمت کے لئے فروخت ہوتی تھیں۔ تاہم کاروباری لوگ ایسی عورتیں علیحدہ کر لیتے تھے۔ جو خوبصورت ہوں یا پسندیدہ مہارتیں رکھتی ہوں وہ انہیں کنیزوں کی منڈی کے لئے تربیت دیتے اور بناتے سنوارتے تھے۔ موسیقی اور گائیکی کی صلاحتیں خاص طور پر قابل قدر سمجھی جاتی تھیں۔ اس تربیت میں کی جانے والی سرمایہ کاری منافع آور تھی۔ غلاموں کی کثیر رسد کے باوجود ''**سیاہ فام آب دار یا سفید ہیرے**'' انمول تصور کئے جاتے تھے۔'' (71)

اسلامی دور میں خواتین کی شہادت اور رائے کی اہمیت کے حوالے سے سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے اہم ماخذ مجموعہ احادیث کی روایات کے حوالے سے خواتین پر اعتماد کیا گیا ہے، اس حوالے سے تفصیل ملاحظہ ہو۔

اسلامی تاریخ میں احادیث کی روایت کے حوالے سے شہادت پر اعتماد:

شریعت اسلامیہ نے خواتین کی شہادت پر اعتماد کا اظہار کیا ہے جہاں دیگر معاملات میں شہادت کی اصل ہے وہاں احادیث مبارکہ جیسے اہم شعبہ میں ان کی روایت کردہ اقوال پر اعتماد کا اظہار کیا گیا ہے۔''امت نے زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق اس کی روایت کردہ احادیث پر کلی اعتماد کیا ہے اور مردوں اور عورتوں کی روایات میں کسی قسم کا فرق کئے بغیر دونوں کو یکساں اہمیت دی ہے اس اہمیت کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔مشہور صحابی حضرت ابو سعید خدریؓ کی بہن فریعہ کے شوہر کے چند اونٹ فرار ہو گئے تھے وہ ان کی تلاش میں روانہ ہوئے اور پا بھی گئے لیکن اچانک اونٹوں نے پلٹ کر ان پر حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں وہ ھلاک ہو گئے۔فریعہؓ نے حضور ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا اور کہا کہ میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے لیکن انہوں نے تو میرے لئے کوئی نان نفقہ چھوڑا ہے اور نہ اپنے بچوں کے لئے رہنے کی کوئی جگہ اس لئے میں اپنے بھائیوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔آپ ﷺ کا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا عدت کے دن تمہیں اسی مکان میں گزارنے ہونگے جس میں تمہیں اپنے شوہر کے انتقال کی خبر ملی ہے۔

حضرت عثمانؓ کے سامنے ان کے دور حکومت میں اسی قسم کا مسئلہ پیش ہوا لوگوں نے ان کو بتایا کہ فریعہؓ کے ساتھ یہ معاملہ پیش آ چکا ہے۔اور حضور ﷺ نے ان کو جو حکم دیا تھا وہ معلوم کر لیا جائے فریعہؓ کہتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے مجھے بلایا میں پہنچی تو وہ بعض اور لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔میں نے اپنے متعلق حضور ﷺ کا فیصلہ ان کو سنایا تو انہوں نے میری نظیر پر عمل کیا اور جس عورت کو یہ مسئلہ درپیش تھا اسے بھی حکم دیا کہ جس مکان میں اس کے شوہر کا انتقال ہوا ہے اسی میں عدت گزارے۔اس طرح حضرت عثمانؓ نے فریعہؓ کی روایت کو قانونی حیثیت دے دی۔''

بعض احادیث ہم تک ایسی سندوں سے پہنچی ہیں جن میں کئی کئی خواتین موجود ہیں مثلاً فتن سے متعلق ایک حدیث امام مسلم نے ابو بکر بن ابی شیبہ، سعیدہ بن عمرو، زہیر بن خرب اور ابن ابی عمر سے لی ہے ان چاروں نے سفیان بن عینہ سے سفیان بن عینہ نے امام زھری سے، امام زھری نے عروہ سے، عروہ نے زینب بن ابی سلمہ سے انہوں نے حبیبہ سے انہوں نے اپنی ماں ام حبیبہ سے اور انہوں نے زینت بنت جحش سے ایک روایت کی ہے

۔اسی حدیث کوامام ترمذی نے سعید بن عبدالرحمٰن اور دوسرے کئی افراد کے حوالے سے مذکورہ بالا سند ہی سے نقل کیا ہے۔

علم حدیث سے ابتدائی واقفیت رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ، سعید بن عبدالرحمٰن، سفیان بن عینہ، امام زھری اور عروہ بن زبیر کس پایہ کے محدث ہیں۔ اور امام ترمذی کا نام ہی ان کی عظمت کا اپنا ثبوت ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہر دور کے اکابر محدثین نے اس روایت کو کس قدر اہمیت دی ہے یہی نہیں بلکہ محدثین نے رواۃ حدیث کے متعلق خواتین کی جرح وتنقید اور تعدیل اور تصویب کو تسلیم کیا ہے اور ان کی رائے کے مطابق کسی **راوی حدیث** کی روایات کو قبول یا رد کئے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔

کہاں یہ ممکن ہے کہ ایک سوال ذہن میں پیدا ہو وہ یہ کہ جب عقائد وعبادات، عادات ومعاملات، اخلاق و قانون غرض ہر شعبہ زندگی سے متعلق اس کی روایات کو ایسی اہمیت دی گئی جیسی کہ مرد کی روایات کو دی گئی ہے تو کیوں زندگی کے تمام مسائل میں اس کی شہادت کو مرد کی شہادت کا درجہ نہیں دیا گیا۔ اس کی وجہ ہمارے خیال میں خالص نفسیاتی ہے، حضور ﷺ کے ارشادات کے ساتھ انتہائی عقیدت واحترام کا جذبہ شامل ہوتا ہے اس لئے ان میں غفلت اور بے توجہی کا امکان دوسرے تمام واقعات کے مقابلہ میں کم سے کم تر ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کی تعلیمات اور اسوہ کا مطالعہ ایک مومن جس نگاہ سے کرتا ہے اس نگاہ سے بازار میں ہونے والے واقعات کا نہیں کرسکتا۔ اسی لئے شہادت اور روایت میں خود شریعت نے فرق کیا ہے۔''(72)

اولین اسلامی دور میں عورتوں کی شہادت پر اعتماد کے حوالے سے ان کی روایات کو تسلیم کرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے مصری دانشور لیلیٰ احمد لکھتی ہیں۔

''اگرچہ ابتدائی احادیث مردوں نے ہی تحریر کیں، تاہم حضرت محمد ﷺ اور ان کے دور کی روایات کا اہم ترین حصہ عورتوں کی سند پر ہی نقل کیا گیا۔ اور یہی وہ ادب ہے جسے ابتدائی اسلام کے مستند وقائع کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور اسے مسلم کردار کے ایک نمونے اور مسلم قانون کے ایک ماخذ کی حیثیت دی جاتی ہے۔ یعنی ان روایتوں کا سلسلہ اپنے آخری سرے پر حضرت محمد ﷺ کی نسل کی کسی عورت، کسی صحابیہؓ اور اکثر حضرت محمد ﷺ کی بیوی یا بیٹی سے ملتا ہے لہٰذا اسلام کی زبانی روایت میں عورتوں اور خاص طور پر سب سے زیادہ حضرت عائشہ کا

حصہ بہت اہم ہے ان روایتوں کو آخر کار مرد ہی تحریری شکل میں لائے ۔اور یہ تحریریں اسلام کی باضابطہ تاریخ کا حصہ بن گئیں ایسی تحریری ادب نے اسلامی معاشرے کے معیاری رسوم و رواج کو تشکیل دیا ۔اس ادب میں عورتوں کا اہم حصہ ایک ایسی حقیقت ہے جو یہ بظاہر کرتی ہے کہ مسلمانوں کی کم از کم پہلی نسل اور ان کے فوراً بعد کی نسل کے لئے عورتوں کو سند کی حیثیت سے قبول کرنا کوئی مشکل نہ تھا۔''(73)

احادیث کی روایات میں ''سب سے زیادہ حضرت محمد ﷺ کی بیواؤں کا حصہ ہے اگر چہ دوسری عورتوں سے بھی احادیث روایت کی گئی ہیں ۔حضرت عائشہؓ بالخصوص اور ان کے بعد ام سلامہؓ اور زینب بہت اہم راوی ہیں سب تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ خاص طور پر حضرت محمد ﷺ سے زیادہ قربت رکھتی تھیں ۔آنحضرت ﷺ کی وفات کے فوراً بعد لوگ ان سے حضرت محمد ﷺ کی سنت کے بارے میں صلاح لینے لگے تھے اور ان کی روایتیں طرز عمل سے متعلق نکات اور بعض اوقات قانونی نکات ، فیصلہ کرنے میں مدد دیتی تھیں ۔مثلاً حضرت محمد ﷺ کی سابقہ یہودی بیوی ،حضرت صفیہؓ ۶۷۰ء میں اپنی وفات کے وقت اپنی جائیداد کا تیسرا حصہ اپنے بھتیجے کے نام کر گئیں اور یوں ایک تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا کہ ان کے یہودی ہونے کی وجہ سے آیا ان کی وصیت کالعدم ہوگئی یا نہیں جب حضرت عائشہؓ سے مشورہ لیا گیا تو انہوں نے کہا کہ وصیت پر عمل ہونا چاہئے ۔اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ نماز کیسے پڑھتے تھے یا وہ کسی قرآنی آیت کو کس طرح پڑھتے تھے؟ ان معاملات کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی شہادتوں کی مدد سے نماز اور اس آیت کے درست قرات کے نکات حل کئے جاتے تھے ۔حضرت عائشہؓ خود ایک ممتاز راوی تھیں ۔اورانہوں نے بہت سے اہم ابتدائی مسلمان راویوں کو احادیث روایت کیں ،قریب قریب دو ہزار دوسو برس احادیث ان سے مروی ہیں ۔بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہؓ سے مروی احادیث میں سے تقریباً تین سو احادیث اپنے مجموعوں میں شامل کی ہیں ۔اور یہ دونوں محدث حدیث کی پرکھ کے کڑے معیارات کے لئے مشہور ہیں ۔''(74)

احادیث کی روایات سے لیلیٰ احمد تحریر کرتی ہیں کہ:

''حضرت عائشہؓ اور دوسری عورتوں کے احادیث میں معتد بہ اضافے سے بڑھ کر اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے احادیث روایت کی اور یہ کہ حضرت محمد ﷺ کے ہم عصروں اور ان کے قریبی جانشینوں نے ان احادیث کی

تلاش کی اوران کی شہادت کو مردوں کی شہادت کے برابر مقام دیا۔ یہ حقیقت نہایت اہم ہے آخر کار دنیا کے کون سے بڑے زندہ مذاہب ہیں جنھوں نے عورتوں کی روایتوں کو اپنے مرکزی صحیفوں میں شامل کیا یا مقدس صحیفوں کے ایک بھی لفظ کی درست تفہیم کا فیصلہ کرنے کے لئے عورتوں کی شہادت کو معتبر جانا''(75)

موصوفہ مزید رقم طراز ہیں کہ!

''اس حقیقت کی اہمیت اس جواز کی بناء پر کم نہیں کی جانی چاہئے کہ یہ شہادتیں حضرت محمد ﷺ کی ازدواج نے روایت کی ہیں اور چونکہ وہ ان سے قربت رکھتی تھیں اس لئے ان شہادتوں کو تسلیم کیا گیا۔''(76)

عورت کی گواہی کی اہلیت اوراس کی روشنی میں فیصلہ جات کے بارے میں اجمالی جائزہ تاریخی حوالے سے درج ذیل ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواتین کی شہادت قابل قبول ہے اوراسے محدود اور مخصوص کر دینا شریعت کے منافی ہے۔مختصر جائزہ ملاحظہ ہو۔

☆ ایاس بن معاویہ نے ایک طلاق کے مقدمہ میں دوعورتوں کی گواہی قبول کی تھی۔

☆ معاویہ بن ابی سفیان کے متعلق روایت ہے کہ ایک مکان کا جھگڑا صرف حضرت امہ سلمہؓ کی شہادت پر نمٹا دیا۔

☆ علامہ ابن حرم دوعورتوں کی گواہی کو ہر مسئلہ میں معتبر قرار دیتے تھے۔

☆ اگر آٹھ عورتیں کسی عورت کے زانی ہونے پر گواہی دیں تو علامہ ابن حزم رجم کرنے کا حکم جاری کر دیتے تھے۔

☆ قاضی شریح نے بھی میاں بیوی کے درمیان اسباب کی ملکیت کا فیصلہ چار عورتوں کی گواہی پر کردیا تھا۔

اسی طرح ایک اورمقدمہ میں چار خواتین کی گواہی پر عورت کے مہر کا فیصلہ دے دیا تھا۔

☆ ابوالبید کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے طلاق کے سلسلہ میں عورت کی گواہی کو معتبر مانا ہے۔

☆ شعبی اورعطا نے بھی طلاق کے معاملہ میں عورت کی گواہی تسلیم کی ہے۔

☆ محمد بن حنیفہ نے حضرت علیؓ سے روایت بیان کی ہے کہ شادی بیاہ سے متعلق عورتوں کی شہادت جائز اور صحیح ہے۔

قاضی شریح نے بھی غلامی کے معاملات میں مشترک شہادت کو تسلیم کیا ہے۔"(77)

اگر درج بالا واقعات کا جائزہ لیا جائے تو یہ صورت سامنے آتی ہے کہ

"ان مسائل کا تعلق نہ تو قرض سے ہے اور نہ ہی کسی قسم کے لین دین سے اور نہ ہی ان امور سے جو عورت کے قابل ستر مقامات یا مخصوص اعضائے جنسی سے رہا۔ بھول چوک کا معاملہ تو بھول چوک یا عمداً انکار مرد کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک تنہا مرد کی گواہی قابل قبول نہیں اور مردوں کی تعداد کم سے کم دو ہے۔"(78)

گویا ہم یہ برملا کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے مخصوص معاملات ہی کے بارے میں عورت کی گواہی کو جائز نہیں قرار دیا بلکہ اس نے "ہر معاشرتی وباہمی مسائل میں اس کی شہادت کو جواز بخشا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایسے امور میں جن کا تعلق مرد کی زندگی سے بہت گہرا ہے اس میں اس نے مرد کو اہمیت دی ہے مگر عورت سے متعلق معاملات میں عورت کو بھی اہمیت حاصل ہے اس طرح مرد ہی کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے البتہ انسانی معاشرہ چونکہ مردوں کے ہاتھ میں ہے اس لئے زندگی کے زیادہ تر مسائل مردوں ہی سے متعلق رہتے ہیں اور یہ صورتحال مرد نے پیدا کی ہے فطرت نے ایسا نہیں کیا۔ ہم تو یہاں تک کہنا پسند کریں گے کہ عہد جاہلیت میں عورت کی قدر و قیمت تھی ہی نہیں۔ اسلام نے عورت کو اس کے حقوق دیئے۔ لیکن عرب نے یہ پسند نہیں کیا، اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مرد فقہاء نے اپنے اجتہاد اور علماء کے استخراج سے عورت کے حقوق ضبط کئے اور اسے اس مقام پر پہنچا دیا جہاں وہ دور جاہلیت میں تھی۔"(79)

"عباسیوں کے دور سمیت مسلم تاریخ میں اکثر ایسے دور مل جاتے ہیں جن میں عورتوں کی حیثیت کو اتنا گھٹا دیا گیا تھا کہ بڑی شخصیات کے ساتھ عزیز داری ہونے کے باوجود ان کی بات کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ اگر سابقہ دور میں عورتوں کی شہادتوں کو مستند تسلیم نہ کیا گیا ہوتا تو یہ عین ممکن ہے کہ مثال کے طور پر غزالی اور ان کے ساتھی الٰہیات دانوں اور قانون دانوں نے عورتوں کی شہادت کو پرے رکھ دیا ہوتا۔ قطع نظر اس بات کے کہ چاہے یہ شہادتیں کسی قرآنی آیت کی درست قرات یا مردانہ حاکمیت کے حق سے متعلق کسی اہم مسئلے کے بارے میں ہی کیوں نہ ہوتیں۔ بعینہ حال ہی میں پاکستان میں جو قانون نافذ کیا گیا ہے جس کی رو سے دو عورتوں کی گواہی ایک

مرد کے برابر تسلیم کی جاتی ہے۔ایسے قوانین کی تشکیل بھی ناممکن ہو جاتی اگر اسلام کی ابتداء ہی میں ایسے قانون موجود ہوتے۔''(80)

خواتین کی مختلف معاملات میں شہادت کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر

صحابہ کرامؓ کے آثار واقوال جو خواتین کی شہادت کے حوالے سے مختلف اقوال پیش خدمت ہیں۔

(الف) ''حضرت عمرؓ بن خطاب کے حوالے سے روایات:

ایک کے راوی حضرت سعید بن المیب ہیں اوراس کے الفاظ ہیں۔قال عمر رضی اللہ تعالی عنہ لا تجوز شهادة النساء فی الطلاق و لا فی النکاح و لا فی الدماء۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا عورتوں کی شہادت جائز نہیں نہ طلاق میں نہ نکاح میں اور نہ قتل میں۔

دوسری روایت کے راوی حضرت ابوالبید ہیں اوران کے الفاظ ہیں:

''ان سکرا نا طلق اجراته ثلاثا مشهد علیه اربع سنوة فرفع الی عمر بن الخطاب فاجاز شهادة النسوة مفرق بینهما۔''

ترجمہ: ایک شخص جو نشے کی حالت میں تھا اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور چار عورتوں نے اس کی شہادت دی، یہ مقدمہ خود حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے عورتوں کی شہادت کو جائز قرار دیکھ کر دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔

تیسری روایت کے راوی حضرت عطاء بن ابی رباح ہیں اوراس کے الفاظ ہیں، قال اجاز عمر بن الخطاب شهادة النساء مع الرجال فی الطلاق و النکاح۔

ترجمہ۔حضرت عمرؓ نے طلاق اور نکاح میں ایک مرد کی شہادت کو عورتوں کے ساتھ جائز ٹھہرایا۔

پانچویں روایت کے راوی ابن شھاب الزھری اوراس کے الفاظ ہیں۔

ان عمر بن خطاب رضی الله تعالی عنه اجاز شهادة المرا فی الاستهلال۔

ترجمہ۔حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک عورت کی شہادت کو استھلال میں جائز قرار دیا۔استھلال کے معنی ہیں پیدائش کے وقت بچے کے رونے کی آواز

چھٹی روایت کے راوی حضرت زید بن اسلم ہیں اور اس کے الفاظ ہیں۔

ان عمر بن الخطاب لم یاخذ شہادۃ امراۃ فی الرضاع

ترجمہ۔حضرت عمرؓ نے رضاع یعنی دودھ پلانے کے معاملہ میں ایک عورت کی شہادت نہیں لی یعنی قبول نہیں کی۔''

(81)

(ب) حضرت عثمانؓ سے متعلق روایات:

''عورت کی شہادت سے متعلق حضرت عثمانؓ کا ایک اثر جس کے راوی ابن شہاب زہری ہیں اس طرح ہے۔

جاءت امرائۃ سوداء فی امارۃ عثمان رضی اللہ عنہ الی اھل ثلاثہ ابیات قد تنا کحوا فقالت انتم بنی و بناتی ففرق بینھم

ترجمہ۔حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ایک سیاہ فام عورت (دیہات سے شہر میں آئی) اور تین ایسے گھروں میں پہنچی جہاں تین جوڑوں کا حال ہی میں نکاح ہوئے تھے اس نے ان سے کہا کہ تم میرے رضاعی بیٹے اور بیٹیاں ہو، حضرت عثمانؓ کے سامنے مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے اس ایک عورت کی شہادت کی بناء پر ان جوڑوں میں تفریق کرا دی، یعنی ان کا تعلق ازدواج ختم کردیا۔''(82)

(ج) حضرت علیؓ سے متعلق روایات:

''حضرت علیؓ سے مروی چار روایات ہیں ایک کے راوی حضرت حکم بن عیبہ ہیں اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔

ان علی بن ابی طالب قال لا تجوز شہادۃ النساء فی الطلاق والنکاح و الحدود والامآء

ترجمہ۔حضرت علیؓ نے فرمایا عورتوں کی شہادت طلاق نکاح، حدود اور قصاص میں جائز نہیں۔

ایک دوسری روایت ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

عن علی بن ابی طالب لاتجوز شھادۃ النساء بحتا فی درھم حتی یکون معھن رجل

ترجمہ۔حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا صرف عورتوں کی شہادت ایک درہم میں بھی معتبر نہیں تا آنکہ ان کے

ساتھ کوئی مرد ہے۔

تیسری روایت جس کی راویہ ھند بنت طلق اور جس کے الفاظ یوں ہیں ۔

قالت كنست فی نسوة و صبی مسجی فقامت المراة فمرت فو طئت فقالت ام الصبی قتلته والله فشهد عند علی رضی الله عنه عشر نسوة انا عاشر هن فقضی علی علیها بالدية و اعانها بالفین.

ترجمہ۔ہند بنت طلق نے کہا میں عورتوں کی ایک جماعت میں بیٹھی تھی وہاں ایک چھوٹا سا بچہ کپڑے میں لپٹا ہوا پڑا تھا، کسی ضرورت سے ایک عورت اٹھی اور چلتے ہوئے اس کا پاؤں لپٹے ہوئے بچے پر پڑا اور وہ کچلا گیا بچے کی ماں چیخ اٹھی اور اس عورت سے کہا واللہ تو نے بچے کو قتل کر دیا پھر یہ مقدمہ حضرت علی کے سامنے پیش ہوا اور دس عورتوں نے شہادت پر حضرت علی نے یہ فیصلہ کیا کہ قتل کرنے والی عورت مقتول بچے کی ماں کو دیت ادا کرے اور دو ہزار سے اس کی اعانت بھی فرمائی ۔

چوتھی روایت جس کے راوی سفیان الثوری ہیں اور جس کے الفاظ اس طرح ہیں ۔

ان علی رضی الله عنه اجاز شهادة المرائة القابلة و حدها فی الاستهلال

ترجمہ۔حضرت علیؓ نے استہلال کے معاملہ میں ایک دائیہ عورت کی شہادت کو جائز قرار دیا۔''(83)

'' اسی طرح عبداللہ بن عمرؓ سے مروی روایات میں ایک کے الفاظ اس طرح ہیں ۔

قال بن عمر لا تجوز شهادة النساء وحدهن الا علی مالا یطلع علیه غیر هن من عورات النساء و حلهن و حیضهن

ترجمہ۔حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا تنہا عورتوں کی شہادت جائز نہیں سوائے ان امور کے جن پر عورتیں ہی مطلع ہوتی ہیں جیسے عورتوں کے پوشیدہ احوال حمل اور حیض سے متعلق ۔

مصنف عبدالرزاق میں مذکورہ ایک اور روایت کے الفاظ یوں ہیں ۔

عن ابن عمر سئل النبی صلی الله علیه وسلم ماالذی یجوز فی الرضاع من الشهود قال رجل وامراءة

ترجمہ۔روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا ''جناب رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ رضاع کے معاملے میں کتنے گواہ ہونے چاہئیں تو آپ نے فرمایا ایک مرد اور ایک عورت۔''

علامہ بن حزم نے المحلی میں عبداللہ بن عمر کو ان حضرات میں شمار کیا ہے جو رضاع وغیرہ کے معاملے میں ایک عورت کی شہادت کو معتبر سمجھتے تھے۔'' (84)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ عورت کی شہادت کے بارے میں روایت کرتے ہیں۔

قال عبداللہ بن عباس شھادۃ المراۃ الواحدۃ جائزۃ فی الرضاع اذا کانت مرضیۃ وتستحلف مع شھادتھا

ترجمہ۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا، رضاع کے مسئلہ میں ایک عورت کی شہادت جائز ہے جب وہ پسندیدہ ہو اور شہادت کے ساتھ اس سے حلف بھی لیا جائے۔'' (85)

(و) حضرت معاویہؓ کی روایت:

''شہادت عورت سے متعلق حضرت معاویہؓ کے حوالے سے ایک روایت المحلی ابن حزم میں اس طرح ہے۔

و صح عن معاویۃ رضی اللہ عنہ انہ قضی فی دار شھادۃ ام سلمۃ رضی اللہ عنھا ام المئومنین و لم یشھد بذالك غیرھا

اور یہ صحیح روایت ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ایک مکان کے تنازع میں صرف ام المومنین ام سلمہؓ کی شہادت پر فیصلہ دیا۔''

(86)

رسول اللہ ﷺ نے خواتین کی شہادت کو معتبر تسلیم کیا ہے۔اور مختلف مواقع پر ان کی روشنی میں فیصلہ جات کئے ہیں۔اس سلسلے کی درج ذیل احادیث ملاحظہ ہوں جن میں خواتین کی گواہی کو تسلیم کیا گیا ہے۔

☆ رضاعی ماں کی شہادت:

''حدثنا ابو عاصم عن عمر بن سعید عن ان ابی ملیکیتہ عن عقبتہ ان الحارث تزوجت امراۃ فجآء ت امراۃ فقالت انی قدار ضعتلما فاتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال و کیف و قل قیل دعھا عنك او نحوہ۔'' (87)

ترجمہ۔ ہم سے ابو عاصم نے حدیث بیان کی، ان سے عمرو بن سعید نے ان سے ابن ابی ملیکہ نے، ان سے عقبہ بن حارث نے بیان کیا کہ میں نے ایک خاتون سے شادی کی تھی۔ پھر ایک اور خاتون آئیں اور کہنے لگیں کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا تھا، اس لئے میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہیں بتادیا گیا (کہ ایک ہی خاتون تم دونوں کی رضاعی ماں ہے) تو پھر کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اپنی بیوی کو اب اپنے سے جدا کردو یا اسی طرح کے الفاظ آپ نے فرمائے۔

☆ عورت کا باہم ایک دوسرے کی اچھی عادات واطوار کے متعلق گواہی دینا:

''تعلهل الفسآء بعضهن بعضاً۔

ترجمہ۔عورتوں کا باہم ایک دوسرے کی اچھی عادات واطوار کے متعلق گواہی دینا۔

حدثنا ابو الوبيع سليمان ان داؤد و انهنى بعفه احمد حدثنا فليح ان سليما ن ان ان شهاب الزهرى عن عروة ان الزبير و سعيد ان المسيب و علقته بن وقاص اللمثى و عبيد اللّه بن عبد اللّه بن عتبته عن عائشه زوج النبى صلى اللّه عليه وسلم حين قال لها اهل الا فك ما قالو فبرا ها اللّه منه قال الزهرى و كلهم حدثنى طآئفته من حليثها و بعضهم او عى من بعض و اثبت له اقتصاصا ووعت عن كل واحد منهم الحديث الذى قدرثنى عن عآئشته و بعض حليثهم بصدق بمضاً زعمو ان عآئشته قالت كان رسول اللّه صلى اللّه عليه وسلم انا ارادمه ان يخرج سفراً اتراع لمن ازواجه فايتهن خرج سبهما خرج بها معه فاترع بيننا فى غزاة غزاها لخرج سععى و اخرجتمعه مآ انزل الحجاب فانا احمل فى هود ج و انزل فيه فسر را حتى اذا فرغ رسول اللّه صلى اللّه عليه وسلم من غزوته تلك و قفل و دنو نامن الملينته أذن ليلته بالرحيل فقمت حسين أذنو بالرجل فمشيت حتى جاوزت الحبش فلماقفيت شانى اقبلت الى ارجل فلمست صدرى فاذا عقد تى من جذ اظفار قد نقطع مرجعت فالتمت لحبسنى ابتغآء ه فلا قبل الذين يرحلون لى فاحتملو هود جى فرحلوه على

بعیر الذی کنت ارکب وھم یحسبون انی لیه و کان النسآء اذ ذالك خفافا لمه یثقن

ولمه یغستهن اله حمد و انما یا کلن العلتقته من اطعامه فلمه کیستکمر القومه حین

رفوه ثقل الهووج فا حتملوه و کنت جاریته حدیثه المومن فبعثو الجمل و سارو

فوجلت عقدی بعلمه استمر الجیش محبت منزلهم ولیس فیه احد فاممت منزلی الذی

کنت به فظننت انهم سیفید و نی خیر جعون الی فبینا انا جالسته غلبتنی عبنای

قسمت و کان عفو ان بن المعطل السلمنی تمه الزکوتی من ورآ ء الحیثن فا صبح عند

منزلی فرا ای سواد انسان نا ثمه فاتا نی و کان یرانی قبل الحجاب فاستیقظت

باسترجا عه حین اناخ لوطی یدها فزکیهتها فا تطلق یثودبی الرایحته حتی اتینا

الجیش بعد ما نزلو سعد مینی فی نخو الظهیم ته فهلك من هلك و کان الذی تولی الا

فك عبد اللّٰه بن الی ان سلول ابقد منا الملینته فا ثتکیت بها شهرا بقیضون من قول

اصحاب الا تك و لینیمنی فی رجعی انی الا اری من النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الطف

الذی کنت اری منه حین امرس انما سید خل لیسلمه ثم بقول کیف تیثکمه لا اشهد

بشی من ذالك ختی نقهت و خرجت انا و ام مسطیح قبل صح متبر زنا لا نخرج الا لیلا

الی لیل و ذلك قبل ان نتخذا لکنف قریبا من بیوتنا ر امرنا امر العدب الاول فی

الشبریته او فی التنزه فا قبلت انا و امته سطیح بنت ابی رهمه نمشی لعثرت فی

مرطها فقالت تعس مسطبح فقلت لها بشی ما قلت اتمبین رجلا شهد بدرًا فقالت یا

هنتاه المه تسمعی ما قالو فاخبر ننی بقول اهل الا فلك فازدوت الی مرضی فلما ر

حجث الی بیتی ذخل علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فسلم فقال کیف تیکمه

لقکفته ائذن لی الی ابری قالت و انا حیثذ ارید ان استیقن الخبر من قبلهما فاذن لی

رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فاتیت ابو ی فقلت لا تی مایة ملث به الناس فعالت

یا بنیته هو فی علی نفسك الشان لو اللّٰه تقلما کانت امراة قط و ضیئته عند رجل

یجبھا و لھا ضرآ نر الا اکثرن علیھا فقلت سبحان اللّٰہ و لقمد یتخصلت الناس بھذا
قالت فبت تلک اللیلتہ حتی اصبخت لا یرقالی مع و لا اکتحمل بنوم ثم اصبحت فد عا
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم علی ابن ابی طالب و اسامتہ بن زید حین استبلث
الوحی یستثیر ھما فی فراق اھلہ فاما اسامۃ فاشار علیہ بالذی یعلمہ فی نفسہ من
الود لھم فقال اسامتہ اھلک یا رسول اللّٰہ و لا تعلم واللّٰہ ال خیرًا و اما علی بن ابی
طالب فقال یا رسول اللّٰہ یضیق اللّٰہ علیک و النسآء سوا ھا کثیرو سل الجانتہ
تصلوک فدعا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم بریرۃ فقال یا بریرۃ ھل رایت فیھا
شیعاً یریبکو فقالت بریرۃ لا والذی بعثک بالحق ان و ایت منھا امرًا اغمصہ علیھا
اکثر من انھا جاریۃ حدا یثہ السن تنامہ عن العجین فتا تی الدجن فتا کلہ فقا مہ
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من یعذرنی من رجل بلغی اذا فی اھلی لو اللّٰہ ما
علمت علی اھلی الا خیراً ما کان ید خل علیٰ اصلی الا معی فقامہ سعد ان معاذ فقال
یا رسول اللّٰہ انا و اللّٰہ اخذرک منک ان کان من الاوس ضربنا عنقہ و ان کان من
اخواننا من الخزرج امتنا

فیہ امرک فقامہ سعد ان عبادۃ و ھو سید الخزرج و کان قبل ذالک رجلا صالحا و
لکن اختملتمہ الخمیتہ فقال کنھت لعمر اللّٰہ لا تقتلہ و لا تقور علی ذلک فقامہ اسید
بن الخضیہ فقال کذبت لعمر اللّٰہ و اللّٰہ لتقتلنہ فانک منافق تجا دل عن المناققین
فثار الحیان الاوس و الخزرج محتی ھمرا و رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی
فتزل فخفضھم ختی سکتوا و سکت بکیت بوا فی الا یر قابی نعمع و لا اکتحز بنومہ
فاصبح عندی ابوای و قد بکیت لیلتین و یوماً حتی اظن ان البکآءفالق کبدی قالت
فبینا ھما جالسان عندی و انا ابکی اذا ستاذنت امراۃ من الانصار فا ذنت لھا
لجلست تبکی سعی فبینا نخن کذلک اذا دخل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

مجلس ولم يجلس عندی من یوم قیل فی ما قیل قبلها و قد مکث شهرًا لا یوحیٰ الیه

فی شانی شیء قالت لتشهد تمه قال یا عآئشة فانه بلغنی عنك كذا و كنا فان كنت

برینه فسیرنك اللّٰه و ان كنت الممت فا ستغفری اللّٰه و توبی الیه فان العبد اذا

اعترف بنا نبه ثمه تاب تاب اللّٰه علیه فلما قضی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم

مقالته قلص دمعی حتی ما احسن منه قطرة و قلت لا بی اجب عنی رسول اللّٰه صلی

اللّٰه علیه وسلم قال و اللّٰه ما ادری ما اقول لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقلت

لامی اجنی عنی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قالت و انا جاریة حدیثته السن لآ

اقرا کثیرًا من القرآن فقلت انی واللّٰه لقد عملت انکم سمعتم ما یتحدث به الناس و

قرنی انفسکم و صدقتم به و لئن قلت لكم انی بریته و اللّٰه یعلم انی لبرئیه لا تصد

قونی بذلك و لئن اعترفت لكم با مر و اللّٰه یعلم انی بریته لتصدقنی و اللّٰه مآ اجللی

و لكم مثلاً الا ابا یوسف اذ قال فصبر جمیل و اللّٰه المتعان علی ما تصفون ثمه

تحولت علی فرا شی و انا ارجو ان یبثرنی اللّٰه ولكن اللّٰه ما ظننت ان ینزل فی

شانی و حیاً ولا انا افقرثی نفسی من ان یتكلم بالقرآن فی امری و لكنی كفت ارجو

ان تیری رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی النوم روبآ یبشرئتی اللّٰه قو اللّٰه مارا

مجلسه ولا خرج احد من اهل البیت حتی انزل علیه فا خذه ما كان یا خذه من البر

حآ ء حتی انه لیتحدر منه مثل الجمان من العرق فی یومه شان فلما سری عن رسول

اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و هو یضحك فكان اول كلمته تكلم بها ان قال لی یا عآئشته

احمدی اللّٰه فقد براك اللّٰه فقالت لی امی قومی الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم

فقلت لا و اللّٰه لآ اقومه الیه ولآ الااللّٰه فانزل اللّٰه تعالی ان الذین جآ و بلا فك عصبته

منكم الا یت فلما انزل اللّٰه هذا فی برآ ء تی قال ابوبكر الصدیق و كان یضق علی

مسطح بن ائنمنا اثانته لقوابیته سند و الله لآ انفق علی مسطح شیئاً ابداً بعد ما قال

لعآئشة فانزل اللّٰہ تعالی و لا یا تل اولو الفضل منکم و السعته الی قوله غفور رحیمه فقال ابوبکر بلی و اللّٰه انی لا حب ان یفضر اللّٰه لی فرجع الی مسطبح الذی کان یجری علیه و کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یسال زینب بنت جحیش عن اسری فقال یا زینب ما علمت ما را یت فقالت یا رسول اللّٰه اجمی سمعی و بصری و اللّٰه ما علمت علیها الا خیرًا قالت و هی التی کانت تسامینی لعصمها اللّٰه بالورع قال و حدثنا فلیح عن هشامه بن عروة عن عروة عن عآئشته و عبد اللّٰه بن الزبیر مثله قال و حدثنا فلیح عن ربیعته بن ابی عبد الرحمن و یحی ابن سعید عن القاسم بن محمد بن ابی بکر مثله ''۔(88)

ترجمہ۔ہم سے ابوربیع سلیمان بن داؤد نے حدیث بیان کی اورحدیث کے بعض (معانی ومقاصد)انہیں احمد نے سمجھائے تھے،ان سے فلیح بن سلیمان نے حدیث بیان کی،ان سے شہاب نے اوران سے زہری نے حدیث بیان کی ۔ان سے عروہ بن زبیر،سعید بن میںّب ،علقمہ بن وقاص لیثی ،اورعبداللہ بن عتبہ نے اوران سے نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہما نے وہ واقعہ بیان کیا جس میں تہمت لگانے والوں نے انہیں جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا تھا۔لیکن اللہ تعالی نے خود انہیں اس سے بری قرار دیا تھا،زہری نے بیان کیا کہ (زہری سے بیان کرنے والے جن کا سند میں زہری کے بعد ذکر ہے)تمام راویوں نے عائشہؓ کی اس حدیث کاایک ایک حصہ بیان کیا تھا۔ بعض راویوں کوبعض دوسرے راویوں سے حدیث زیادہ یادتھی اوربیان بھی وہ زیادہ بہتر طریقہ پر کرسکتے تھے،بہر حال ان سب راویوں سے میں نے پوری طرح محفوظ کرلی تھی جسے وہ عائشہؓ کے واسطہ سے بیان کرتے تھے،ان راویوں میں سے ہرایک کی روایت سے دوسرے راوی کی روایت کی تصدیق ہوتی تھی ۔ان بیانات میں جن میں وہ مشترک رہے ہونگے ۔ان کا بیان تھا کہ عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ جب سفر میں جانے کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے ،جن کا حصہ نکلتا ،سفر میں وہی آپ ﷺ کے ساتھ جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک غزوہ کے موقع پرجس میں آپ ﷺ بھی شرکت کررہے تھے۔آپ ﷺ نے قرعہ اندازی کی اور حصہ میرا نکلا ۔اب میں آپ ﷺ کے ساتھ تھی ،یہ واقعہ پردے کی آیت کے نازل ہونے کے بعد کا ہے ۔اس

لئے مجھے ہودج سمیت سوار کیا جاتا تھا اور اسی سمیت (سواری سے) اتارا جاتا تھا اور اس طرح ہم روانہ ہوئے تھے پھر جب رسول اللہ ﷺ غزوہ سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور ہم مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو ایک رات آپ ﷺ نے کوچ کا اعلان کرا دیا۔ جب کوچ کا اعلان ہو رہا تھا تو میں (قضاء حاجت کے لئے تنہا) اٹھی اور قضاء حاجت کے بعد کجاوے کے قریب آ گئی۔ وھاں پہنچ کر جو میں نے اپنا سینہ ٹٹولا تو میرا ظفار کی جزع کا ہار موجود نہیں تھا، اسلئے میں وہاں دوبارہ پہنچی (جہاں قضاء حاجت کے لئے گئی تھی) اور میں نے ہار کو تلاش کیا۔ اس تلاش میں دیر ہوگئی اس عرصے میں وہ اصحاب جو مجھے سوار کرتے تھے آئے اور میرا ہودج اٹھا کر میرے اونٹ پر رکھ دیا۔ وہ یہی سمجھے کہ میں اس میں بیٹھی ہوئی ہوں، ان دنوں عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں، بھاری بھرکم نہیں۔ گوشت ان میں زیادہ نہیں رہتا تھا، کیونکہ سب معمولی غذائیں کھاتی تھیں اس لئے ان لوگوں نے ہودج کو اٹھایا تو انہیں اس کے بوجھ میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا، میں یوں بھی نوعمر لڑکی تھی۔ چنانچہ ان اصحاب نے اونٹ کو ہانک دیا اور خود بھی اس کے ساتھ چلنے لگے۔ جب لشکر روانہ ہو چکا تو مجھے اپنا ہار ملا اور پڑاؤ کی جگہ آئی لیکن وہاں کوئی متنفس موجود نہ تھا ،اس لئے میں اس جگہ گئی جہاں پہلے میرا قیام تھا، میرا خیال تھا کہ جب وہ لوگ مجھے اپنی جگہ نہیں پائیں گے تو یہیں لوٹ کر آئیں گے (اپنی جگہ پہنچ کر) میں یوں ہی بیٹھی ہوئی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی اور میں سو گئی۔ صفوان بن معطل سلمی ثم زکوانی رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے تھے (تاکہ لشکریوں کی گری پڑی چیزوں کو اٹھا کر انہیں ان کے مالک تک پہنچائیں۔ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے آپ اسی کام کے لئے مقرر تھے) وہ میری طرف سے گزرے تو ایک سوئے انسان کا سایہ نظر پڑا اس لئے اور قریب پہنچے۔ پردہ کے حکم سے وہ پہلے مجھے دیکھ چکے تھے ان کا ان اللہ پڑھنے سے میں بھی بیدار ہوگئی تھی، آخر انہوں نے اپنا اونٹ بٹھایا اور اس کے اگلے پاؤں کو موڑ دیا (تاکہ بلا کسی مدد کے میں خود سوار ہوسکوں) چنانچہ میں سوار ہوگئی۔ اب وہ اونٹ پر مجھے بٹھائے ہوئے خود اس کے آگے آگے چلنے لگے، اسی طرح جب ہم لشکر کے قریب پہنچے تو لوگ بھری دوپہر میں آرام کے لئے پڑاؤ ڈال چکے تھے (اتنی ہی بات تھی جس کی بنیاد پر) جسے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا۔ اور تہمت کے معاملے میں پیش پیش عبد اللہ بن ابی بن سلول (منافق) تھا پھر ہم مدینہ آ گئے اور میں ایک مہینہ تک بیمار رہی۔ تہمت لگانے والوں کی باتوں کا خوب چرچا ہو رہا تھا، اپنی اس بیماری کے دوران مجھے اس سے بھی شبہ ہوتا تھا کہ ان دنوں رسول اللہ ﷺ کا وہ لطف و کرم بھی

میں نہیں دیکھتی تھی جس کا مشاہدہ اپنی پچھلی بیماریوں میں کر چکی تھی ۔بس آپ ﷺ گھر میں جب آتے تو سلام
کرتے اور صرف اتنا فرما لیتے کہ مزاج کیسا ہے؟ جو باتیں تہمت لگانے والے پھیلا رہے تھے، ان میں سے کوئی
بات مجھے معلوم نہیں تھی جب میری صحت کچھ ٹھیک ہوئی تو (ایک رات) میں ام مسطح کے ساتھ مناصع کی طرف گئی ۔
یہ ہماری قضائے حاجت کی جگہ تھی ہم صرف یہاں رات ہی میں آتے تھے، یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ابھی
ہمارے گھروں کے قریب بیت الخلا نہیں بنے تھے ۔میدان میں جانے کے سلسلے میں (قضائے حاجت کے لئے)
ہمارا طرز عمل قدیم عرب کی طرح تھا ۔ میں اور ام مسطح بنت ابی وہم چل رہی تھی کہ وہ اپنی چادر میں الجھ کر گر پڑی
اور ان کی زبان سے نکل گیا ۔مسطح برباد ہو، میں نے کہا بری بات آپ نے زبان سے نکالی ۔ایسے شخص کو برا کہہ رہی
ہیں آپ جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے وہ کہنے لگے، اے جو کچھ ان سبھوں نے کہا ہے وہ آپ نے نہیں سنا، پھر
انہوں نے تہمت لگانے والوں کی ساری باتیں سنائیں اور ان باتوں کو سن کر میری بیماری اور بڑھ گئی ۔ میں جب
اپنے گھر واپس ہوئی تو رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے اور دریافت فرمایا، کیسا ہے مزاج ؟ میں نے آپ
ﷺ سے عرض کیا آپ ﷺ مجھے والدین کے یہاں جانے کی اجازت دیجئے ۔اس وقت میرا ارادہ یہ تھا کہ ان
سے اس خبر کی تحقیق کروں گی ۔آنحضور ﷺ نے مجھے جانے کی اجازت دے دی، اور میں جب گھر آئی تو میں
نے اپنی والدہ سے ان باتوں کے متعلق پوچھا جو لوکوں میں پھیلی ہوئی تھیں ۔انہوں نے فرمایا، بیٹی اس طرح کی
باتوں کی پرواہ نہ کرو، خدا کی قسم! شاید ہی ایسا ہو کہ تجھ جیسی حسین وخوبصورت عورت کسی مرد کے گھر میں ہو اور اس
کی سوکنیں بھی ہوں، پھر بھی اس طرح کی باتیں نہ پھیلائی جایا کریں ۔ میں نے کہا سبحان اللہ (سوکنوں کا کیا ذکر)
وہ تو دوسرے لوگ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں ۔انہوں نے بیان کیا کہ وہ رات میں نے وہیں گزاری، صبح
تک یہ عالم تھا کہ آنسو نہیں تھمتے تھے اور نہ نیند آئی ۔صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ !نے اپنی بیوی کو جدا کرنے کے
سلسلے میں مشورہ کرنے کے لئے علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زیدؓ کو بلوایا، کیونکہ وحی (اس سلسلے میں) اب تک
نہیں آئی تھی ۔اسامہؓ کو آپ کے اپنے اہل کے ساتھ محبت کا علم تھا اس لئے اسی کے مطابق مشورہ دیا اور کہا آپ کی
بیوی یا رسول اللہ ﷺ رسول اللہ بخدا ہم ان کے متعلق خیر کے سواء اور کچھ نہیں جانتے ۔لیکن علیؓ نے فرمایا، یا رسو
ل اللہ ﷺ اللہ تعالی نے آپؐ پر کوئی (تنگی اس سلسلے میں) نہیں کی ۔عورتیں ان کے سواء بھی بہت ہیں ۔باندی

سے بھی آپؐ دریافت کر لیجئے، وہ سچی بات بیان کریں گی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بریرہؓ کو بلایا (عائشہؓ کی خاص خادمہ) اور دریافت فرمایا، بریرہؓ کیا تم نے عائشہ میں کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جس سے تمہیں شبہ ہوا ہو۔ بریرہؓ نے عرض کیا، انہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے ان میں ایسی کوئی چیز بھی نہیں دیکھی جس کا عیب میں ان پر لگا سکوں۔ اتنی بات ضرور ہے کہ ان کی بے پروائی اور غفلت کی وجہ سے بکری آتی ہے اور کھا لیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی دن (منبر پر) کھڑے ہو کر عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں مدد چاہی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسے شخص کے بارے میں میری کون مدد کرے گا جس کی مجھے اذیت اور تکلیف دہی کا سلسلہ اب میری بیوی کے معاملے تک پہنچ چکا ہے، بخدا، اپنی بیوی کے بارے میں خیر کے سواء اور کوئی چیز مجھے معلوم نہیں (ان کی جرات تو دیکھئے کہ) نام بھی اس معاملے میں انہوں نے ایک ایسے آدمی کا لیا جس کے متعلق بھی خیر کے سواء اور کچھ نہیں جانتا۔ خود میرے گھر میں جب بھی وہ آئے ہیں تو میرے ساتھ ہی آئے (یہ سن کر) سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا ''یا رسول اللہ واللہ میں آپ کی مدد کرونگا۔ اگر وہ شخص (جس کے متعلق آپ نے تہمت لگانے کا اشارہ کیا ہے) اوس سے ہوگا تو ہم اس کی گردن ماریں گے (کیونکہ سعد بن معاذ قبیلہ اوس کے سردار تھے) اور خزرج کا آدمی ہوا تو آپ حکم دیں، جو بھی آپؐ کا حکم ہوگا ہم تعمیل کریں گے اس کے بعد سعد بن عبادہؓ کھڑے ہوئے جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے۔ حالانکہ اس سے پہلے آپ بہت صالح تھے، لیکن اس وقت (سعد بن معاذ کی بات پر) حمیت سے غصہ ہو گئے اور کہنے لگے (سعد بن معاذؓ سے) ''خدا کے دوام و بقاء کی قسم! تم جھوٹ بولتے ہو نہ تم اسے قتل کر سکتے ہو اور نہ تمہارے اندر اس کی طاقت ہے۔''

پھر اسد بن حضیرؓ کھڑے ہوئے (سعد بن معاذؓ کے چچا زاد بھائی) اور کہا م کہ خدا کی قسم! ہم اسے قتل کر دیں گے (اگر رسول اللہ ﷺ کا حکم ہوا تو) کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ تم بھی منافق ہو، کیونکہ منافقوں کی طرف سے مدافعت کرتے ہو، اس پر اوس وخزرج دونوں قبیلوں کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور آگے بڑھنے ہی والے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جو ابھی تک منبر پر تشریف رکھے تھے منبر سے اترے اور لوگوں کو نرم کیا۔ اب سب لوگ خاموش ہو گئے اور حضور اکرم ﷺ بھی خاموش ہو گئے، میں اس دن بھی روتی رہی، نہ میرے آنسو تھمتے تھے اور نہ نیند آتی تھی۔

پھر میرے پاس میرے والدین آئے میں دوراتوں اور ایک دن سے برابر روتی رہی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روتے روتے میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔انہوں نے بیان کیا کہ والدین ابھی میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک انصاری خاتون نے اجازت چاہی اور میں نے ان کو اندر آنے کی اجازت دیدی اور وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر رونے لگیں۔ہم سب اسی طرح (بیٹھے رورہے) تھے کہ رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔جس دن سے میرے متعلق وہ باتیں کہی جارہی تھی جو کبھی نہیں کہی گئی تھیں،اس دن سے میرے پاس آپؐ نہیں بیٹھے تھے آپ ﷺ ایک مہینے تک انتظار کرتے رہے تھے لیکن میرے معاملے میں کوئی وحی آپ ﷺ نازل نہیں ہوئی تھی، عائشہ نے بیان کیا کہ پھر حضور اکرم ﷺ نے تشہد پڑھی اور فرمایا ''عائشہ: تمہارے متعلق مجھے یہ باتیں معلوم ہوئی ہیں۔اگر تم اس معاملے میں بری ہو تو اللہ تعالی بھی تمہاری برات ظاہر کر دے گا اور اگر تم نے گناہ کیا ہے تو اللہ تعالی سے مغفرت چاہو اور اس کے حضور توبہ کرو کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالی بھی اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔جوں ہی حضور اکرم ﷺ نے اپنی گفتگو ختم کی، میرے آنسو اس طرح خشک ہو گئے کہ اب ایک قطرہ بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے میرے متعلق کہئے،لیکن انہوں نے فرمایا، بخدا مجھے نہیں معلوم کہ مجھے حضور ﷺ کو کیا کہنا چاہئے پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا، اس سے متعلق آنحضور ﷺ سے آپ کچھ کہئے، انہوں نے بھی یہی فرما دیا کہ بخدا مجھے نہیں معلوم کہ رسول اللہ ﷺ سے کیا کہنا چاہئے۔انہوں نے بیان کیا کہ میں ایک نوعمر لڑکی تھی قرآن مجھے زیادہ یاد نہیں تھا۔میں نے کہا خدا گواہ ہے مجھے معلوم ہوا ہے آپ لوگوں نے بھی لوگوں کی افواہیں سنی ہیں اور آپ لوگوں کے دل میں وہ بات بیٹھ گئی ہے اور اس کی تصدیق بھی آپ لوگ کر چکے ہیں، اس لئے اب اگر میں کہوں کہ میں (اس بہتان سے) بری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں واقعی اس سے بری ہوں، تو آپ لوگ میری اس معاملے میں تصدیق نہیں کریں گے۔لیکن اگر میں (گناہ کو) اپنے ذمے لے لوں، حالانکہ اللہ تعالی خوب جانتا ہے کہ اس سے بری ہوں تو آپ لوگ میری بات کی تصدیق کر دیں گے۔بخدا میں اس وقت اپنی اور آپ لوگوں کی کوئی مثال، یوسفؑ کے والد (یعقوبؑ) کے سوا نہیں پاتی کہ انہوں نے بھی فرمایا تھا ''پس مجھے صبر وجمیل عطا ہو اور جو کچھ تم کہتے ہو اس معاملے میں میرا مددگار اللہ تعالی ہے'' اس کے

بعد بستر پر میں نے اپنا رخ دوسری طرف کرلیا اور مجھے امید تھی کہ خود اللہ تعالی میری برات کریں گے ۔لیکن میرا یہ خیال کبھی نہ تھا کہ میرے متعلق وحی نازل ہوگی میری اپنی نظر میں حیثیت اس سے بہت معمولی تھی کہ قرآن مجید میں میرے متعلق کوئی آیت نازل ہو ۔ہاں مجھے اتنی امید ضرور تھی کہ آپ ﷺ خواب ضرور دیکھیں گے جس میں اللہ تعالی مجھے بری فرمادیں گے ۔خدا گواہ ہے کہ ابھی آپ ﷺ اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے اور نہ اس وقت تک گھر میں موجود کوئی باہر نکلا تھا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہونے لگی ۔اور (شدت وحی سے) آپ جس طرح پسینے پسینے ہو جاتے تھے وہی کیفیت اب بھی تھی ، پسینے کے قطرات موتیوں کی طرح آپؐ کے جسم مبارک سے گرنے لگے، حالانکہ سردی کا موسم تھا ۔جب وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو آپؐ ہنس رہے تھے اور سب سے پہلا کلمہ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا آپ نے فرمایا ''عائشہ اللہ کی حمد بیان کرو اس نے تمہیں بری قرار دیا ۔''میری والدہ نے کہا جاؤ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا کے کھڑی ہو جاؤ میں نے کہا، خدا کی قسم! میں حضور کے سامنے جا کھڑی نہیں ہونگی اور سوائے اللہ اور کسی کی حمد بیان نہیں کرونگی ۔اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی ۔(ترجمہ) ''جن لوگوں نے تہمت تراشی کی ہے وہ تم میں سے کچھ لوگ ہیں'' جب اللہ تعالی نے میری برات میں یہ آیت نازل فرمائی تو ابوبکرؓ نے جو مسطح بن اثار کے اخراجات قرابت کی وجہ سے خود ہی اٹھاتے تھے کہا کہ بخدا ، اب میں مسطح پر کوئی چیز نہیں خرچ کرونگا کہ وہ بھی عائشہؓ پر تہمت لگانے میں شریک تھے (آپ غلط فہمی اور نادانستہ طور پر شریک ہو گئے تھے)اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی ''تم میں سے صاحب فضل و صاحب مال لوگ قسم نہ کھائیں' اللہ تعالی کے ارشاد غفور الرحیم تک'' ابوبکرؓ نے کہا خدا کی قسم! بس اب میری یہی خواہش ہے کہ اللہ تعالی میری مغفرت کردے (مسطح کے معاملے میں اللہ تعالی کی مرضی کے خلاف رویہ اختیار کرنے کی وجہ سے) چنانچہ مسطح کو جو آپؓ پہلے دیا کرتے تھے، وہ پھر دینے لگے ۔رسول اکرم ﷺ نے زینب بنت جحش (ام المومنینؓ) سے بھی میرے متعلق پوچھا تھا ۔آپ ﷺ نے دریافت کیا تھا کہ زینبؓ تم عائشہؓ کے متعلق کیا جانتی ہو اور کیا دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی حفاظت کرتی ہوں (کہ جو چیز نہ دیکھی ہو اور نہ سنی ہو وہ میں آپ سے کیسے بیان کر سکتی ہوں) خدا گواہ ہے کہ میں نے ان میں خیر کے سواء اور کچھ نہیں دیکھا ۔عائشہؓ نے بیان کیا کہ یہی میری ہمسر تھیں ۔لیکن اللہ تعالی نے انہیں تقویٰ کی وجہ سے بچالیا (کسی خلاف واقعہ بات کہنے سے) ابوالربیع نے بیان کیا

کہ ہم سے فلیح نے حدیث بیان کی ،ان سے ہشام بن عروہ نے ،ان سے عروہ نے اور ان سے عائشہؓ ورعبداللہ بن زبیرؓ نے (اسی حدیث کیطرح ابوالربیع نے دوسری سند میں) بیان کیا کہ ہم سے فلیح نے حدیث بیان کی ان سے ربیع بن ابی عبدالرحمٰن اور یحییٰ بن سعید نے اور ان سے قاسم بن محمد ابن ابی بکر نے ،اسی حدیث کی طرح ۔''

نتیجہ بحث :

خواتین کی شہادت کے حوالے سے ان کے مقام ،حیثیت کے حوالے سے اسلامی دور کا تجزیہ پیش کیا گیا ۔اسلامی عہد سے پہلے کا زمانہ محققین کی نظر میں خواتین کے لئے آزادانہ میل جول ،سماجی زندگی میں اختیارات کا زمانہ تھا ۔یعنی مادری نظام قائم تھا ۔اسلام کے ظہور کے وقت مادری نظام پدری نظام میں تبدیلی کے عمل سے گزر رہا تھا ایسی صورتحال میں اسلام نے پدری نظام کو تقویت بخشی اور خواتین کی وہ آزادیاں جو اسے قبل اسلام حاصل تھیں انکو محدود کر دیا گیا ۔

لیکن ابتداء اسلام کا زمانہ یہ گواہی دیتا ہے کہ خواتین کی شہادت کو تسلیم کیا گیا ہے آپ ﷺ سے کئی واقعات ثابت ہیں جن میں انہوں نے خواتین کی رائے کو اہم سمجھا اور اس پر فیصلہ کیا ۔اور اسی طرح صحابہ اکرامؓ کے واقعات بھی تاریخ کے صفحات میں موجود ہے جنہوں نے خواتین کی گواہی کو تسلیم کیا ۔اور ان کی آراء کے مطابق فیصلے کئے ۔

اسلامی تاریخ کا سب سے اہم پہلو اس حوالے سے یہ ہے کہ خواتین کی شہادت پر اعتماد کیا گیا خاص طور پر احادیث کی روایات کے حوالے سے ۔کیونکہ اسلامی تعلیمات کا اہم ترین ماخذ میں سے ایک احادیث کا مجموعہ ہے لہٰذا شروع سے ہی خواتین کی روایات کو معتبر تسلیم کیا گیا ۔

لیکن بعد کے ادوار خصوصاً عباسی دور میں خواتین پر اعتماد اور ان کے حقوق کے حوالے سے استحصالی پہلو نمایاں ہونے لگے ۔پھر رفتہ رفتہ گزرتے زمانے کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشروں میں خواتین کے حوالے سے ایسے قوانین وجود میں آئے جن کی روشنی میں ان کی گواہی کو آدھا تصور کیا گیا اور مردوں کو عورتوں کے مقابلے میں اولیت دی گئی ہے ۔گویا اسلام کے اولین دور کے رویوں اور بعد کے ادوار کے رویوں میں کافی بعد پایا جاتا ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ ائمہ مفکرین میں خواتین کی شہادت کے بارے میں مختلف آراء موجود ہیں جن میں سخت اختلاف پایا جاتا رہا ہے۔

عصر حاضر میں اس کی ضرورت مزید بڑھ گئی ہے کہ خواتین کی شہادت کے حوالے سے قوانین سازی پر نظر ثانی کی جائے اور خواتین کی شہادت پر وہ اعتماد جو ابتدائے اسلام میں موجود تھا اس کی روح کو مدنظر رکھا جائے۔

﴿حوالہ جات﴾

1 ۔فکر ونظر، سہ ماہی مجلّہ، طاسین، مولانا، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی، جنوری تا مارچ ۱۹۹۱ء، ص ۱۰۳ تا ۱۰۴

2 ۔مادر کائنات، سرکار زینی جارچوی، کراچی، شمع بک ایجنسی، ۲۰۰۰ء، ص ۲۳۸

3 ۔ایضاً

4 ۔ایضاً، ص ۲۸۹

5 ۔اسلام اور عورت، محمد فاروق خان، ڈاکٹر، رضوانہ فاروق، ڈاکٹر، لاہور، دارالتزکیر، ۲۰۰۴ء، ص ۷

6 ۔ایضاً، ص ۱۷۷

7 ۔ایضاً

8 ۔فکر ونظر، سہ ماہی مجلّہ، طاسین، مولانا، بحولہ بالا، ص ۱۰۵

9 ۔مادر کائنات، سرکار زینی جارچوی، بحولہ بالا، ص ۵۱

10 ۔فکر ونظر، سہ ماہی مجلّہ، طاسین، مولانا، بحولہ بالا، ص ۱۰۶

11 ۔صنف نازک کی حاکمیت، محمد لطیف، پروفیسر، راولپنڈی، مکتبہ رشیدیہ، ۱۹۹۸ء، ص ۱۳۴

12 ۔فکر ونظر، سہ ماہی مجلّہ، طاسین، مولانا، بحولہ بالا، ص ۱۱۰

13 ۔اسلام قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، محبت حسین اعوان، کراچی، مکتبہ البخاری، ۲۰۰۲ء، ص ۱۱۸

14 ۔جدید دنیا میں اسلامی قوانین اور خواتین ۔ بین الاقوامی کانفرنس جائنٹ فورم، (ترجمہ صدیق شبلی، ڈاکٹر،) (نظر ثانی رشید جالندھری، ڈاکٹر) اسلام آباد، باشتراک ویمن ڈیولپمنٹ فنڈ، ۲۰۰۰ء، ص ۱۷۳ تا ۱۷۴

15 ۔القرآن، ۵:۱۰۶

16 ۔شہادت کی شرعی حیثیت، منظور احمد، کراچی، اسلامک لاء ریسرچ اینڈ ایجوکیشن ٹرسٹ، ۱۹۹۶ء، ص ۳۰۷

17۔مادر کائنات،سر کار زینی جارچوی،محولہ بالا،ص ۱۶۷

18۔القرآن۲۴:۴

19۔ ہفت روزہ ایشیا،لاہور،ڈاکٹر ذاکر نائیک،۱۱اپریل ۲۰۰۱ء،ص ۲۹

20۔القرآن،۲۴:۶

21۔القرآن،۶۵:۲

22۔اسلام قانون اور مظلوم پاکستانی عورت،محبت حسین اعوان،محولہ بالا،ص ۱۱۶ تا ۱۱۷

23) کتاب الفقہ (جز پنجم شرعی حدود) تالیف عبدالرحمان الجزیری، (ترجمہ منظور احسن عباسی) لاہور، علماء اکیڈمی، س ۔ن ،ص ۱۴۲

24۔القرآن،۴:۱۵

25۔اسلام میں عورت کی گواہی آدھی نہیں،سید محمد انور،لاہور،مشعل،س ۔ن ،ص ۹۸

26۔ایضاً،ص ۹۸

27۔اسلام قانون اور مظلوم پاکستانی عورت،محبت حسین اعوان،محولہ بالا،ص ۱۲۱

28۔نفاذ حدود میں شہادت کا اثر،انور محمود یوسف ڈیُور،ڈاکٹر، (ترجمہ سید نظیر الحسن گیلانی) لاہور،ضیاء القرآن پبلیکیشنز،۱۹۸۶ء،ص ۱۰۶

29۔القرآن،۲۴:۶ تا ۸

30۔فکر و نظر،سہ ماہی مجلّہ،طاسین،مولانا،محولہ بالا،ص ۱۰۹

31۔القرآن،۴:۶

32۔اسلام قانون اور مظلوم پاکستانی عورت،محبت حسین اعوان،محولہ بالا،ص ۱۱۷

33۔فکر و نظر،سہ ماہی مجلّہ،طاسین،مولانا،محولہ بالا،ص ۱۱۲

34۔ایضاً،ص ۱۱۰

35۔عورتوں کے بارے قرآنی احکام،رفیع اللہ شہاب،پروفیسر،لاہور،دوست ایسوسی ایٹس،۱۹۹۶ء،ص ۱۲۶

36۔ایضاً

37۔ہفت روزہ ایشیا بحولہ بالا،ص ۲۸

38۔دائرہ معارف اسلامیہ،لاہور،زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب،۱۹۷۵ء،ص ۲۸۰

39۔صنف نازک کی حاکمیت،محمد لطیف،پروفیسر بحولہ بالا،ص ۱۳۲

40۔ہفت روزہ ایشیا بحولہ بالا،ص ۲۸

41ایضاً،ص ۲۸

42۔اسلام اور مظلوم پاکستانی عورت،محبت حسین اعوان بحولہ بالا،ص ۱۲۲

43۔مادر کائنات،سر کار زینی جارچوی بحولہ بالا،ص ۱۶۵

44۔ایضاً،ص ۱۶۵تا۱۶۶

45۔ایضاً،ص ۱۶۶

46۔سیرت النبی،شبلی نعمانی،طبع المصر،س۔ن،ص ۸

47۔مادر کائنات،سر کار زینی جارچوی بحولہ بالا،ص ۱۶۶

48۔اسلام میں عورت کی گواہی آدھی نہیں،محمد انور،سید بحولہ بالا،ص ۴۸تا۵۱

49۔شہادت کی شرعی حیثیت،منظور احمد،ایڈوکیٹ بحولہ بالا،ص ۹۹

50۔مادر کائنات،سر کار زینی جارچوی بحولہ بالا،ص ۱۶۱

51۔اسلام میں عورت کی گواہی آدھی نہیں،محمد انور،سید بحولہ بالا،ص ۵۲تا۵۳

52۔ایضاً،ص ۷۱

53۔اسلامی قانون شہادت،تنزیل الرحمٰن،ڈاکٹر،لاہور،پی ایل ڈی پبلشرز،۱۹۸۸ء،ص ۸۳

54۔فکر ونظر،سہ ماہی مجلّہ،طاسین،مولانا بحولہ بالا،ص ۱۱۱تا۱۱۲

55۔ہفت روزہ ایشیا بحولہ بالا،ص ۲۹

56۔الھدایہ،برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی،شیخ،طبع کتب خانہ رشیدیہ،دھلی،۱۳۵۸ھ،ص ۱۲۵،جلد ۳

57۔فکرونظر، سہ ماہی مجلّہ، طاسین، مولانا ص ۱۰۶

58۔سہاہی، منہاج، لاہور، جولائی ۱۹۸۴ء، جلد۲، شمارہ ۳، ص ۱۷۶ تا ۱۷۷

59۔دائرہ معارف اسلامیہ، محولہ بالا، ص ۸۱۸

60۔عورت جنسی تفریق اور اسلام، لیلیٰ احمد، (ترجمہ خلیل احمد) لاہور، مشعل، ۱۹۹۲ء، ص ۶۱

61۔ایضاً، ص ۶۱ تا ۶۲

62۔ایضاً، ص ۶۴

63۔ایضاً

64۔ایضاً، ص ۶۲

65۔ایضاً، ص ۸۷

66۔ایضاً، ص ۱۰۰

67۔ایضاً، ص ۱۰۱

68۔سہ ماہی منہاج، محولہ بالا، ص ۲۰۲ تا ۲۰۳

69۔عورت اسلام اور جنسی تفریق، لیلیٰ احمد، محولہ بالا، ص ۱۰۱

70۔ایضاً، ص ۱۰۳

71۔ایضاً، ص ۱۱۷

72۔عورت اسلامی معاشرہ میں، سید جلال الدین عمری، اسلامک پبلشر لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۲۰۱ تا ۲۰۳

73۔عورت اسلام اور جنسی تفریق، لیلیٰ احمد، محولہ بالا، ص ۶۸

74۔ایضاً، ص ۶۸

75۔ایضاً، ص ۱۰۲

76۔ایضاً

77۔مادر کائنات، سرکار زینی جارچوی، محولہ بالا، ص ۱۶۷

78۔ ایضاً

79۔ ایضاً،ص ۱۶۷ تا ۱۶۸

80۔عورت جنسی تفریق اور اسلام،محولہ بالا،ص ۱۰۲ تا ۱۰۳

81۔فکرونظر، سہ ماہی مجلّہ، طاسین، مولانا محولہ بالا،ص ۱۲۹ تا ۱۳۰

82۔ ایضاً،ص ۱۳۰

83۔ ایضاً،ص ۱۳۱ تا ۱۳۲۔

84۔ ایضاً،ص ۱۳۳

85۔ ایضاً،ص ۱۳۳

86۔ ایضا،ص ۱۳۴

87۔صحیح بخاری،محمد بن اسماعیل بخاری، لاہور، دینی کتب خانہ، ۱۹۷۷ء، باب نمبر ۱۶۵۷

88۔ ایضاً، ۱۶۵۸

باب چہارم

مسلم اور غیر مسلم معاشرے میں خواتین کی شہادت، اہمیت اور حیثیت کا تعین

فصل اوّل: مسلم معاشرے میں خواتین کی اہمیت وحیثیت کا جائزہ:

یہ قانون فطرت ہے کہ جب انسانی معاشرے میں اعتدال کا دور دورا ہوتا ہے۔اور فطرت کے آفاقی معتدل اصولوں کے مطابق معاشرے کی تعمیر وتشکیل کا عمل جاری وساری رہتا ہے تو وہ معاشرے بام عروج پر پہنچتے ہیں تاریخ انسانی گواہ ہے جب کبھی انسانی معاشرے میں افراط وتفریط اور طبقاتی کشمکش کا غلبہ ہوا وہ معاشرہ زوال سے ہمکنار ہو گیا۔اور رفتہ رفتہ اس کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہ گیا اگر انسانی فطرت کا جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ انسانوں میں خیر وشر، محبت، عداوت دونوں طرح کی کیفیات پائی جاتی ہیں جہاں انسانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے والے انسانوں کا غلبہ نظر آتا ہے وہاں انسانوں میں عدل وانصاف، محبت واخوت کی فضاء پیدا کرنے والی ہستیوں کا تسلسل بھی نظر آتا ہے۔ حالات وزمانہ کے بدلنے کے ساتھ ساتھ نئے تقاضے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔اگر بدلتے ہوئے ان حالات کے تیوروں کو اگر نہ سمجھا جائے تو معاشرہ اعتدال کے راستوں سے ہٹ کر جمود اور طبقاتی کشمکش کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خالق کائنات نے ہر دور کی معاشرتی خرابیوں کا تدارک کرنے کے لئے ایسے حکماء، انبیاء، صلحاء پیدا کئے جنہوں نے معاشرے کی بدلتی ہوئی اس روش کو پھر سے اعتدال کی راہوں پر ڈالا۔ خالق کائنات نے قرآن حکیم کی صورت میں ایک ایسا نظریہ حیات نسل انسانی کو ودیعت کیا۔ جو زندگی کے ہر شعبے میں انسانوں کو ایسے آفاقی اصول مہیا کرتا ہے۔ جن کو اختیار کر کے زوال سے نکلا جا سکتا ہے اور معاشرہ فطری ارتقاء سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

قرآن حکیم جہاں زندگی کے دیگر شعبہ جات میں رہنمائی کرتا ہے وہاں اس نے انسانی سماج کے ارتقاء کی بنیادی اساس مرد وعورت کے باہمی تعلق کو بھی بڑی اہمیت دی ہے۔اور اس سلسلے میں رائج معاشرے کی فرسودہ

روایات ،تصورات، رسم ورواج کی مذمت کی ہے جن کی بدولت عورت کو ذلت وپستی کی تصویر بنادیا گیا تھا تاریخ کے روح فرسا واقعات جن سے عورت کی عزت وعصمت کی پامالی اس کے حقوق کی خلاف ورزی سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورت معاشرہ انسانیت میں مظلومیت کی تصویر عبرت بنی رہی اس کا غم خوار کوئی نہ تھا ہر فکر وفلسفہ اور مذہبی روایت اس کے استحصال کے لئے کمربستہ تھے۔ زندگی کے رنگ اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتے تھے فقط دوسروں کی زندگیوں کو سکون اور تسکین بخشنے کے لئے وہ ان گنت قربانیوں کی بھینٹ چڑھنے کے لئے تیار رکھی جاتی تھی۔ اس کی اپنی سوچ ،احساسات ،اظہار رائے ،جبر واستبداد کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گھٹ کر رہ گئے تھے۔ کائنات کو رنگ ونور سے مزین کرنے والی خود بے رنگ ونور تھی۔ چنانچہ اس مظلوم و بے کس کے دل کی صدائیں خالق کائنات نے بالآخر سن لیں اور اس کی عزت وعصمت وعظمت کی بحالی کے لئے اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیئے اور ایک ایسے مسیحا ﷺ کو مبعوث کیا۔جس نے قرآن حکیم کی صورت میں آزادی وحریت اور عدل کے ایسے دستور کا اعلان کیا۔جس کی رو سے عورت کی صدیوں سے حق تلفی اور مظلومیت کا ازالہ ہونا تھا۔معروف اسکالر مولانا محمد ظفیر الدین اس حقیقت کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ۔

''اعتدال کے فطری نقطہ پر اسلام نے انسانوں کو لاکھڑا کردیا جس کا جو حق تھا وہی حق اس کو دلایا گیا۔ جور وستم کی چکیوں میں پسنے والی صنف نازک ''عورت'' کو بھی پوری قوت کے ساتھ اسلام نے اپنے دامن حمایت کے سایہ میں لیا۔ ناموس انسانی کی قدر و قیمت کے سوال کو زندہ کیا گیا۔اس راہ میں کسی قسم کی چشم پوشی روا نہ رکھی گئی، بدکاری اور بے آبروئی کے جتنے سرچشمے تھے ایک ایک کر کے بند کئے گئے،ازدواجی تعلقات کے آئین وقانون حدود میں لاکر جنسی میلانات کو اعتدال کا پابند بنایا گیا اور نسل انسانی کے اضافہ کی صحت بخش طریقے نافذ کئے گئے۔ عائلی زندگی کو خوشگوار ماحول کے قالب میں ڈھالا گیا۔ بجائے لعنت کے عورت رحمت وسکینت کا مظہر ٹھہرائی گئی ترک نکاح کی راھبانہ نظریہ کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے ازدواجی زندگی پر زور دیا گیا اور اسے ضروری قرار دیا گیا۔ (1)''

اسلام نے عورت کی آزادی اور حقوق کی صدا بلند کر کے انسانی معاشرے کو صحت مند تمدن کی تشکیل کی دعوت دی اور تمدنی زندگی کی اساس مرد وعورت دونوں کو برابر قرار دیا۔سید جلال الدین عمری نہایت خوبصورت انداز سے

اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

''اسلام کے آنے سے پہلے دنیا نے عورت کو ایک غیر مفید بلکہ مخل تمدن عنصر سمجھ کر میدان عمل سے ہٹا دیا تھا اور پستی کے ایک ایسے غار میں پھینک دیا تھا جس کے بعد اسکے ارتقاء کی کوئی توقع نہیں تھی ۔ اسلام نے دنیا کی اس روش کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور بتایا کہ زندگی مرد اور عورت دونوں ہی کی محتاج ہے عورت اس لئے نہیں پیدا کی گئی کہ اسے دھتکارا جائے اور شاہراہ حیات سے کانٹے کی طرح ہٹا دیا جائے کیونکہ جس طرح مرد اپنا مقصد وجود رکھتا ہے اسی طرح عورت کی تخلیق کی بھی ایک نہج ہے اور قدرت ان دونوں اصناف کے ذریعہ مطلوبہ مقاصد کی تکمیل کرارہی ہے۔''(2)

اکثر مذہبی روایتوں کے مطابق تخلیق آدم اور پھر تخلیق حوا کا جو نظریہ ہے اس کی اساس یہ ہے کہ ''انسان'' کا لفظ فقط مرد کے لئے ہے حوا تو اس آدم (مرد) کی پسلی سے ہے یعنی یہ اس کے اندر سے پیدا کی ہوئی ایک الگ مخلوق ہے ۔ اس طرح آغاز تخلیق ہی سے اس نظریے کو تقویت پہنچائی گئی کہ عورت مرد کے برابر انسان نہیں کہلا سکتی بلکہ اس کے وجود سے نکالی گئی ہے ایک کمتر شئے یا ہستی ہے ۔ لہٰذا آگے چل کر انسانی سماج کے دیگر مرحلوں میں اسے ایک کمتر مقام سے دوچار کر دیا گیا ہے ۔ اور مرد کو جسمانی اور عقلی اعتبار سے اس پر مسلط ہونے کا حقدار قرار دے دیا گیا ۔ اور بحیثیت انسان اس کے جملہ حقوق سلب کر لئے گئے ۔ تمام انسانی احساسات، خواہشات کا جائز حقدار مرد کو قرار دیا گیا۔ ''(قرآن) کہتا ہے کہ عورت اسی طرح انسان ہے جس طرح مرد انسان ہے اور انسانیت کے اس وصف میں دونوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ۔''(3)

قرآن حکیم عورت اور مرد کی تخلیق کے سرچشمے کو ایک قرار دیتا ہے ۔ ارشاد خداوندی ہے کہ۔

''یا ایھناس اتقو ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منھا زوجھا و بث منھما رجالا کثیرا و نساء''(4)

ترجمہ ۔ اے لوگو: اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا ئیں ۔

''حاصل جس کا یہی ہوا کہ مرد اور عورت ایک ہی سرچشمہ کی دو موجیں ہیں ''انسانیت'' کی حد تک

دونوں میں کمی بیشی کے خیالات کا تعلق واقعہ سے نہیں بلکہ صرف وسوسہ سے ہے۔اس آیت میں حقیقت واشگاف کی گئی ہے کہ عورت جس کو مردانسانیت سے خارج سمجھنے کی کوشش کررہے تھے ازسرتاپا غلط ہے ان دونوں کی ایک ہی جان سے پیدائش ہے اور پھر انہی سے مردوعورت کی یہ بہتات ہے عورت کو جداگانہ الگ مخلوق نہیں وہ انسان ہی ہے جیسے مرد انسان ہیں عورت و مرد دونوں کا منبع اور مخرج ایک ہی ہے پھر ان دونوں میں تفاوت ذاتی کیونکر ہو سکتا ہے بلکہ اس نسبت سے ہر ایک کو دوسرے کی قربت پر فخر کرنا چاہئے اور اپنے لئے باعث فخر وعزت سمجھنا چاہئے (5)''۔

'' لہذا حق انسانیت میں بھی دونوں برابر ہیں اور انسانی حقوق میں دونوں کے لئے یکساں آزادی حاصل ہے ۔عورت اسی طرح انسان ہے جس طرح مرد انسان ہے ۔اور انسانیت کے وصف میں دونوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں۔''(6)

''اسلام کا اعلان یہ ہے کہ عورت کوئی حقیر ونجس وجود نہیں ہے وہ کوئی لاعقل اور بے مقصد ہستی نہیں ہے وہ شیطان کی ایجنٹ یا گناھوں کی ٹھیکہ دار بنا کر نہیں اتاری گئی بلکہ جس نفس واحدہ سے مرد وجود میں آیا ہے اسی سے عورت بھی وجود میں آئی ہے اور جس طرح انسانی معاشرہ میں اہم رکن مرد ہے اسی طرح اس معاشرے کی دوسری اہم رکن عورت ہے''(7)

''جس طرح مرد معاشرہ کا ایک رکن ہے عورت بھی رکن ہے ۔جہاں تک جوڑے کا تعلق ہے یہ باور کرلیا کہ عورت اس میں ثانوی حیثیت رکھتی ہے یہ خیال باطل ہے اس لئے کہ نر کے بغیر مادہ اور مادہ کے بغیر نر کا جوڑا ہی نہیں بنتا۔ باالفاظ دیگر مرد عورت کے بغیر اور عورت مرد کے بغیر جوڑا نہیں بن سکتے جو عورتیں مرد کے بغیر اور جو مرد عورت کے بغیر ایسا تصور کرتے ہیں (جیسا کہ موجودہ دور میں ہونے لگا ہے کہ مرد اپنے ہم جنسوں سے اور عورتیں اپنی ہم جنسوں سے تعلق رکھیں وہ تصور ہی غلط ہے اس لئے کہ یہ دونوں الگ جنسیں نہیں بلکہ ایک جنس کی تکمیل ہے اور اس کا مفہوم انہی دونوں سے پورا ہوتا ہے)مرد میں حاملہ ہونے کی صلاحیت نہیں عورت میں مادہ تولید کے بغیر جو مرد میں ہے حاملہ ہونے کی صلاحیتیں نہیں ۔انسانی تخلیق اور افزائش کا عمل بھی ان دونوں کے امتزاج سے عمل میں آتا ہے (ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے دور میں بھی عورت مادہ تولید ہی کے ذریعے ماں بنتی ہے اس کا متبادل کوئی اور شئے

نہیں دریافت کی جا سکی ہے)صرف انسانوں ہی میں نہیں یہ تخلیقی عمل کے مراحل تمام جانداروں میں بھی اسی طرح ایک نراور ایک مادہ کے ذریعے پورے ہوتے ہیں ۔اس عمل کو عورت کی توہین اور مرد کی برتری یا مرد کی تذلیل اور عورت کی فضیلت پر محمول کرالینا سوائے حماقت کے اور کچھ بھی نہیں اللہ تعالیٰ نے کائنات کو اس طرح تخلیق کیا کہ ہے کہ اس کے تمام اجزاء ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں ۔ایک جز دوسرے کا محتاج اور دوسرا اس کا محتاج الیہ ہے ۔ یہ کلیہ بھی ہمیشہ کسی ایک جز کو محتاج نہیں رکھتا بلکہ کبھی جو محتاج ہو وہ محتاج الیہ اور محتاج الیہ ہے وہ محتاج بن جاتا ہے اس طرح نظام کائنات اپنے فطری مدار میں جاری وساری رہتا ہے اس نظام حیات کی افادیت اور اس کی کارکردگی کو سمجھنے کے لئے یہ لازمی ہے کہ پہلے تنگ نظری سے کنارہ کیا جائے ۔ مرد اگر مردوں کی برتری اور عورتیں صرف عورتوں کی برتری کے زعم میں مبتلا ہو جائیں تو کارخانہ حیات ہر لحہ کسی نئے مرحلے سے دوچار رہوتا رہے گا ۔ نہ گھر میں سکون ہو گا نہ بچوں کی تربیت اور نہ ہی مجموعی اعتبار سے معاشرہ کی اصلاح ممکن ہو گی ۔ بلکہ یہ تنازعہ بڑھتے بڑھتے ذہنوں میں سرائیت کر جائے تو سکون کا کیا شمار گھر بننے کا تصور بھی ختم ہو جائے گا ۔قرآنی آیت ان دونوں کو نفس واحد سے پیدا کرنے کا اعلان کرتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کی تخلیق کا عمل بالکل ایک جیسا ہے یہ عقیدہ تو پیدائش کے بعد کھلتا ہے کہ نومولود بیٹا ہے یا بیٹی ۔جدید سائنسی اور طبی تحقیقات بھی اس ضمن میں ابھی تک اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکیں جس سے بچوں کی جنس کا تعین ان کی پیدائش سے پہلے کیا جا سکے ۔اس پورے عمل میں پیدا ہونے والے کا کوئی قصور نہیں ہوتا اس کا رنگ ، شکل وصورت اور جنس کا تعین کرنا خود نومولود کے اختیار میں نہیں بلکہ ماں باپ بھی اس معاملے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے اور اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے ۔اب ایک ایسے امر کو بھی جو اس عمل کی تکمیل کے لئے بظاہر ایک وسیلہ بن رہے ہوں وہ عمل دخل حاصل نہیں ہوتا جو دنیا میں شامل ہونے والے نئے مرد پر جنس کے حوالے سے اعلیٰ وادنیٰ کی درجہ بندیوں کے حوالے سے دیکھنا عجیب لگتا ہے اگر یہ کہا جائے کہ مرد کو اعلیٰ کہہ کر اس پر جس انعام وعطا کی بارش کی جا رہی ہے اسمیں اس کی کسی محنت کو دخل نہیں ہے عورت کو حقیر اور معمولی سمجھ کر توہین آمیز سلوک کا مستحق گردانا جائے تو اس میں اس کا اپنا کوئی قصور یا عیب شامل نہیں ہے یہ تو اللہ کی جانب سے ہے کہ اس نے کسی کو مرد اور کسی کو عورت بنایا ۔ جہاں تک اس کی طرف سے فضیلت دیئے جانے کا تعلق ہے تو وہ فضیلت اعمال کے سبب ہے اس کا تعلق جسمانی

طاقت اور ذہنی صلاحیت سے نہیں ہے۔''(8)

''ایسی حدیث یا روایت لائق استناد نہیں۔مثلاً ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے اسی طرح ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی چیز میں منحوسیت ہو سکتی ہے تو گھوڑے، عورت اور مکان میں۔ یہ دونوں حدیثیں قرآن کے اعلان مساوات کی صریحاً تکذیب کرتی ہیں اور اس لئے ان کو حضور ﷺ کی جانب منسوب کرنا منصب نبوت کی تذلیل واہانت ہے''(9)

''اگر کوئی حدیث یا روایت ہمیں ایسی ملتی ہے جس سے قرآن کے اس اعلان کی براہ راست یا بالواسطہ تکذیب ہوتی ہے تو ایسی حدیث یا روایت لائق استناد نہیں مثلاً ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔اسی طرح ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی چیز میں منحوسیت ہو سکتی ہے تو گھوڑے، عورت اور مکان میں۔ یہ دونوں حدیثیں قرآن کے اعلان مساوات کی صریحاً تکذیب کرتی ہیں۔اور اس لئے نہیں حضور رسالتماب کی جانب منسوب کرنا منصب نبوت کی تذلیل واہانت ہے۔''(10) ''جاہلیت کے ظالم سماج نے اس صنف ضعیف کو عزت وناموس کے ہر حق سے محروم کر رکھا تھا بلکہ لڑکیوں کی پیدائش ہی باعث ننگ وعار تھی، خاندان کے لئے ایک بدنما داغ سمجھی جاتی تھی۔لہذا پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دینا باعث فخر تھا۔جاہلیت کے افراط وتفریط کا اس سے اندازہ لگایئے کہ ایک طرف فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے یعنی مقدس دیویوں کا عقیدہ، تو دوسری طرف رسم دختر کشی کی حمیت گداز اور انسانیت سوز رسم۔''(11)

عورت کو فطری طور پر ضعیف سمجھنا ہمارے مردوں کی اس ذہنیت کی عکاسی ہے جس میں ہم عورت کو مردوں کے مقابلے میں ضعیف کا درجہ دیتے ہیں اور پھر دوسرے درجے کی مخلوق بنا کر اس کا استحصال کرتے ہیں۔

''عورتوں کی عمومی حیثیت سے تمدنی ھنگامہ آرائیوں میں کودنے اور اجنبی مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی اسلامی ضوابط کی رو سے قطعاً اجازت نہیں ہے بلکہ اس قسم کے اقدامات مفسد تمدن واجتماع ہونگے اسلام میں چونکہ عورت کی معاشی اور تمدنی جدوجہد کا براہ راست کوئی حصہ نہیں ہے۔''(12)

''عورتوں کی تعلیم، ان کی قابلیت اور مقابلہ کی صلاحیتوں کو دیکھ کر کبھی کبھی علماء کی جانب سے یہ تحریک شدت سے

ابھرتی ہے کہ عورتوں کو تمام ملازمتوں سے نکال دیا جائے انہیں گھروں میں بند کر دیا جائے اورانہیں مرد کی رضا کا پابند کر دیا جائے اس قسم کے مطالبات کے پس منظر میں مردوں کا یہ خوف ہے کہ اگر عورتیں اس طرح سے آگے بڑھتی رہیں تو ان کی بالادستی ختم ہو جائے گی اس لئے وہ مردوں کی دنیا میں عورتوں کی اس پیش قدمی کو اس کے ابتدائی مراحل ہی میں روکنا چاہتے ہیں۔''(13) ''اسلامی ملکوں میں جمہوری حقوق کے سلسلہ میں عورتوں کی شرکت پر برابر مزاحمت کی جارہی ہے ووٹ کا حق سب سے پہلا حق ہے اس کے بعد کہ کیا وہ انتخابات میں حصہ لے سکتی ہے؟ تو اس پر مختلف قسم کی شرائط کی جاتی ہیں مثلاً اسے اپنے ولی یا نگران سے اجازت لینی ضروری ہے یا وہ 40 سال کی عمر میں انتخاب میں حصہ لے سکتی ہے وغیرہ کہیں عورتوں کی تحریک کے دباؤ کی وجہ سے انہیں پارلیمنٹ میں چند مخصوص نشستیں دے دی گئی ہیں اس طرح سے ملازمتوں میں ان کے ساتھ مخالفانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہے ان اقدامات کے پس منظر میں مرد کا یہ ڈر اور خوف ہے کہ عورت اقتدار میں شریک ہوگئی تو اس صورت میں اس کی برتری کا خاتمہ ہو جائے گا اس لئے وہ آخر وقت تک مذہبی، سماجی، ثقافتی، معاشی اور سیاسی روایات کا سہارا لے کر عورت کو سیاست سے دور رکھنا چاہتا ہے۔''(14)

خواتین کی شہادت کے حوالے سے مختلف آراء اور اختلافات احل علم اور قانون سازوں کے درمیان زیر بحث ہیں تمام انسانی معاشرے خواتین کے حقوق کے حوالے سے اپنے اپنے آئین اور مسودہ قوانین میں وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق ترمیمات اور تبدیلیاں لانے کی کوشش کر رہے ہیں اس سلسلے میں اسلامی معاشروں اور غیر مسلم معاشرے کا اگر تجزیہ کیا جائے تو مختلف صورتحال نظر آتی ہے۔ اسلامی معاشروں میں قرآن وسنت اور ائمہ کے استدلال اور تعلیمات سے استفادہ کیا جاتا ہے اور غیر مسلم معاشروں میں انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے قوانین سے استفادہ کر کے خواتین کے حقوق کا تعین کیا جاتا ہے۔

جہاں تک مسلم معاشرے کا سوال ہے۔ ''مسلم علماء اور فقہاء نے قانون کا ایک ایسا ڈھانچہ تشکیل دیا ہے جو منطقی تکمیل کے نقطۂ نظر سے انسانی استدلال کی ممتاز ترین کوشش ہے۔''(15)

لیکن یہ کاوش عصری تقاضوں کا ادراک کرنیوالے علماء اور فقہاء نے ہی کی ہے۔ اگر خواتین کی شہادت کے حوالے سے اسلامی مفکرین کی آراء کا تجزیہ کیا جائے تو دو طرح کے نقطہ ہائے نظر سامنے آتے ہیں ایک ان حضرات

کا جن کا تعلق قدیم دور سے تھا اور دوسرے وہ جن کا تعلق عصر جدید سے ہے۔ان دونوں کے دلائل اور براھین عصری تقاضوں کے تضاد کیوجہ سے مختلف نظر آتے ہیں۔دونوں نقطہ ھائے نظر کے علماء اور دانشور قرآن وحدیث کی تشریحات وتعبیرات مختلف انداز سے کرتے ہیں۔شاید ان کے تجزیے وآراء مرد کی فطری تاریخی ذھنیت کی آئینہ دار ہے یا وہ قدیم دور کے سماجی تقاضوں کے مطابق ہی تجزیہ کر کے نتیجہ نکالتے ہیں۔اور قرآن وسنت کی ترجمانی کرتے ہیں،لیکن بعض مفکرین نے اجتہادی کاوشوں کو اپنا کر عصری تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے خواتین کی موجودہ سماجی زندگی کا مطالعہ کر کے اپنی آراء پیش کیں۔اور اس طرح اسلام کی عصری روح کو زندہ کر کے دکھایا ۔آئندہ صفحات میں قدیم اور جدید دور کے اسلامی مفکرین کی آراء پیش کی گئی ہیں جنہوں نے قرآن وحدیث کی بنیاد پر خواتین کی شہادت کے حوالے سے اپنا نقطۂ نظر بیان کیا ہے۔

فصل دوم: خواتین کی شہادت اور مفکرین اسلام:

''عام طور پر یہ تاثر عام ہے کہ معاشرتی زندگی کے معاملات میں اگر کوئی تنازعہ معاملہ پیش ہو تو اس میں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی گواہی کمزور تصور کی جاتی ہے۔یعنی ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی گواہی قابل قبول سمجھی جاتی ہے۔

''گواہی دینے کے بارے میں قرآن مجید میں پورے آٹھ مقامات پر احکامات بیان کئے گئے ہیں ان میں سے ایک مقام پر جہاں مالی معاملات کا ذکر ہے وہاں یہ قید لگائی گئی ہے کہ جب عورت گواہی دینے جائے تو اس کے ساتھ ایک اور عورت بھی ہونی چاہئے یہ استدلال سورہ بقرہ 2 کی ایک لمبی آیت سے کیا جاتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

ترجمہ۔اے ایمان والو جب تم آپس میں مدت مقررہ تک قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور تمہارے درمیان لکھنے والا،انصاف کے ساتھ لکھے اور کوئی لکھنے والا لکھنے سے انکار کرے۔اللہ تعالیٰ نے اسے جیسے سکھایا ہے تو وہ لکھ دے اور جس کے ذمے قرض ہے،وہی لکھوائے اور اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے اور اس میں سے کچھ بھی کمی نہ کرے،تو اگر قرض لینے والا بیوقوف یا کمزور ہو یا وہ لکھوا نہ سکتا ہو تو اس کا ولی (وارث) انصاف کے

ساتھ لکھوائے اور اپنے مردوں میں سے اس پر دو گواہ بنالیا کرو تو اگر وہ مرد نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو جو گواہ تمہیں پسند ہوں یہ اس لئے کہ اگر ایک عورت کسی الجھن میں پڑ جائے تو دوسری سے یاد دلا دے۔

(سورۃ بقرہ ۔آیت 282)

اس قرآنی حکم میں قرض کے لین دین کے سلسلے میں جہاں یہ ہدایت فرمائی گئی ہیں اگر مدت مقررہ تک کسی سے کچھ قرض کا لین دین کرنا ہو تو اسے لکھ لینا چاہئے وہیں کسی موقع پر دو مرد گواہ میسر نہ ہو سکیں تو ان کے بجائے ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالیا جائے چنانچہ اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ ایک عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے نصف ہوتی ہے۔''(16)

اکثر یہ سوال اس تناظر میں اٹھایا جاتا ہیکہ عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں ناقص اس لئے ہوتی ہے کہ اس کا قوت حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو گواہ ہونا چاہئے۔ اس کا جواب امام اعظمؒ ،امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے دیا کہ بنیادی طور پر عورت کی گواہی جائز ہے گواہ کے لئے تین چیزوں ضروری ہیں۔

1۔قوت مشاہدہ

2۔قوت حافظہ

3۔قوت بیان

اگر یہ تمام چیزیں صحیح ہوں تو عورت مجاز ہے گواہی دینے کی اور تینوں باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے عورت کی گواہی قبول کرلی جائے گی۔

''عورتوں کی شہادت حقیقتاً مردوں کی شہادت کا بدل ہے۔ اس سلسلے میں علامہ ابن القیم اپنی شہرہ آفاق کتاب اعلام المومنین کے جلد اول میں فرماتے ہیں کہ جب مال کے بارے میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت معتبر سمجھی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اور معاملات میں ان کی شہادت غیر معتبر سمجھی جائے جو عورت حفظ و عقل میں کامل ہو اور پوری دیندار بھی ہو تو صرف ایک کی شہادت سے ہی مقصود حاصل ہو جاتا ہے جیسے کہ محض دنیوی امور میں اس کی ایک گواہی ہی معتبر ہے۔

کتاب وسنت میں کہیں یہ نہیں کہ جب تک دوعورتیں نہ ہوں شہادت ہی نہ مانی جائے اور دوعورتیں ہی گواہی میں لی جائیں ۔ اس حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے کم ہوں تو ان کی شہادت پر کوئی فیصلہ کیا ہی نہ جائے ۔'' (17)

اسلام جو مذاہب کے تسلسل کی آخری اور جامع کڑی تصور کیا جاتا ہے ۔ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ انسانی معاشروں کے فطری اور طبعی ارتقاء کو جاری وساری رکھنے کے صحت منداصول فراہم کرتا ہے ۔ حالات وزمانہ کی تبدیلیوں کے نتیجے میں مذاہب وعقائد میں فرسودگی ایک فطری عمل کا نتیجہ ہے ۔ اسلام گذشتہ عقائد وافکار جو کہ فرسودہ ہو چکے تھے اوران سے معاشرہ مزید روبہ تنزل ہورہا تھا، جہالت سے تعبیر کرتا ہے ۔ اور تمام جاہلانہ رسومات اور عقائد کی نفی کر کے عقل وشعور کی بنیاد پر سماجی زندگی کے صحت مندانہ اصولوں کی طرف رہنمائی کا دعویدار ہے ۔ اسلام سے پہلے کے دور کو دورِ جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ دورِ جہالیت میں جہاں فکرونظر جمود کا شکار تھے وہاں مجموعی طور پر معاشرتی ارتقاء رک چکا تھا ۔ انسانی قدریں پامال تھیں، معاشرہ ظالم اور مظلوم کے طبقات میں تقسیم در تقسیم کے عمل سے دوچار تھا ۔ انسان کی عظمت فقط قوت وطاقت تھی کمزور اور نحیف انسان معاشرے میں بمشکل زندگی کے دن کاٹنے پر مجبور تھے انسانی حقوق کی پامالی عام تھی ۔ ایسے سماجی حالات میں ''عورت'' جو کہ برسوں سے مردوں کے ظلم وستم کا شکار رہی تھی اور معاشرے کے کمزورترین طبقے سے اس کا تعلق تھا ۔ سب سے زیادہ ان مظالم سے دوچار تھی عورت کا نام غیرت کے لئے ایک دھبہ تصور کیا جاتا تھا ۔ عورتوں پر ملکیت جتانا انہیں قیدی کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور کرنا ۔ ۔ ان کو شہوت کا ذریعہ بنا کر اپنے ہوس اور مال وزر بڑھانے کے لئے استعمال کرنا ۔ اور ذرا سی کوتاہی پر اسے زندگی سے محروم کرنا عام تھا ۔ خواتین کی شہادت کے حوالے سے مفکرین اسلام کا نقطۂ نظر جاننے کے لئے

سب سے پہلے ہم دورِ قدیم کے اسلامی مفکرین کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں ۔

(الف) عصر قدیم کے اسلامی مفکرین کا نقطۂ نظر:

خواتین کی اسلامی شہادت کے بارے میں تابعین وتبع تابعین کے اقوال پیش خدمت ہیں۔

''۱۔ حضرت سعید بن المسیب:

حضرت سعد بن المسیب کے متعلق جو دو روایات ہیں ان میں سے ایک کا ترجمہ ہے، حضرت سعید بن المسیب نے کہا کہ عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے سوائے ان امور کے جن سے آگاہی عورتوں کو ہوتی ہے مردوں کو نہیں ہوتی۔ اور دوسری روایت کا ترجمہ ہے۔

عورتوں کی شہادت جائز نہیں نہ قتل میں نہ حد میں نہ طلاق میں اور نہ نکاح میں مطلب یہ ہوا کہ حضرت سعید بن میتب کے نزدیک صرف ان امور ومعاملات میں جائز اور محترم ہے جو عورتوں ہی سے تعلق رکھتے ہیں اور وہی ان سے آگاہ ہوا کرتی ہیں۔ اور جن امور ومعاملات کا علم عام طور پر مردوں کو ہوتا ہے جیسے قتل، زنا، نکاح اور طلاق وغیرہ ان کے بارے میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

۲۔حضرت عطاء بن ابی رباح:

حضرت عطا بن ابی رباح کے حوالے سے جو چار روایات ہیں ان میں سے ایک کا ترجمہ یوں ہے''حضرت عطاء نے نکاح کے معاملہ میں عورتوں کی شہادت کو جائز قرار دیا'۔ دوسری کا ترجمہ ہے۔''عطاء نے کہا مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت ہر چیز میں جائز ہے''اور زنا کے معاملہ میں بھی دو عورتوں اور تین مردوں کی شہادت جائز ہے اور قابل اعتبار ہے۔ تیسری روایت کا ترجمہ ہے۔ عطاء نے کہا اگر میرے پاس آٹھ عورتیں شادی شدہ عورت کے متعلق زنا کی شہادت دیں تو میں اس کو ضرور رجم کی سزا دونگا۔ اور چوتھی روایت کا ترجمہ ہے۔ عطا نے کہا عورتوں کی شہادت ان تمام امور میں جائز ہے جن پر عورتوں ہی کی نظر پڑتی ہے۔ اور یہ کہ چار سے کم عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

۳۔ حضرت عامر بن شرجیل الشعبی:

شھادالنساء سے متعلق جن روایات میں حضرت عامر الشعبی کے اقوال بیان ہوئے ہیں ان میں سے ایک کا ترجمہ

ہے کہ۔حضرت شعبی نے فرمایا ان امور میں سے ایک عورت کی شہادت جائز ومعتبر ہے جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے صرف عورتیں مطلع ہوتی ہیں۔

دوسری روایت کا ترجمہ ہے۔حضرت شعبی نے کہا نکاح وطلاق میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت جائز ہے۔

تیسری روایت میں ترجمہ ہے۔حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

چوتھی کا ترجمہ ہے۔ان امور میں جن کو مرد نہیں دیکھتے صرف عورتیں دیکھتی ہیں چار عورتوں کی شہادت جائز ہے۔اور پانچویں روایت کا ترجمہ ہے۔شعبی نے کہا طلاق اور جراح السطاء میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز ہے لیکن جراح عمد اور حد میں عورت کی شہادت جائز نہیں۔جان بوجھ کر قصد وارادے سے دوسرے کو زخمی کرنا جراح عمد اور بھولے سے خطاء کے طور پر دوسرے کو زخمی کرنا جراح الخطاء کہلاتا ہے۔

۴۔ حضرت ابراہیم النخعی:

حضرت ابراہیم النخعی کے اقوال عورتوں کی شہادت کے بارے میں جن مختلف روایات میں بیان ہوئے ہیں ان میں سے ایک کا ترجمہ یہ ہے۔''ابراہیم نخعی نے کہا کہ طلاق ونکاح میں مردوں کے ساتھ بھی عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔'' دوسری روایت کا ترجمہ ہے۔

''ابراہیم نخعی نے کہا کہ اگر طلاق کے معاملہ میں میرے پاس کوئی صحابی اور دو عورتیں شہادت دیں تو میں اس کو بھی جائز نہیں قرار دونگا۔'' تیسری روایت کا ترجمہ ہے۔

''ابراہیم نخعی نے کہا مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت جائز نہیں سوائے عتاق، دین اور وصیت کے معاملات میں (عتاق کے معنی غلام آزاد کرنے کے ہیں)''۔چوتھی روایت کا ترجمہ ہے۔

''ابراہیم نخعی سے پوچھا گیا کہ زنا کے معاملہ میں تین مرد اور دو عورتیں گواہ ہو سکتے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ نہیں۔بہر حال زنا کے ثبوت کیلئے چار مردوں کا گواہ ہونا ضروری ہے ورنہ وہ کوڑے کھائیں گے۔پانچویں روایت ہے۔

''ابراہیم النخعی نے استہلال کے معاملہ میں ایک دائی عورت کی شہادت کو جائز ٹھہرایا۔''

۵۔حضرت ابن شہاب الزہری:

شہادت النساء کے بارے میں ابن شہاب الزہری کے جو اقوال مختلف روایات میں ذکر ہوئے ہیں ان میں سے ایک کا ترجمہ ہے۔''حضرت ابن شہاب زہری نے کہا کہ عہد رسالت اور عہد صدیق و فاروقؓ یعنی شیخین کے عہد خلافت میں یہ سنت رہی ہے کہ عورتوں کی شہادت حدود، نکاح اور طلاق میں جائز نہ ہو''۔دوسری روایت کا ترجمہ ہے۔''حضرت زہری نے کہا کہ حد، طلاق، نکاح اور عتق میں عورتوں کی شہادت جائز اور قابل قبول نہیں لیکن وصایا میں اور دیون یعنی واجب الذمہ قرضوں اور قتل میں عورتوں کی شہادت جائز اور قابل اعتبار ہے۔''تیسری روایت کا ترجمہ ہے۔

''ابن شہاب الزہری نے کہا کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں یہ طریق رہا ہے کہ عورتوں کی شہادت بغیر مرد کے ایسے امور میں جائز ہو جن سے خاص طور پر عورتوں کا تعلق رہتا ہے جیسے ولادت اور استہلال وغیرہ جن سے آگاہی عام طور پر عورتوں کو ہی ہوتی ہے''چوتھی روایت کا ترجمہ ہے۔

''زہری نے کہا کہ رضاع کے معاملے میں ایک عورت کی شہادت جائز اور مقبول ہے۔پانچویں روایت کا ترجمہ ہے۔

''ابن شہاب زہری نے فرمایا حد، طلاق اور نکاح میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں اگر چہ ان کے ساتھ مرد شریک ہوں''۔چھٹی روایت کا ترجمہ ہے۔

''زہری نے فرمایا وصیت کے معاملے میں ایک عادل مرد کے ساتھ عورتوں کی شہادت جائز ہے، اور یہ کہ قتل کے معاملہ میں بھی عورتوں کی شہادت جائز ہے جب ان کے ساتھ ایک مرد موجود ہو۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ زہری کے نزدیک قصاص کے معاملہ میں مرد کے ساتھ عورتوں کی شہادت جائز اور قابل قبول ہے۔

۶۔حضرت قاضی شریح:

تابعین میں ایک اہم شخصیت حضرت شریح کی شخصیت ہے جو قضاء کے عہدہ پر فائز اور ایسے فرائض منصبی کی ادائیگی میں بڑے کامیاب تھے شہادۃ عورت سے متعلق ان کے جو اقوال بعض روایات میں بیان ہوئے ہیں۔ان

میں سے ایک کا ترجمہ ہے۔ ''حضرت شریح نے استہلال سے متعلق صرف ایک دائی عورت کی شہادت کو جائز قرار دیا'' دوسری روایت کا ترجمہ ہے۔

''حضرت شریح نے عتاق کے معاملہ میں ایک مرد کے ساتھ دوعورتوں کی شہادت کو جائز ومعتبر ٹھہرایا۔''

تیسری روایت کا ترجمہ ہے۔

''حضرت شریح نے مرد پرعورت کے مہر کے معاملہ میں چارعورتوں کی شہادت جائز قرار دی۔''

۷۔حضرت سفیان الثوری:

حضرت سفیان الثوری سے شہادۃ عورت کے بارے میں دواقوال منقول ہیں ایک قول یہ کہ حدود کے سواء باقی ہر شئے میں مرد کے ساتھ عورتوں کی شہادت جائز اور مقبول ہے۔قصاص،طلاق،نکاح وغیرہ میں اوران امور میں تنہاعورتوں کی شہادت معتبر ومقبول ہے جن پرصرف عورتیں آگاہ ہوتی ہیں۔اور دوسرا قول یہ کہ حدوداور قصاص کے سواء باقی امور میں مثلاً طلاق اور نکاح میں مرد کے ساتھ عورتوں کی شہادت قابل قبول ہے اورایسے امور میں جن سے آگاہی عورتوں ہی کو ہوتی ہے۔بغیر مرد کے عورتوں کی شہادت جائز ومعتبر ہے اور رضاع کے معاملہ میں ضروری ہے کہ ایک مرداوردوعورتوں کی شہادت موجود ہے۔''

۸۔حضرت قاضی ابو یوسف اورامام محمد الشیبانی:

حضرت امام ابوحنیفہ کے شاگرد قاضی ابویوسف اورامام محمد الشیبانی یعنی صاحبین کا اپنے استاذ امام ابوحنیفہ سے شہادت عورت کے مسئلہ میں جواختلاف ہے وہ یہ کہ ان کے نزدیک جائز نہیں۔

امام ابوحنیفہ کے ایک اورشاگرد امام زفر کا اس بارے میں مسلک یہ ہے کہ مرد کے بغیر تنہاعورتوں کی شہادۃ اصلاً کسی چیز میں جائز نہیں نہ ولادت میں نہ رضاع میں اورنہ عورتوں کے عیوب اورمخصوص حالات میں اوریہ کہ مرد کے ساتھ عورتوں کی شہادت طلاق،نکاح اورعتق میں جائز اورمعتبر ہے۔

۹۔علامہ ابن حزم الظاھری:

کتاب المحلی میں علامہ ابن حزم ظاھری نے عورت کی شہادت کے متعلق اپنا جومسلک لکھا ہے اس کا ترجمہ یوں ہے۔

''زنا کے ثبوت میں چار مسلمان عادل مردوں کی شہادت ہونی چاہئے یا ہر مرد کی جگہ دو مسلمان عورتیں گواہ ہونی چاہئیں یعنی تین مرد اور دو عورتیں یا دو مرد اور چار عورتیں، یا ایک مرد اور چھ عورتیں یا فقط آٹھ عورتیں گواہ ہونی چاہئیں زنا کے علاوہ باقی سب امور و معاملات میں جو حقوق سے متعلق ہوں جیسے حدود، قصاص، نکاح، طلاق، رجعت اور اموال یعنی مالی معاملات میں دو مسلمان مرد گواہ ہونے چاہئیں۔ یا ایک مرد اور دو عورتیں یا صرف چار عورتیں ہونی چاہئیں اور یہ کہ رضاع کے ثبوت میں صرف ایک عادل عورت یا ایک عادل مرد کافی ہے۔'' (18)

خواتین کی شہادت کے حوالے سے فقہ جعفریہ کی کتب میں حضرت جعفر صادق کے اقوال موجود ہیں۔ خاص طور پر ''محمد جواد مغنیہ کی کتاب فقہ الامام جعفر الصادق ہے جو فقہ جعفریہ کی مستند کتابوں کے مواد سے تالیف کی گئی ہے اور اپنے موضوع پر اہم اور جامع کتاب ہے چھ جلدوں پر مشتمل ہے اور اسلوب بیان کے لحاظ سے آسان اور سہل ہے اس کی جلد پانچ میں کتاب الشہادات ہے جس میں شہادت کے موضوع سے متعلق ضروری مباحث ہیں۔'' (19)

''حضرت جعفر صادقؒ خواتین کی شہادت کے حوالے سے مختلف امور پر اظہار رائے کرتے ہیں۔'' مثلاً زنا کے ثبوت میں تنہا عورتوں کی شہادت کا کوئی اعتبار نہیں البتہ رجم والے زنا کے ثبوت کے لئے تین مردوں کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت اور کوڑوں والے زنا کے ثبوت کے لئے دو مردوں کے ساتھ چار عورتوں کی شہادت جائز اور قابل اعتبار ہے۔ پھر حقوق العباد غیر مالیہ کی بحث میں حضرت جعفر کے نقل کردہ ایک قول کا ترجمہ ہے کہ عورتوں کی شہادت طلاق اور راویۃ الھلال میں جائز نہیں دوسری روایت کا ترجمہ ہے۔

طلاق اور رویت ہلال میں صرف دو عادل مردوں ہی کی شہادت قابل قبول ہے عورتوں کی شہادت کسی صورت قابل قبول نہیں۔ پھر نکاح و رواج کے متعلق ایک سوال کے جواب میں حضرت جعفر صادق نے فرمایا اس میں عورتوں کی شہادت جائز ہے اور حدود میں جائز نہیں۔ حضرت موصوف کے ایک اور قول کا ترجمہ ہے۔

''ان امور میں عورتوں کی شہادت جائز اور قابل اعتبار ہے جس کا علم عموماً عورتوں ہی کو ہوتا ہے جیسے ولادت، بکارت، ثیوبت، مخصوص نسوانی عیوب وغیرہ البتہ رضاع کے متعلق جب ان سے پوچھا گیا ک کیا اس کے ثبوت کے لئے عورت کی شہادت جائز ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ کوئی اور بھی اس کی تصدیق کرے تو جائز ہے ورنہ

جائز نہیں ۔بعد کے شیعہ فقہا کے مابین اس مسئلے میں اختلاف رہا ہے بعض کے نزدیک رضاع کے معاملہ میں صرف ایک عورت کی شہادت جائز ہے اور بعض کے نزدیک جائز نہیں ۔''(20)

فقہا کرام ،مفکرین اسلام کے اقوال کی روشنی میں یہ نتیجہ سامنے آیا کہ صرف دو امور میں شہادت نسواں کے جواز کے متعلق سب کا اتفاق نظر آیا ۔ایک میعادی قرضے کے بارے میں جس کا قرآن حکیم میں صراحت کے ساتھ ذکر موجود ہے ۔اور دوسرا امر جس میں عورتوں کی شہادت کو سب نے تسلیم کیا ہے وہ عورتوں کے مخصوص مسائل و حالات ہیں جو کہ عام طور پر عورتوں کے علم میں ہوتے ہیں ۔مثلاً حیض ، بکارت ، رضاعت وغیرہ ۔ان دو امور کے علاوہ باقی ہر معاملے میں فقہا کا اختلاف اور تضاد موجود ہے ۔اگر ان اختلافات اور تضادات کے اسباب کو جاننے کی کوشش کی جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ''قرآن وحدیث میں سوائے دو تین معاملات کے باقی امور و معاملات کے متعلق کوئی ایسی تفصیلی ھدایت موجود نہ تھی کہ ان میں شہادۃ النساء جائز ہے یا نا جائز یہ کہ کن کن معاملات میں جائز ہے اور کن کن میں جائز نہیں ۔اگر ایسا ہوتا تو ظاہر ہے کہ اختلاف مذکورہ پیدا نہ ہوتا ۔دوسرا سبب اس اختلاف کا یہ کہ قرآن مجید میں فریضہ شہادت سے متعلق آیۃ مداینہ اور آیات لعان کے سواء جو باقی آیات ہیں ان کے الفاظ میں مذکر کے صیغے استعمال ہوئے ہیں جو بظاہر اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ان آیات میں جس شہادت کا ذکر اور حکم ہے وہ مردوں سے مخصوص ہے عورتیں اس میں شامل نہیں ،لہٰذا جن علماء و حضرات نے ان آیات کے ظاہری الفاظ اور صرفی نحوی قواعد کی رعایت کو ملحوظ رکھا اور ان کا صرف وہی معنی ومفہوم لیا جو ان کے الفاظ سے پیدا ہوتا تھا ان حضرات نے یہ کہہ دیا کہ ان آیات میں جن امور و معاملات کا ذکر ہے ان میں صرف مردوں کی شہادت جائز ہے عورتوں کی شہادت جائز نہیں ۔ان حضرات نے اپنے قول و وعدے کے لئے جن استدلال سے کام لیا وہ کئی وجوہ سے کمزور اور نا قابل اعتماد ہے ۔پہلی وجہ یہ کہ ان آیات میں حصر اور تخصیص کے کوئی ایسے الفاظ موجود نہیں جو مردوں کی شہادت کے اثبات کے ساتھ عورتوں کی شہادت کی نفی پر دلالت کرتے ہوں ،اور دوسری وجہ یہ کہ قرآن مجید میں کثیر التعداد ایسی آیات ہیں جن میں مذکر کے الفاظ اور صیغوں سے مردوں کو مخاطب کر کے شرعی احکام بیان ہوئے ہیں ۔جیسے

یاایھاالذین آمنو باالله آقیمو الصلاۃ آب الزکاۃ انفقو مما رزقناکم ، لا تاکلوا

امـوالكم بينكم بالباطل ۔وغیرہ ۔لیکن علماء وفقہاء کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ اس قسم کی آیات کا تعلق مردوں کی طرح عورتوں سے بھی ہے اور ان کے اندر مذکور شرعی احکام کے مکلّف جس طرح مرد ہیں اسی طرح عورتیں بھی ان احکام کی مکلف ہیں ۔ بنا بریں یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ شہادت والی آیات کا تعلق بھی مومن مردوں اور مومن عورتوں دونوں سے ہو اور فریضہ شہادت کی دونوں مکلّف ہوں ۔ جو بالاتفاق علی الکفایہ ہے یعنی بعض کے ادا کرنے سے سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے جیسے نماز جنازہ، اور جن حضرات نے ان شادت والی آیات کے صرف لفظی معنوں کو نہیں دیکھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس مقصد کا بھی لحاظ رکھا جس کی خاطر فریضہ شہادت شروع ہوا یعنی ثبوت حق اور تحفظ حق اور پھر یہ بھی دیکھا کہ یہ مقصد جس طرح مردوں کی شہادت سے حاصل ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے اسی طرح عورتوں کی شہادت سے بھی حاصل ہوتا اور ہوسکتا ہے ۔ جبکہ بعض دوسری آیات سے بھی ثابت اور واضح ہوتا ہے کہ فریضہ شہادت کی اھلیت عورتوں میں بھی پائی جاتی ہے تو انہوں نے اپنے علم وفہم کے مطابق یہ رائے قائم کی کہ ہر امراء اور ہر معاملے میں عورتوں کی شہادت جائز ہے البتہ بعض مالی قسم کے معاملات اور حدود کی شہادت میں ضروری ہے کہ ایک مرد کی بجائے دو عورتیں ہوں جبکہ یہ ان امور و معاملات میں ضروری نہیں جو عورتوں سے مخصوص اور جن کا علم عام طور پر عورتوں کی ہی ہوتا ہے ۔

بعض حضرات نے مختلف معاملات کو نوعیت میں جو فرق اختلاف ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض امور و معاملات میں عورتوں کی شہادت کو جائز اور بعض میں ناجائز کہا اور اس میں انہوں نے قیاس کے اصول سے کام لیا ان کی دانست میں جو معاملات، دین مؤجل کے اس معاملہ سے ملتے جلتے اور جزوی مشابہت رکھتے تھے جس کے متعلق قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت کے جواز کا ذکر ہے ۔ دین مؤجل کے معاملہ پر قیاس کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کے متعلق بھی عورتوں کی شہادت شرعاً جائز اور قابل قبول ہے، اور جو معاملات اپنی نوعیت اور اپنے مقصد کے لحاظ سے دین مؤجل کے معاملہ سے مختلف تھے جیسے حدود کے معاملات کہ وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے غیر مالی ہیں اور ان میں شہادت کا مقصد مالی حق کا تحفظ اور ثبوت نہیں جیسا کہ وہ دین مؤجل اور اس جیسے دوسرے مالی معاملات میں ہوتا ہے نیز حدود، حقوق العباد کے بجائے حقوق اللہ کے ذیل میں آتے ہیں کیونکہ حدود جب قاضی اور حاکم کے سامنے ثابت ہو جائیں تو بندوں کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتے ۔ جبکہ مالی

حقوق ثابت ہو جانے کے بعد بھی صاحب حق کے معاف کر دینے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ اور ایک اور خاص فرق ان دونوں کے درمیان یہ بھی ہے کہ حدود شہادت سے ساقط ہو جاتے ہیں جیسا کہ بعض احادیث نبویہ میں ہے اور مالی حقوق شہادت سے ساقط نہیں ہوتے لہٰذا حدود جیسے معاملات سے متعلق ان حضرات نے یہ رائے قائم کی اور یہ فتوی دیا کہ ان میں عورتوں کی شہادت کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس میں شبہ کا احتمال ہوتا ہے۔''(21)

عورت کی شہادت کے بارے میں فقہاء کے اختلافات وتضادات کا کیا حل ہے؟ اور ان اختلافات کو ختم کرنے یا کم کرنے یا عصری تقاضوں کے مطابق اس کا درست نقطۂ نظر سامنے لانے کا کیا طریقہ ہے؟ اگر شعوری انداز سے اس پہلو پہ کام کیا جائے تو ''اس کا صحیح طریقہ اجتماعی اجتہاد کا طریقہ ہے، مطلب یہ کہ اجتہادی صلاحیت رکھنے والے بلند پایہ جید علماء کی ایک جماعت مل جل کر اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر از سر نو غور وفکر کرے سب سے پہلے اس اصولی تصور کو متعین اور معلوم کرے جو فریضہ شہادت کے متعلق قرآن وحدیث میں پایا جاتا ہے۔ فریضہ شہادت سے متعلق اسلام کے اصولی تصور کے تعین میں خاص طور پر اس غرض اور مقصد کو سمجھنے اور متعین کرنے کی کوشش کی جائے جس کی خاطر فریضہ شہادت شروع اور تجویز ہوا ہے۔ پھر پورے غور سے معروضی انداز میں یہ دیکھا جائے کہ اس فریضہ کو ادا کرنے کی قدرا ور صلاحیت صنفی طور پر مردوں اور عورتوں دونوں کے اندر پائی جاتی ہے یا صرف مردوں کے اندر پائی جاتی ہے۔ اگر دونوں کے اندر پائی جاتی ہے تو پھر ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتیں کو رکھنے کی حکمت ومصلحت کیا ہے؟ اور یہ کہ یہ حکمت ومصلحت خاص زمان ومکان کے کسی مخصوص معاشرے سے تعلق رکھتی ہے یا ہر زمانے ومکان کے ہر معاشرے کے لئے عام اور ابدی حیثیت رکھتی ہے؟ اور یہ کہ اگر اسلام فریضہ شہادت میں نظری طور پر مردوں اور خواتین کو برابر کا درجہ دیتا ہے اور ہر معاملے میں ان کی شہادت کو یکساں طور پر جائز قرار دیتا ہے تو کیا عملی طور پر ان کے مخصوص حالات کے پیش نظر ان دونوں کے درمیان کچھ فرق ہوتا ہے؟ اگر کرتا ہے تو اس کی معقول توجیہ کیا ہوسکتی ہے۔ مطلب یہ کہ کیا اسلام کی ایسی تفریق کا قائل ہے کہ عملاً اس قسم کے امور ومعاملات میں صرف مردوں کی شہادت اور اس قسم کے امور ومعاملات میں صرف عورتوں کی شہادت ہونی چاہئے؟ اگر قائل ہے تو کس وجہ سے قائل ہے؟''(22)

اجتہاد کے ذریعے ہی سے اسلام کا تصور شہادت خواتین کے حوالے سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح سے

اجتماعی اجتہاد کے لئے یہ امر بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ وہ علماء وفقہاء جو اس سلسلے میں تحقیقی کام کریں وہ عصری تقاضوں، حالات اور مروجہ تہذیب وتمدن کے نتیجے میں پیدا شدہ ضروریات سے بھی مکمل طور پر آگہی رکھتے ہوں اور عصر جدید میں اسلامی فکر کی تدوین کی پوری اجتہادی صلاحیت سے بہرہ مند ہوں۔عصری تقاضوں سے ناواقف اور جاھل عالم کے اندر کبھی بھی اجتہادی صلاحیت پیدا نہیں ہوسکتی۔صدیوں پہلے کے فقہاء کی آراء کو مختلف پیرایوں سے بیان کر لینے اور پھر انہی آراء پر جو کہ ایک مخصوص زمان ومکان وحالات کے نتیجے میں سامنے آئیں پر اپنے موقف کی بنیاد رکھ کر اس پر ڈٹ جانے کی روش اجتہادی اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہوسکتی۔

علامہ ابن کثیر سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ کے ضمن میں بحث کرتے ہوئے خواتین کی شہادت کے حوالے سے اپنی رائے اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

''دوعورتوں کو قائم مقام ایک مرد کے کرنا بہ سبب عورت کی عقل کے نقصان کے ہے جیسے صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اے عورتو صدقہ اور بکثرت استغفار کرتی رہو میں نے دیکھا ہے کہ جہنم میں تم بہت زیادہ تعداد میں جاؤ گی۔ایک عورت نے پوچھا حضور یہ کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم لعنت زیادہ بھیجا کرتی ہو اور اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو، میں نے نہیں دیکھا کہ باوجود عقل ودین کی کمی کے مردوں کی عقل مارنے والی تم سے زیادہ کوئی ہو۔اس نے پھر پوچھا کہ حضور ﷺ ہم میں دین کی اور عقل کی کمی کیسے ہے؟ فرمایا عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے کہ دوعورتوں کی گواہی ایک مرد کی برابر ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ ایام حیض میں نہ نماز ہے نہ روزہ۔۔۔۔۔دوعورتیں مقرر کرنے کی حکمت بھی بیان کر دی کہ اگر ایک گواہی کو بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے گی۔فتذکر کی دوسری قرآءت فتذکرو بھی ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ اس کی شہادت اس کے ساتھ مل کر مثل شہادت مرد کے کردے گی انہوں نے تکلف کیا ہے۔'' (23)

امام ابن قیم الجوزیہ رحمتہ اللہ علیہ خواتین کی شہادت کے حوالے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''امام مالک کے مذہب میں مالی مقدمات میں دوعورتوں کی گواہی اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔امام احمد کے دواقوال میں سے ایک قول یہی ہے اور اسی کو ہمارے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے۔قرآن وسنت بھی اسی قول کی صحت پر دلالت کرتے ہیں اللہ تعالی نے دوعورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام بنایا

ہے ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا

''کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت کے نصف نہیں؟

عورتوں نے عرض ''کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ''

منطوق حدیث میں واضح دلیل ہے کہ اکیلی عورت کی گواہی نصف کے برابر ہے اور مفہوم حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اس عورت کے ساتھ ایک اور عورت کو شامل کر لیا جائے تو دونوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہو جائے گی۔قرآن سنت اور اجماع میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس سے مانع ہو بلکہ قیاس صحیح کا تقاضہ ہے کہ اگر دو عورتوں کو بلایا جائے تو ان کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے کیونکہ یہ امر تو بہر حال مسلم ہے کہ ایک مرد کی معیت میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے قائم مقام ہے اسی طرح مرد کی عدم موجودگی میں بھی ان کو ایک مرد کے قائم مقام ہونا چاہئے کیونکہ ان کی شہادت کو تسلیم کرنا اس بناء پر نہیں کہ ان کی معیت میں مرد کی گواہی ہے بلکہ ان کی ذات میں موجود وصف کی بناء پر ان کی شہادت کو تسلیم کیا گیا ہے۔یہ وصف ان کی عدالت ہے جو مرد کی عدم موجودگی کی صورت میں بھی ان کی ذات میں موجود رہے گی۔زیادہ سے زیادہ صنف حفظ وضبط کی بناء پر گواہی کے بدل جانے کا خدشہ لاحق ہو سکتا ہے مگر دوسری عورت کو شامل کر کے گواہی کو تقویت دے دی گئی ہے۔

اعتراضات:

اس موقف پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر مالی مقدمات میں مرد کی گواہی موجود نہ ہو تو بینہ قابل قبول نہیں ہے۔کیونکہ آپ لوگوں ہی کی رائے کے مطابق اگر چار عورتیں گواہی دیں تو یہ گواہی مذکورہ صورت کے خلاف ہے کیونکہ اگر دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام مان لیا جائے تو ہر لحاظ سے چار عورتوں کی گواہی کو دو مردوں کی گواہی کے برابر ہونا چاہئے اور مالی مقدمات کے علاوہ دیگر مقدمات میں بھی ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو قبول کیا جانا چاہئے۔

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی کمزور ہے اس لئے اس کو مرد کی گواہی سے تقویت دی گئی ہے۔نیز حلف تو بذات خود ایک کمزور ثبوت ہے کمزور کو کمزور کے ساتھ ملا کر قبول نہیں کیا جا سکتا۔اس پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ و استشهدو شهيدين من رجالكم ان لم

يكونا رجلين فرجل و امر بان (ترجمہ)(اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو اور اگر دو مرد مہیا نہ ہو سکیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو) اگر دو عورتوں کی گواہی اور مدعی کے حلف کی بنیاد پر فیصلہ درست ہوتا تو یہ تیسری نوع بھی مذکور ہوتی۔''(24)

امام ابن قیم الجوزیہؒ:

امام ابن قیم ان مذکورہ اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ان کے پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اعتراض اور مقدمہ بذات خود محل نزاع ہے اس کو دلیل کیسے بنایا جا سکتا ہے۔رہا چار عورتوں کی گواہی کا دو مردوں کے برابر ہونا تو اس میں علماء کا اختلاف ہے اگر چہ بعض علماء نے ان میں عدم مساوات پر اجماع نقل کیا ہے۔مثلاً قاضی شریحؒ وغیرہ۔مگر امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ آدمی وصیت کرتا ہے اور وصیت کے وقت صرف عورتیں ہی موجود ہیں۔اس صورت میں عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جناب امام نے مردوں کی عدم موجودگی میں عورتوں کی گواہی کو جائز قرار دیا ہے۔

علامہ خلال امام محمد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ان سے ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو اپنے بعض اقارب کے نام وصیت اور اپنے غلام کو آزاد کرنا چاہتا ہے۔اس وقت صرف عورتیں ہی موجود ہیں کیا عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔انہوں نے فرمایا ہاں حقوق میں عورتوں کی شہادت جائز ہے۔

کن موقعوں پر عورتوں کی گواہی معتبر ہے،نیز یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ بینہ،کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا جو حق کو واضح کرے اور یہ اپنے مفہوم میں مردوں کی گواہی یا عورتوں کی گواہی حلف اٹھانے انکار حلف اور دیگر ظاہری علامات سے زیادہ عمومیت کا حامل ہے۔آخر رسول اللہ ﷺ نے بھی تو رضاعت جیسے اہم مسئلے میں ایک عورت کی گواہی قبول کی ہے اور بعض دیگر مواقع پر صحابہ و تابعین نے ایک عورت کی شہادت جائز قرار دیا ہے۔

جہاں مالی حصومات کے علاوہ دیگر جھگڑوں میں سے ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہ بنانے کا تعلق ہے تو اس بارے میں ہم کہتے ہیں کہ غیر مالی خصوصیات میں جیسے نکاح،طلاق،رجعت،نسب،ولاء،وصیت اور نکاح کی وکالت وغیرہ کے مسئلہ کی تائید میں بھی امام احمدؒ سے ایک روایت موجود ہے۔

رہا عورت کی شہادت کا صعیف ہونا پھر تقویت کے لئے مرد کو شامل کرنا حلف کا ضعیف ہونا اور ضعیف کو ضعیف کے ساتھ ملا کر بھی قبول نہ کرنا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم دو عورتوں کی اجتماعی شہادت کے ضعف کو تسلیم نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے دو عورتوں کی شہادت کو مرد کی شہادت کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ خواہ مدعی دو مردوں کی شہادت مہیا کرنے پر قادر ہی ہو۔ ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت اصل ہے۔ کسی کا بدل نہیں ایک عادلانہ خاتون صدق، امانت اور دیانت میں مرد کے برابر ہے۔ زیادہ سے زیادہ سہو نسیان کا خدشہ لاحق ہو سکتا ہے اس لئے دوسری عورت کی شہادت کے ذریعے تقویت دیکر اس خدشے کو رفع کر دیا گیا ہے۔ بسا اوقات دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت سے زیادہ قوی ہوتی ہے اور بلاشبہ ایک مرد کی شہادت سے جو ظن متفاد ہوتا ہے وہ دو عورتوں کی شہادت سے متفاد ہونے والے ظن سے کمزور تر ہے۔ رہا معترضین کا یہ اعتراض کہ آیت مذکورہ میں ایک مرد اور دو عورتوں کا ذکر موجود ہے مگر دو عورتوں اور مدعی کے حلف کا کہیں ذکر نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ایک گواہ اور حلف، انکار حلف، رَدِّ حلف ایک عورت کی گواہی، دو عورتوں کی گواہی اور چار عورتوں کی گواہی کا بھی ذکر نہیں کیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے یہ بھی تصریح نہیں کی ایک جج کو کن اصولوں پر فیصلہ کرنا چاہئے۔ اس آیت کریمہ میں صرف اس بات کا ذکر ہے کہ حقوق کے حفاظت کیسے کی جائے۔ عدالتی فیصلوں کا طریق کار حفاظت حقوق کے طریق کار سے زیادہ وسیع ہے۔'' (25)

امام ابن قیم دو عورتوں کی شہادت کے بارے میں دلائل دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''امام سے منقول دو راہنوں سے ایک روایت یہ ہے کہ ہر وہ معاملہ جو مردوں کی معلومات سے باہر ہو مثلاً کپڑوں میں پوشیدہ عورتوں کے عیوب، بکارت، وثیوبت، ولادت، حیض اور رضاعت وغیرہ میں دو عوروں کی شہادت قابل قبول ہے۔ دوسری اور زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ مذکورہ بالا امور میں صرف ایک عورت کی شہادت کافی ہے۔ یہاں عورت کی شہادت مرد ہی کی مانند ہے۔ راویوں نے عورت کی شہادت کے ساتھ کسی حلف وغیرہ کا کرنہیں کیا۔ امام احمد سے تصریح کے ساتھ منصوص ہے کہ یہاں حلف وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ حلف کے بارے میں امام احمدؒ سے جو روایات منقول ہیں وہ رضاعت کے باب میں ہیں اور وہ بھی صرف اس صورت میں کہ جب ہم رضاعت میں ایک عورت کی گواہی پر اکتفا کرتے ہوں۔ دو عورتوں کی مجرو شہادت اور ایک گواہ اور مدعی

کے حلف میں فرق ہے کہ دوعورتوں کی مجرد گواہی میں غالب پہلو یہ ہے کہ دراصل ان امور غائبہ کی خبر ہے جو مردوں کے دائرہ اطلاع سے باہر ہیں ۔اس لئے یہاں صرف عورتوں کی شہادت پر اکتفا کیا جاسکتا ہے ایک گواہ اور مدعی کے حلف کا باب درحقیقت ان امور پر شہادت ہوتی ہے ۔جو غالب حالات میں مردوں کے دائرہ اطلاع میں واقع ہوتے یں ۔اس صورت میں اگر شاہد شہادت میں منفرد ہوتو اس شہادت کی تقویت کے لئے حلف کی حاجت ہوگی ۔(26)

(ب) عصر جدید کے اسلامی مفکرین نقطۂ نظر:

آج کا دور سائنس اور ٹیکنالوجی کے ارتقاء کا دور ہے اس دور نے زندگی کے رنگ ڈھنگ بدل کر رکھ دیئے ہیں ۔سماجی زندگی کے معاملات رشتے ، ناطے ،تجارت وصنعت ، رہائش ،تعلیم ، رسوم ،کلچر اور تہذیب ہر ایک پر تغیرات کا دور ہے ۔نئے سماجی رشتے اور حیثیتیں جنم لے رہی ہیں انسانی حقوق کے نئے تصورات سامنے آرہے ہیں اجتماعیت کے نئے انداز معاشرتی زندگیوں کو متاثر کررہے ہیں ۔ایسے عالم میں اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیریت اور جامعیت کو معاشرے میں ثابت کرنے اور عادلانہ معاشرے کے تقاضے پورے کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عصری تبدیلیوں کا ادراک کر کے نقطۂ نظر پیش کیا جائے ۔عصر جدید میں اسلامی مفکرین کے دوطبقات موجود ہیں ایک تو وہ ہیں کہ جو اس دور میں بھی روایتی تقلیدی ذہنیت اور مردانہ انا کے خول میں بندرہ کر ہی قرآن وسنت کی روشنی اور قدیم دور کے مفکرین کی آراء کی ہی بنیاد بنا کر وہی قدیم آراء کو زندگی دینے کی کاوشیں کررہے ہیں اور دوسرا طبقہ وہ ہے جو عصری سماجی سماجی تقاضوں کا نہ صرف ادراک رکھتے ہیں بلکہ قرآن وسنت کی اصولی عادلانہ روح سے بھی آشنا ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق اسلامی عادلانہ معاشرے کی تشکیل کی جائے اور اسی تناظر میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے اپنا نقطۂ نظر بیان کرتے ہیں ۔ذیل میں عصری جدید کے دونوں طرح کے مفکرین کی آراء پیش خدمت ہیں جوانہوں نے خواتین کی شہادت کے بارے میں پیش کی ہیں ۔ملاحظہ ہوں ۔

(مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی گواہی کمتر درجے کی ہے؟اس کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر رفیع اللہ شہاب لکھتے ہیں ۔

''شریعت اسلامی میں مالی معاملات کےعلاوہ اور کسی معاملے میں عورت کی گواہی کو مرد کی گواہی سے کمتر نہیں سمجھا گیا ۔ دونوں کی گواہی کو تمام معاملات میں برابر قرار دیا گیا ہے مالی معاملات میں عورتوں کی گواہی دیتے وقت اس ایک عورت کے ساتھ دوسری عورت ہو جو کہ پریشانی کی صورت میں اس کو یاددھانی کرادے اور اگر اس عورت کو ایسی کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو دوسری عورت کو کچھ بھی نہیں کرنا ہوگا۔''(27)

درج بالا بیانات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جولوگ معاشرے میں عورت کو ناقص العقل ہونے کی وجہ سے ان کی گواہی مردوں کے مقابلے میں معتبر نہ ہونے کی دلیل پیش کرتے ہیں ۔سراسر ناانصافی اور اسلامی معاشرت کی روح عدل کے خلاف ہے۔)

ا۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی:

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ کے ضمن میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''(یعنی جوتمہارے نزدیک ثقہ وقابل اعتبار) فان لم یکونا رجلین یعنی دومرد گواہی کے لئے میسر نہ آئیں۔

رجل و امراتان یہودی قانون میں گواہی صرف مردوں کی معتبر ہےاورعورت کی شہادت سرے سے قابل تسلیم نہیں ۔اسلام نے اسے یہ حق دیا ہےلیکن ساتھ ہی اپنے علم کامل اور تحقیق مطلق کی بناء پرعورت کی گواہی کا مرتبہ مرد کےمقابلہ پر نصف مانا ہے۔ممن ترضون ،دیانت،ضمیر،سیرت کردار کاایک خاص معیار اسلام نے زندگی کے چھوٹے بڑے اور معاشرت کے بعید سے بعید گوشہ میں بھی قائم رکھا ہے۔ چنانچہ یہاں یہ قید لاکر صاف بتا دیا کہ شہادت بھی ایک خاص اعزازومنصب ہے ہرکس وناکس اس کا اھل نہیں ۔اس کے اھل وہی ہیں جن کی سیرت وکردار پر اسلامی معاشرہ کواطمینان ہو اور جن کی دیانت کم از کم عام طور پر مشتبہ نہ ہو۔(اوراس طرح شہادت مکمل ہوجائے)ان تضل: بھول جائے شہادت کے کسی حصہ کو۔واقعہ کے کسی جز کو رہا یہ امر کہ عورت کی شہادت مرد کے مقابلہ میں ضعیف کیوں مانی گئی ہے۔اورنسیان کا احتمال مرد کی شہادت میں کیوں نہیں رکھا گیا ؟تو یہ سوالات ذھن واخلاق کی دنیا میں بالکل ایسے ہی ہیں جیسے جسم ومادیات کی دنیا میں دریافت یہ کیا جائے کہ حمل ومادیات کے ایک ایک دانہ سے واقف ہے۔اس کے پیش نظر ذھنیات واخلاقیات کی بھی باریک سی باریک حقیقتیں ہیں۔مغرب کے

ماہر نسائیات ھیو لاک ایلز نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ عورت کے لئے دھوکہ اور فریب بہ منزلہ امر طبعی کے ہوتا ہے۔''(28)

۲۔ مولانا محمد صدیق کاندھلوی، تفسیر معالم القرآن:

خواتین کی شہادت کے بارے میں نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

راہ اعتدال:

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالی مرد و عورت میں الگ الگ صلاحیتیں رکھی ہیں اور ہر حنف دوسری نوع کی خاص صلاحیتوں سے خالی ہے عالم انسانیت کی تکمیل کے لئے ان دونوں کا وجود ضروری ہے۔ انسانیت کو عورتوں کی بھی اتنی ضرورت ہے جتنی کسی ناقص کو اپنے کمال کے لئے ضرورت ہے۔ اس لحاظ سے عورتوں کے کمال اور ضرورت کا انکار نہیں مگر بات صاف یہ ہے کہ جو صلاحیتیں مرد میں رکھی گئی ہیں۔ وہ ان صلاحیتوں سے برتر ہیں جو عورتوں میں رکھی گئی ہیں۔ نبوت و رسالت تو بڑے مقامات ہیں قانون تو عورت کو روزمرہ کی نماز میں امامت کی اجازت نہیں دیتا بلکہ مسجد میں مقتدیوں کی صف اول میں شامل ہونے سے روکتا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ اس کا مؤقف مردوں کی صفوں کے بعد ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے عورتوں کے مردوں کے ساتھ مساوات کی ہمیں تو کوئی اصل معلوم نہیں۔ عورت عورت ہے اور مرد مرد ہے قرآن نے جہاں عورتوں اور مردوں کے حقوق کا ذکر کیا ہے۔ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وہاں یہ بات کھول کر کہہ دی کہ والرجال علیھن درجۃ اور اس خاص درجہ کی توضیح سورۃ نساء پارہ پنجم میں کی ہے۔ اگر صورت حال یہی ہے تو پھر یہ سوال کہ نسیان کا احتمال مرد کی شہادت میں کیوں نہیں رکھا گیا بالکل ایسا ہی ہے جیسے جسم و مادیات کی دنیا میں یہ دریافت کیا جائے کہ حمل و رضاعت کا تعلق صرف عورتوں ہی سے کیوں رکھا گیا۔ اور مرد کے باوجود طاقتور ہونے کے اس قابل کیوں نہ سمجھا گیا۔ آیت میں متذکر سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ گواہی کا مدار یاد پر ہے اگر دستاویز دیکھ کر یاد نہ آیا تو گواہی دینا درست نہیں ہے۔''(29)

خواتین کی گواہی مردوں کے مقابلے میں نصف ہے یعنی ایک مرد اور دو عورتوں کے نصاب کی حکمت بیان کرتے ہوئے موصوف مزید لکھتے ہیں۔

''اگر دو مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد دو عورتیں ہوں تا کہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے، یعنی تم کو چاہئے کہ اس معاملہ پر کم از کم دو گواہ مرد وزن میں سے یا ایک مرد دو عورتیں گواہ بنائی جائیں ۔۔۔۔ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں اس لئے دونوں کی گواہی شمار ہوگی اور اس بناء پر عدالت دونوں عورتوں کی گواہی ایک ساتھ لے گی ۔قرآن نے خود اس کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد کر دے ۔اور گویا یہی ایک بات ایک مرد کی جگہ شہادت میں دو عورتوں کو لانے کی علت ہے ۔اگر مرد کی جگہ دو عورتوں کی شہادت میں نیابت دینے کی یہی وجہ ہے تو کیا اس لئے ہے کہ فی الواقع ذھانت اور حافظہ کے اعتبار سے مرد کی قوت یادداشت یا قوت فکر عورت سے تخلیقاً ڈبل ہوتی ہے یا اسکی اور وجہ ہے ۔

آلوسی نے بتایا کہ عورتوں میں مزاجی رطوبت کی وجہ سے نسیان کا غلبہ ہوتا ہے ۔بیضاوی نے اس کی وجہ قلت ضبط اور نقصان عقل بتایا ہے ۔اصل یہ ہے کہ عورت کے مقابلے میں مرد کی ترجیح کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالی نے فطری طور سے مردوں کو عورتوں پر جسم و طاقت اور عقل وفراست وغیرہ میں جسمانی وذھنی فوقیت اور بڑائی عطا کی ہے ۔طبی تحقیقات، انسانیت کی پوری تاریخ اور روزانہ کے مشاھدے اس کی تائید میں ہیں ۔خدا کی مخلوق میں صفت وقوت کا یہ اختلاف ساوی مخلوق سے لے کر ارضی مخلوق تک میں موجود ہے ۔آسمان پر جب نظر کی جاتی ہے تو اس میں بھی شمس وقمر تمام ستاروں میں سب سے زیادہ روشن اور بڑے نظر آتے ہیں ۔پھر ستاروں میں بھی ان کی جسامت اور نورانیت میں بڑا اختلاف ہے ۔زمین میں حیوانات میں بڑا اختلاف ہے اور ان کی مذکر ومؤنث میں ان کی جسامت اور طاقت کے لحاظ سے کھلا اختلاف نظر آتا ہے ۔یہی اختلافات انسانوں میں بھی مرد وعورت کی ضیف میں قوت وضعف کا اختلاف ہے ۔۔۔۔انبیاء علیہ السلام کی اتنی بڑی تعداد میں کسی عورت کو منصب نبوت پر سرفراز نہیں کیا گیا ۔اسی طرح دنیا کے سربراہوں کی تاریخ میں عورتوں کا حصہ خال خال ہے ۔دین ودنیا کی یہ تاریخی ہم آہنگی اس کی کھلی شہادت ہے کہ عورت میں مرد کے مقابلہ میں ضعف ہے ۔''(30)

۴۔ **معروف اسلامی مفکر سید قطب شہیدؒ خواتین کی شہادت** کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں ۔

''گواہی کا کام مردوں کے سپرد اس لئے کیا گیا ہے کہ ایک صحت مند اسلامی معاشرہ میں عموماً مرد ہی یہ کام

کرتے ہیں۔ کیونکہ اسلامی معاشرہ میں بالعموم عورت کو اپنی ضروریات زندگی کے لئے جدوجہد نہیں کرنی پڑتی، وہ بحیثیت ماں اور بحیثیت صنف نازک اپنے فرائض سرانجام دیتی ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ وہ انسانیت کے سب سے بڑے سرمایہ یعنی بچوں کی پرورش اور تربیت کا کام کرے جو مستقبل کے نمائندے ہوتے ہیں اور ان بچوں کی قدروقیمت ان چندلقموں اور چندٹکوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ جو کوئی عورت اپنے عمل سے کما سکتی ہے جب کہ آج کے بے راہ اور محروم معاشرہ میں عورت کو مجبوراً اپنے ان فرائض کے ساتھ یہ کام بھی کرنا پڑتا ہے۔ تو ایسے حالات میں اگر دومرد گواہ نہ ہوتو ایک مرد اور دوعورتیں گواہ بن جائیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک مرد کے مقابلے میں عورتیں دو ہی کیوں رکھی گئی ہیں؟ قرآن حکیم نے اس بات کو مجمل نہیں چھوڑا ہے اس لئے قانون سازی کے میدان میں ہر عبادت واضح، متعین اور قانون سازی کے اصل سبب پر مشتمل ہونا چاہئے۔

ان تضل احد هما فتذكر احد لهما الاخرى

ترجمہ۔ تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے دلادے۔

سوال یہ ہے کہ عورت بھولتی کیوں ہے؟ اس کے کئی اسباب ہوسکتے ہیں یہ بھی سبب ہوسکتا ہے کہ عورتوں کو عموماً معاھدات کے میدان میں زیادہ تجربہ نہیں ہوتا۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ کسی معاھدے کے حالات اور شرائط پوری طرح اس کے ذہن میں نہ بیٹھے ہوں اور وہ مقدمہ بازی کے وقت ان کے بارے بالکل اچھی طرح شہادت دے سکتی ہو۔ اس لئے سہولت کے لئے دوسری عورت کو ساتھ رکھا گیا تاکہ شہادت کے وقت وہ اسے اصل بات یاد دلا دے۔ اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور موضوع متنازعہ کے اصل حالات کو ذہن میں لاسکیں۔

کبھی اس بھول کا سبب یہ ہوتا ہے کہ عورت بہت زیادہ منفعل مزاج ہوتی ہے۔ عورت کی ماما اور اس کی جسمانی اور عضویاتی اور طبیعاتی وظائف کا بھی یہ اہم تقاضہ ہے کہ عورت منفعل ہو۔ جلد لبیک کہنے والی ہوتا کہ وہ بچے کی نشو نما کے سلسلے میں اپنے طبعی فرائض اچھی طرح سرانجام دے سکے۔ یہ فرائض ایسے ہو ہیں جو کسی بھی عورت کی شخصیت سے جدا نہیں کئے جاسکتے۔ یہ عورت پر اللہ تعالی کا ایک بہت بڑا کرم ہے اور اسی طرح پیدا ہونے والے بچے پر بھی اللہ کی رحمت ہے۔ اس لئے عورت کا یہ مزاج کسی بھی وقت اس کی شخصیت سے جدا نہیں ہوسکتا۔ اس کی اپنی شخصیت ہے اور اپنا مزاج ہے بشرطیکہ عورت صحت مند ہو اور اس کی شخصیت کو بگاڑ نہ دیا گیا ہو جب کہ

معاھدات جیسے پیچیدہ معاملات اور ان معاملات میں شہادت دینا ایک ایسا فریضہ ہے جس میں کسی شخص کا اپنا موقف ہوا ور ثابت قدم ہوا یسے مواقع پر دوعورتوں کا بیک وقت شہادت دینا اس بات کی ضمانت ہے کہ اگر بھول جائے تو دوسری سے یاد دلائے ۔ جب کہ وہ بھول اور فطری انفعال کی وجہ سے غلط ہورہی ہو ۔ اس طرح یا دھانی کے بعد وہ اصلی واقعہ کی طرف لوٹ آئے گی ۔''(31)

۴۔ معروف سکالر مولانا محمد علی تفسیر بیان القرآن:

یعنی اردو ترجمہ، ترجمہ القرآن میں خواتین کی شہادت کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں ۔

''ایک مرد کی جگہ جو دوعورتو ں کی شہادت رکھی تو اس کی وجہ بھی خود ہی بتا دی کہ عورتو ں کی چونکہ معاملات سے واسطہ کم پڑتا ہے اس لئے ایسی باتوں کو شاید وہ اچھی طرح یاد نہ رکھ سکیں تو ایک کی کمی کو دوسری پورا کردے اکیلی عورت نا قابل قبول ہونے کا ذکر کہیں نہیں ۔ بلکہ لعان کے معاملہ میں جو وزن مرد کی چار مرتبہ شہادت کو دیا ہے وہی وزن ایک مرتبہ شہادت کو دیا ہے گویا مرد اور عورت کی شہادت میں کوئی فرق نہیں کیا۔ ولادت ، بکارت وغیرہ معاملات عورت کی شہادت کو پورا وزن دیا ہے ۔''(32)

۵۔ **مولانا محمد شہاب الدین ندوی کی تمدنی** سرگرمیوں ،اجتماعی مسائل و معاملات میں شرکت کے حوالے سے اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

''ا۔اسلامی قانون کی رو سے کوئی عورت نماز پڑھانے کے لئے مردوں کی امام نہیں بن سکتی ۔مردوں کی امامت کا فریضہ صرف مردوں ہی کے لئے مخصوص ہے البتہ عورت بعض شرائط کے ساتھ مرد کی اقتداء میں نماز پڑھ سکتی ہے ۔جس کی تفصیل حدیث وفقہ کی کتابوں میں مذکور ہے ۔

۲۔ اسلامی نقطۂ نظر سے عورت کو کسی ملک کا سربراہ بنانا زوال وادبار کی علامت ہوگا ۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر ملی کہ اہل فارس نے بنت کسریٰ کو اپنا سربراہ مملکت بنا دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ۔

لن یفلح قوم ولو اامرھم امراۃ (ترجمہ) وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکے جس نے اپنے (اجتماعی) معاملے کو کسی عورت کے حوالے کر دیا ہو ۔

اس میں اگر چہ کسی خاتون کو سربراہ مملکت بنانے کی صریح ممانعت نہیں ہے ۔مگر یہ فعل اسلام کی نظر میں نا پسندیدہ ضرور ہے کیونکہ اس میں قوم و ملک کے زوال کے پیش گوئی موجود ہے ظاہر ہے کہ یہ قحط الرجال کی علامت ہے۔

۳۔ اسی طرح اسلامی قانون کی رو سے عورت قاضی یا مجسٹریٹ نہیں بن سکتی ۔۔۔۔یعنی وہ اپنے کسی بھی اجتماعی معاملے کو عورت کے سپرد کرنا صحیح نہ ہوگا ۔کیونکہ عورت طبعًا ناقص العقل ہوتی ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات معاملہ بگڑ سکتا ہے ۔

نیز اس قسم کے اجتماعی معاملات میں خواتین کو دخل دینے سے روکنے کی دوسری وجہ بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ مناسب طبقہ بناء کے اصل دائرہ کار سے باہر ہیں ۔اور تیسرے یہ کہ خواتین پر جو اخلاقی وتمدن پابندیاں عائد کی گئی ہیں ۔وہ خود بھی انہیں اس قسم کے اجتماعی امور و معاملات میں دخل دینے سے روکنے کے لئے کافی ہیں اور ان حدود وضوابط کی وجہ سے وہ شرائط بھی پوری نہیں ہوتیں جو ان امور کو انجام دینے کے لئے ضروری ہیں ۔لہٰذا ان حدود وضوابط کو عائد کرنے کا منشاء اسلام کی نظر میں شاید یہی ہے ۔یہ طبقہ خواتین کی توہین یا اہانت نہیں بلکہ دراصل ان پر ان کی قدرت و طاقت سے بڑھ کر ایک زائد بوجھ ڈالتا ہے ۔عورت دراصل ان کاموں کے لئے تخلیق نہیں کی گئی ہے ۔'' (33) **محمد ادریس کاندھلوی:**

خواتین کی شہادت کے حوالے سے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸۲ کے ضمن میں تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

''سوائے شہادت زنا کے ہر امر کی شہادت کے لئے دو ثقہ آدمیوں کی گواہی کافی ہے ۔البتہ زنا کی شہادت کے لئے چار مردوں کی گواہی ضروری ہے ، کیونکہ زنا کا تعلق مرد اور عورت دونوں سے ہے اس لئے چار آدمیوں کی گواہی ضروری ہوئی کہ گویا دو گواہ مرد کے زنا کے لئے اور وہ دو گواہ عورت کے زنا کے لئے ۔نیز شریعت کا مقصود پردہ پوشی بھی مطلوب ہے ۔

پھر سوائے زنا کے حدود اور قصاص میں دو مردوں کی گواہی کافی ہے مگر شرط یہ ہے کہ کوئی گواہ عورت نہ ہو ۔

۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں زہری سے منقول ہے۔

مضت البنۃ من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و الخلیفتین بعدہ ان لا شہادۃ النساء فی

الحدود۔

ترجمہ۔یعنی نبی کریم ﷺ اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ سے یہ سنت جاری ہے کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں۔باقی ان کے سواء اور تمام معاملات میں خواہ مالی ہو یا غیر مالی دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔''(34)

۸۔ **مولانا مفتی عاشق الٰہی** بلند شہری مہاجر مدنی گواہی کے درجات بیان کرتے ہوئے مردوں اور خواتین کی شہادت کے حوالے سے نصاب پر اظہار خیال کرتے ہیں۔

''گواہی کے درجات ہیں۔

۱۔ ان میں سے زنا کی گواہی ہے کہ اس میں چار آدمیوں کی گواہی معتبر ہوگی اور اس میں عورتوں کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

۲۔ اور قصاص کی گواہی اور باقی حدود کی اس میں دو آدمیوں کی گواہی قبول ہوگی اور عورتوں کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

۳۔ اور اس کے علاوہ اور حقوق میں دو آدمیوں یا ایک آدمی اور دو عورتوں کی گواہی قبول ہوگی خواہ مال ہو یا غیر مال ہو جیسے نکاح، طلاق، وکالت، وصیت۔

۴۔ ولادت، بکارت اور عورتوں کے عیوب میں جن پر دو آدمی مطلع نہیں ہوسکتا، ایک عورت کی گواہی قبول ہوگی۔''(35)

۹۔ **علامہ محمد عبدالخالق الحقانی** تفسیر حقانی میں خواتین کی شہادت کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''سوائے شہادت زنا کے ہر امر کی شہادت کے لئے دو آدمی کافی ہیں۔لانہ قال شہیدین اور زنا کے معاملہ میں چار شخصوں کی گواہی معتبر ہے۔کیونکہ یہ کام مرد اور عورت دونوں سے متعلق ہے ہر ایک کے دو گواہ چاہئیں اور نیز پردہ پوشی بھی مطلوب ہے۔پھر سوائے زنا کے اگر حدود و قصاص کا معاملہ ہے تو اس میں صرف دو مرد ہوں عورتیں نہ ہوں کیونکہ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں زہری سے روایت کی ہے۔مضت السنۃ من الدن رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم والخلیفتین من بعدہ ان لا شھادۃ للنساء فی الحدود ۔کہ حضرت کے عہد سے ابو بکرؓ وعمرؓ کے عہد تک حدود و قصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جاتی تھی ۔اس کے سوائے اور سب معاملات میں خواہ مالی ہوں خواہ غیر مالی دو مردوں کی گواہی اور جو دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی کافی ہے دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام کی گئیں ہیں کیونکہ ان کے مزاج میں برودت ہے جس سے نسیان پیدا ہوتا ہے دو میں اگر ایک بھولے گی تو دوسری یاد دلائے گی ۔امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مالی معاملات میں قبول ہوگی اور غیر مالی میں مرد کا ہونا ضروری بات ہے ۔'' (36)

فتاوی دار العلوم دیوبند جلد دوم ۔میں طلاق کے معتبر ہونے کے لئے مرد کی شہادت کو ضروری قرار دیا گیا ہے ۔یعنی عورتوں کی گواہی کی صورت میں طلاق تسلیم کی جائے گی ۔فتوی ملاحظہ ہو۔

''جبکہ زید نے اپنی زبان سے تین مرتبہ اپنی زوجہ کو طلاق دے دی تو زید کی زوجہ پر طلاق ہوگئی اب زید بدون حلالہ کے دوبارہ اس کو نکاح میں نہیں لا سکتا ۔کما قال اللہ تعالی فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتیٰ تنکح زوجا وغیرہ ۔لیکن اگر زید طلاق دینے سے منکر ہو اور عورت دعوی طلاق کا کرے تو محض عورتوں کی گواہی عدالت میں طلاق ثابت نہ ہوگی اور حاکم حکم طلاق نہ کرے گا اور جو شخص دروازہ پر بیٹھا ہے اس کی گواہی بدون شرائط مخصوصہ معتبر نہ ہوگی ۔

قال فی الھدایۃ کتاب الشھادۃ ولو سمع من وراء الحجاب لا یجوز لہ ان یشھد لان النغمۃ تشبہ النغمۃ فلم تحصل العلم الا اذا کان دخل البیت وعلم انہ لیس فیہا احد سواہ ثم جلس علی الباب ولیس فی البیت مسلک غیرہ فسمع اقرار الداخل ولا یراہ لہ ان یشھد لانہ حصل العلم فی ھذہ الصورۃ ۔واللہ سبحانہ وتعالی اعلم ۔''(37)

۱۰۔ **ڈاکٹر رشید احمد جالندھری** سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ کی بنیاد پر خواتین کی شہادت کی حیثیت کے حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

''آیت ۲۸۲ عورتوں کی ذھنی اور روحانی حیثیت کو ظاہر نہیں کرتی ۔اس آیت کی تفسیر میں شیخ نے عبدہ نے لکھا ہے کہ موجودہ زمانے میں مصر میں فرانسیسی طرز کی عدالت متعارف کی جا رہی ہیں علمائے ازھر نے ان عدالتوں کے خلاف اعتراضات کئے ہیں لیکن بعد میں یہی علماء انہی عدالتوں میں پہنچ گئے ۔شیخ رشید رضا نے بھی فرانسیسی

عدالتوں پر نکتہ چینی کی تو علماء نے کہا کہ فرانسیسی عدالتیں نظامی عدالتوں سے زیادہ انصاف کی ضمانت دیتی ہیں۔ ۱۹۵۸ میں جمال عبدالناصر نے شرعی عدالتوں کو ختم کر دیا، علماء اور فقہاء کا ہمیشہ سے یہ نقطۂ نظر رہا ہے کہ قانون زمان ومکان کی تبدیلی کے ساتھ بدلتا ہے۔(الاحکام تتغیر باختلاف الزمان والمکان)

مسلم علماء نے مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت جلب منفعت دفع حضرت کے اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے۔مثال کے طور پر ایک صاحب مغربی بنگال ڈھاکہ چلے گئے اور اپنی بیوی کو مغربی بنگال میں ہی چھوڑ گئے انہوں نے اپنی بیوی کو ایک پیسہ بھی نہیں بھیجا۔اس کے سسر مغربی بنگال کی عدالت میں چلے گئے۔کیس کو سن کر عدالت نے فیصلہ دیا کہ اب وہ اس شخص کی بیوی نہیں رہی اور وہ دوسری شادی کرسکتی ہے لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ فیصلہ کسی غیر مسلم جج نے دیا ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔

اس مسئلے پر مولانا ابوالکلام آزاد سے مشورہ مانگا گیا جنہوں نے جواب دیا کہ عدالت کا فیصلہ جلب منفعت اور دفع ضرر کے اصول سے جائز ہے۔ابن قیم الجوزیہ نے اپنی کتاب اعلام الموقعین کا ایک پورا باب اسی اصول کے لئے مختص کیا ہے۔ہمیں سماجی تبدیلیوں کا بھی خیال کرنا ہے مرد یا عورت کی گواہی کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ ہم قرآن کو الہامی کتاب سمجھتے ہیں حضرت عمرؓ نے ایسے کئی قوانین تبدیل کر دیئے۔جن پر پیغمبر ﷺ کے زمانے سے عمل ہو رہا تھا،حضور اکرم ﷺ نے بھی مختلف اوقات میں مختلف فیصلے دیئے ہیں۔''(38)

۱۱۔ **معروف سکالر نعیم صدیقی خواتین کی شہادت** کے حوالے سے اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''عورت کی گواہی کو بعض کے نزدیک تمام معاملات میں اور بعض کے نزدیک دیوانی معاملات میں نصف قرار دیا گیا ہے یعنی ۲ عورتیں اگر ملکر شہادت دیں تو وہ ایک شہادت شمار ہوگی۔فوجداری معاملات میں تو عورت کا استثنا ہی معقول نظر آتا ہے۔کیونکہ قتل، مقابلے،لڑائی، دنگے، چوری ڈاکے وغیرہ جرائم میں گھریلو عورت کہاں براہ راست گواہی بن سکتی ہے اور بنے بھی تو وہ جزئیات وتفاصیل کو کیسے چشم میں محفوظ رکھ سکتی ہے اور پھر عدالت میں وہ جرح کا مقابلہ کس حد تک کرسکتی ہے؟ وہ تو جرائم کی دنیا سے بہت دور رہتی ہے اور اسے اپنے فرائض منصبی کے لحاظ سے دور رہنا چاہیئے۔

لیکن اس میں بھی استثنا ہیں ایک یہ کہ اگر گھر میں مجرم داخل ہو کر قتل یا چوری کرتے ہیں اور وہ تنہا ہی اس کی

گواہ بن سکتی ہے۔تو اس کی گواہی قابل قبول ہوگی، اگر عورتوں کے کسی مجمع میں کوئی جرم ہوتا ہے تو عورتیں ہی اس کی گواہی دینے والی ہوسکتی ہیں۔اس طرح نسوانی معاملات مثلاً حمل، رضاعت اور اس کے دوسرے معاملات میں عورتوں ہی سے گواہی لی جائے گی۔

عام فوجداری مقدمات میں بھی قانون یہ ہے کہ محض کسی عورت کی شہادت پر حد جاری نہیں کی جاسکتی۔اس کے ساتھ اور بھی گواہیاں اور قرائن ہونے چاہئیں، پھر حد جاری ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اگر جرم قرائن کی مدد سے ثابت ہوجائے تو کوئی تعزیر بھی نہیں دی جاسکتی۔

عورت کے لئے یہ ممانعت نہیں ہے کہ وہ کسی فوجداری جرم کے سلسلے میں عدالت میں داخل نہیں ہوسکتی۔وہ جا سکتی ہے، اپنی گواہی ریکارڈ کراسکتی ہے جسے دوسری شہادتوں اور قرائن کے ساتھ رکھ کر دیکھا جائے گا۔بہ حیثیت مدعی بھی وہ استغاثہ لیکر جاسکتی ہے۔'' (39)

۱۳۔ **چیف جسٹس (ر) آفتاب حسین شیخ** شہادت خواتین کے حوالے سے شریعت کے تصور شہادت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''شہادت کے موضوع پر میں نے مختلف احادیث کا مطالعہ کیا ہے پیغمبر ﷺ نے ایک گواہی پر فیصلہ دیا ہے ایک شہادت اور دوسرے فریق کے ایک حلف پر بھی ''البینۃ علی المدعی والیمین من انکر '' اور پھر اس سے بھی انحراف کیا ، کیونکہ یہ ایسا معاملہ ہے جو کہتا ہے ہمیں موجودہ زمانے میں اور positive Law,Procedural Law میں فرق کرنا چاہئے۔

Procedural Law تبدیل ہوتا رہتا ہے پیغمبر ﷺ کے زمانے میں بھی ایسا ہوا شہادت کا قاعدہ تبدیل ہوتا رہا ہے۔حضور اکرم ﷺ نے زنا بالجبر اور بدکاری کے کیس میں ایک عورت کی گواہی پر بھی فیصلہ کیا۔ آپ نے ایک آدمی کی گواہی اور دوسرے فریق کے حلف پر فیصلہ دیا۔حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں کہ دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔یہ کوئی کلی اصول نہیں اس طرح یہ بھی درست نہیں کہ عورت کی گواہی مرد سے آدھی ہے جہاں تک سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲ کا تعلق ہے تو ابن تیمیہ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے واضح انداز میں کہہ دیا ہے کہ یہ آیت عدالت میں گواہی کے لئے نہیں ہے۔

مزید برآں عورتوں کے معاملات میں خصوصی استثناء اس وقت قائم کی گئی ہے جب صرف ایک عورت کی گواہی قبول کی گئی ۔حضور اکرم ﷺ کے سامنے ایک مقدمہ لایا گیا ،ایک خاتون نے آگے بڑھ کر کہا کہ یہ دوافراد آپس میں شادی نہیں کرسکتے کیونکہ میں نے ان دونوں کو اپنا دودھ پلایا ہے ۔حضور اکرم ﷺ نے دعویدار کی گواہی پر فیصلہ کردیا۔''(40)

۱۴۔ **تیونس کے قانون دان رفاعہ بن عاشور اپنے معاشرے** کے حوالے سے خواتین کی شہادت کے بارے میں قوانین پر تبصرہ کرتے ہوئے اظہار خیال کرتی ہیں ۔

''تیونس میں آئین کی دفعہ ٦ قانون کی نظر میں تمام شہریوں کو برابر ہونے کی شرط عائد کرتی ہے ۔وہاں دونوں جنسیں قانوناً تمام معاملات میں شہادت دینے کا مساوی حق رکھتی ہیں ۔تیونس میں عورت کی شہادت کا مسئلہ کبھی نہیں اٹھا ،عورتوں کی فوجداری عدالتوں اور سپریم کورٹ میں عہدے دیئے جاتے ہیں اگر وہ جج ہوسکتی ہیں تو وہ تمام معاملات میں گواہ بھی ہوسکتی ہیں ۔''(41)

۱۵۔ ایک **عالم دین مولانا حمید الرحمن** سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ کے ضمن میں تبصرہ کرتے ہوئے خواتین کی شہادت کے بارے میں اپنی رائے پیش کرتے ہیں ۔

''عورت کو نسیان ہوتا ہے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ناقصات عقل ان کی عقل ناقص ہوتی ہے اصل میں بات یہ ہے کہ معاملات میں عورتوں کو دلچسپی نہیں ہوتی بعض عورتوں کے خصوصی معاملات ہوتے ہیں ۔وہاں عورت ہی کی دلچسپی ہوتی ہے مرد کی نہیں ۔مثلاً کپڑے کا رنگ کیسا ہونا چاہئے اور کپڑوں کی کتنی قسمیں ہیں یا گھر کے برتن یہ ساری چیزیں عورت کے مزاج کی ہیں ۔ایسے معاملات میں ایک عورت کی بات معتبر ہے کیوں معتبر ہے اس لئے کہ عورت ایسے معاملات کو اچھا یاد رکھتی ہے آپ جانتے ہے کہ گھر کی چیزیں عورت ہی جانتی ہے مرد نہیں جانتا اور اگر عوام کے درمیان دنگا فساد ہو جائے تو ان چیزوں کو مرد زیادہ جانتا ہے عورت نہیں جانتی ۔رہا بکارت کا مسئلہ یا رضاعت کا مسئلہ یا ولادت کا مسئلہ تو ان حالات کو عورت کی گواہی بالکل معتبر نہیں یہ غلط ہے ۔اسی طرح یہ کہنا کہ گواہی کے اعتبار سے عورت مرد کے برابر ہے یہ بات بھی غلط ہے ۔قرآن کریم کی نص قطعی کے خلاف ہے اور یہ جو مساوات کا سلسلہ اس وقت چل پڑا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے کہ عورت ہر سطح پر مرد کے

برابر ہے تو اس سے عورت کا بہت بڑا نقصان ہوگا مرد کا نہیں ہوگا ۔جس وقت ہم عورت کو مرد کے برابر تسلیم کرلیتے ہیں تو پھر ظاہر بات ہے کہ مرد عورت کے اخراجات برداشت نہیں کرے گا ۔ جب دونوں مساوی ہیں تو مرد کی کیا ضرورت ہے کہ وہ عورت کے اخراجات پورے کرے ۔ یہ کہ مرد عورت کو مکان مہیا کرتا ہے وہ مکان مہیا نہیں کرے گا ۔اولاد میاں بیوی کی مشترک ہے قرآن کہتا ہے اولاد کے اور عورت کے تمام اخراجات مرد کے ذمے ہیں ۔ جب آپ دونوں کو مساویانہ حیثیت دینگے اور برابر میں لائیں گے تو وہ یہ چیزیں برداشت نہیں کرے گا اس میں تو عورت کا نقصان ہے مرد کا نہیں اور بھی عرض کروں کہ یہ جو ملک میں ایک سلسلہ چلا ہوا ہے اس میں عورت کا کتنا نقصان ہوگیا ہے ۔ میں یہ عرض کرونگا کہ آج پچانوے فیصد بالغ لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں اور نکاح کا کوئی سلسلہ نہیں ۔وہ بیچاری نوکریاں تلاش کررہی ہیں کیونکہ والدین ان کا جہیز مہیا نہیں کرسکتے ۔یہ ایک بحران پیدا ہوگیا ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ مرد عورت برابر ہیں تو مرد پھر یہ اخراجات بھی برداشت نہیں کرے گا ۔ جب مرد اخراجات برداشت نہیں کریگا تو سوچ لیں کہ عورت کس قدر بدحال ہوگی ۔ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ اسلام ایک عادلانہ اور حکیمانہ اور رحیمانہ نظام ہے بنی نوع انسان کے جتنے بھی طبقات ہیں ہر ایک کے حقوق کا تحفظ موجود ہے ۔باقی یہ کہنا کہ جب ایک عورت کی گواہی ایک مرد کے برابر تسلیم نہ کی جائے تو عورت کا وقار مجروح ہوگا تو میں نے عرض کیا تھا کہ اسمیں کسی کا وقار مجروح نہیں ہوتا یہ تو اثبات حق کے لئے ہوتی ہے دوسرے کا حق اگر کسی مرد کی وجہ سے بھی تلف ہوتا ہے ۔مثلاً مرد جھوٹا ہے یا اس نے کسی پر تہمت لگائی ہے تو قرآن کہتا ہے کہ ان کی گواہی بھی معتبر نہیں اب مرد اٹھ کر کہیں کہ صاحب ، ہماری حیثیت پر حملہ ہوگیا ہے یہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ گواہی سے دوسرے کا حق ثابت کرنا ہے ۔کسی کی حیثیت کو قائم رکھنے کے لئے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ دوسرے کا حق تلف ہوجائے ۔‘‘(42)

ایک سکالر محبت حسین اعوان قرآن حکیم کی سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸۲ کے ضمن میں اپنی آراء کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں ۔

’’(اس) آیت میں واضح طور پر عورت کی شہادت کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے اس آیت کریم میں مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ کاروباری معاملات جن کا تعلق عموماً مردوں سے ہوتا ہے، میں اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنا لو اور

اگر کسی وجہ سے دو مرد موجود نہ ہوں یا دو مرد نہ مل سکیں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہ مقرر کرلو۔ اگر چہ ایک عورت ہی ایک مرد کے ساتھ گواہ ہوتی لیکن اس کی مدد کے لئے دوسری بھی شامل ہوسکتی ہے۔ اس آیت میں کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہوا کہ عورت گواہی نہیں دے سکتی یا پھر اس کی گواہی نصف تصور کی جائے گی۔ جو حضرات اس آیت کو سامنے رکھ کر عورت کی شہادت کو مرد کے مقابلے میں نصف تصور کرتے ہیں تو یہ انکی اپنی عقل کی تخلیق ہے وگرنہ قرآن نے عورت کو مرد کا نصف کہیں بھی نہیں بتایا اور نہ ہی اس کی گواہی کو نصف مرد کے برابر بیان کیا ہے۔ جب خدا نے عورت کی شہادت کو نصف مرد کے برابر نہیں بتلایا تو ہم کیوں اپنی طرف سے اسے نصف شہادت کا درجہ دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں کاروباری معاملات میں جو دو عورتیں ایک مرد کے ساتھ گواہ ہونگی کیا وہ کسی پردہ کے پیچھے کھڑی ہو کر گواہی دینگی یا اس مرد کے ساتھ کھڑے ہو کر گواہی دیں گی۔ دوسری بات یہ کہ اگر وہ پردہ کے پیچھے ہونگی تو ان کی شناخت کون کریگا؟ کیا ان کی شناخت کے لئے ان کے والد، ان کے بھائی، ان کے بیٹے یا شوہر کو بھی عدالت بلایا جائے گا؟ یا پھر قرآن کا منشاء یہ ہے کہ عورت اور مرد دنیاوی معاملات میں آپس میں برابر برابر ہیں۔ یہاں ایک بات اور بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جب دو پارٹیاں مالی معاملات کو ضبط تحریر میں لا رہی ہوں تو کیا گواہی کے لئے ان کے پاس دو مرد دستیاب نہیں ہو سکتے کیا ایسا ممکن ہے؟ ہر گز نہیں بلکہ قرآن کا منشاء یہ ہے کہ عورت کی گواہی کے لئے قانون بنا دیا جائے تا کہ آنیوالے زمانے میں اس پر پریشانی نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ کیا عورت گواہ بن سکتی ہے یا نہیں جواب آسان ہے کہ ہاں قرآن کے حکم کے مطابق عورت گواہ بن سکتی ہے۔'' (43)

۱۶۔ مولانا امین احسن اصلاحی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ کے ضمن میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''(دستاویز) پر دو مردوں کی گواہی ثبت ہوگی جن کے متعلق ایک ہدایت یہ ہے کہ وہ من رجالکم یعنی اپنے مردوں میں سے ہوں۔ جس سے بیک وقت دو باتیں نکلتی ہیں ایک یہ کہ وہ مسلمان ہوں، دوسری یہ کہ وہ اپنے میل جول اور تعلق کے لوگوں میں سے ہوں کہ فریقین ان کو جاننے پہچاننے ہوں دوسری یہ کہ وہ ممن ترضون یعنی پسندیدہ اخلاق و عمل کے ثقہ، معتبر اور ایماندار ہوں۔

اگر مذکورہ صفات کے دو مرد میسر نہ آسکیں تو اس کے لئے ایک مرد اور دو عورتوں کا انتخاب کیا جا سکتا ہے، دو

عورتوں کی شرط کی تذکیر وتبینہ سے اس کا سدباب ہو سکے گا۔ یہ فرق عورت کی تحقیر کے پہلو سے نہیں ہے بلکہ اس کی مزاجی خصوصیات اور اس کے حالات ومشاغل کے لحاظ سے یہ ذمہ داری اس کے لئے ایک بھاری ذمہ داری ہے اس وجہ سے شریعت نے اس کے اٹھانے میں اس کے لئے سہارے کا بھی انتظام فرما دیا ہے۔'' (44)

۱۷۔ **پروفیسر محمد لطیف کے نقطۂ نظر کے مطابق** ''حدود کے مقدمات ان میں صرف مرد ہی گواہ کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں، عورت کا ان معاملات کے ارتکاب کے وقت موجود ہونا اس عورت کو فاسق بنا دیتا ہے جب تک وہ آوارگی کا شکار نہ ہوا یسے معاملات دیکھ نہیں سکتی۔ اس لئے ایسے شخص کو بطور گواہ کیسے قبول کیا جا سکتا ہے؟ جس نے اللہ کی مقرر کردہ کئی حدیں توڑ رکھی ہوں، جیسے حدود میں کوئی عورت گواہ نہیں ہو سکتی اسی طرح چند معاملات ایسے بھی ہیں جن میں صرف عورت اور اکیلی عورت کی گواہی پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ طے کر دیا کہ نومولود مذکر تھا یا مؤنث صرف ایک دایہ کی شہادت پر فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اس کی گواہی کو صد فی صد قبول کیا جائیگا۔'' (45)

حقوق العباد میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے جسٹس تنزیل الرحمٰن رقم طراز ہیں۔

''دراصل حقوق العباد سے مراد عام ہے، خواہ وہ مال ہو اگرچہ حد کے ضمن میں ہو جیسے حد سرقہ میں مال مسروقہ کی واپسی یا وہ توابع مال میں سے ہو یا مال نہ ہو۔ مثلاً مال کی صورتیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ وصیت کے اثبات سے مال متروکہ سے موصی لہ کو حصہ ملنا، چنانچہ وصیت کے اثبات سے ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے ہو سکتا ہے۔ جس کے نتیجے میں مدعی کو مال متروکہ میں سے اس کا حصہ دلایا جائے گا۔

۲۔ قتل خطا جس سے قصاص لازم نہیں آتا کیونکہ دیت لازم آتی ہے۔ ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے قابل اثبات ہے کیونکہ قتل خطا کے ثابت ہو جانے پر دیت (مال) ثابت ہو جائے گا۔ توابع مال میں میعاد اور شرائط میعاد حق آب، حق گزر وغیرہ شامل ہیں اور وہ حقوق جو مال نہیں ہیں ان میں نکاح طلاق، رضاعت، وکالت وغیرہ شامل ہیں۔'' (46)

۱۸۔ **سید جلال الدین عمری خواتین** کی شہادت پر اپنا نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اسلام ہر معاملہ میں شہادت نسواں کو جائز سمجھتا ہے، ہاں اس کی رائے یہ ضرور ہے کہ جن امور کا تعلق براہ راست مرد کی عملی زندگی سے ہے اور جو عورت کے دائرہ کار سے خارج ہیں ان کے متعلق اس کی شہادت میں مرد کی

شہادت سے کہیں زیادہ سہو ونسیان کا امکان ہے ۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی حقیقت تک رسائی میں آدمی کی فکر وفہم کو جتنا دخل ہوتا ہے اتنا ہی اس کی ذہنی ساخت اور عملی سرگرمیوں کو بھی ہوتا ہے ایک واقعہ کسی کے دامن توجہ کو فوراً اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور وہ اس کی تہہ تک پہنچنے اور اس کے مالہ و ماعلیہ سے واقف ہونے کی سعی کرتا ہے ۔لیکن دوسرے شخص کے لئے اس واقعہ میں کوئی کشش اور جاذبیت نہیں ہوتی اور وہ سرسری طور پر اس سے گزر جاتا ہے ایک کاروباری آدمی کا ذھن علمی مسائل میں اتنی مستعدی سے کام نہیں کرتا جتنا کہ ایک طالب علم کرتا ہے بلکہ خود علم کے مختلف شعبوں میں یہ حال ہے کہ ایک شعبہ کے ماہر کو دوسرے شعبہ کی معلومات اخذ کرنے میں بھی دشواری پیش آتی ہے ۔یہی حال عورت کا ہے اس کا ذھنی سانچہ اور اس کے عمل کی دنیا دونوں مرد کے ذھنی سانچہ اور اس کی عملی دنیا سے بالکل مختلف ہیں اس لئے وہ اپنے حدود عمل سے باہر ہونے والے واقعات کا مشاھدہ اور ضبط اتنی عمدگی کے سات نہیں کرسکتی جتنی عمدگی کے ساتھ مرد کرسکتا ہے لیکن اس کے باوجود شریعت نے ان واقعات میں بھی اس کی شہادت قبول کی ہے ۔یہ دلیل اس بات کی کہ شریعت عورت کی ذھنی صلاحیتوں پر ان امور میں بھی اعتماد کرتی ہے ۔جو اس کی افتاد اور عملی سرگرمیوں سے کلی طور پر ہم آہنگ نہیں ہیں ۔رہے وہ معاملات جن میں وہ شب و روز لگتی رہتی ہے اور جو اس کے ذوق اور رجحان سے پوری طرح مطابقت رکھتے ہیں ان میں شریعت نے اس کی گواہی کو مرد کی گواہی کی سی حیثیت دی ہے ۔بلکہ شعبیؒ تو کہتے ہیں ۔

من الشهادت مالا يجوز فيه الا شهادة النساء

ترجمہ ۔اور شہادت کی بعض ایسی قسمیں ہیں جن میں عورتوں ہی کی شہادت جائز ہے ۔

کسی واقعہ کا ثبوت صرف ایک یا دو آدمیوں کی زبانی شہادت ہی پر منحصر نہیں ہوتا بلکہ بہت سے داخلی اور خارجی علامات اصل حقیقت کی غمازی کرتے ہوئے ہیں لیکن یہ علامات زیادہ تر صریح اور قطعی نہیں ہوتے بلکہ اشاراتی ہوتے ہیں اس لئے شریعت نے فیصلہ کی بنیاد پر انسانوں کی قطعی اور دوٹوک گواہی پر رکھی ہے ۔البتہ بعض مخصوص معاملات کے سواء تمام معاملات میں ان علامات کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اگر یہ علامات کہیں واضح شکل میں موجود ہوں یا احتیاط اور تقویٰ کی خاص طرح کے فیصلہ کا تقاضہ کر رہے ہوں تو اس نے صرف ایک گواہ کو بھی کافی سمجھا ہے ۔'' (47)

نتیجہ بحث:

گذشتہ صفحات میں دور قدیم اور دور جدید کے اسلامی مفکرین کی آراء کو پیش کیا گیا ۔جن میں انہوں نے خواتین کی گواہی کا مقام اور حیثیت اور اہمیت پر مختلف انداز سے روشنی ڈالی ۔ دور قدیم کے ائمہ اور فقہاء کے نزدیک خواتین کی گواہی مردوں کے مقابلے میں نصف ہے ۔اور مخصوص مسائل میں صرف عورت کی گواہی کو جائز قرار دیا گیا ہے ۔خواتین کی گواہی حد اور زنا کے مقدمات میں نا قابل قبول قرار دے دی گئی ہے، اس کے لئے قرآن وحدیث کی نصوص کو اساس بنایا گیا ہے ۔اور اس دور کے مخصوص مزاج حالات اور تقاضوں کو مدنظر رکھا گیا ہے ۔ دور قدیم کے مفکرین کی آراء سے عصری تقاضوں کے مقاصد تو پورے نہیں ہوتے البتہ ان سے رہنمائی لی جا سکتی ہے ۔

اسی طرح دور جدید کے اسلامی مفکرین نے عورت کی حیثیت مقام کے حوالے سے اگرچہ گذشتہ ائمہ کی تشریحات سے استفادہ کیا ہے ۔لیکن عصری تقاضوں کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے ۔لیکن اکثر مفکرین نے الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ تقریباً وہی تصورات پیش کئے ہیں جو گذشتہ ادوار کے مفکرین نے پیش کئے ہیں ۔مثلاً انہوں نے خواتین کو مردوں کے مقابلے میں دوسری جنس ثابت کر کے، ناقص العقل کے حوالے سے ضعف عقل کی اساس پر اس کی رائے یا گواہی پر کامل اعتماد نہ کرنے کے حوالے سے دلائل دیئے ہیں ۔اور بعض نے قرآنی آیات کے ظاہری معنی کو بنیاد بنا کر انہیں نصوص قرار دے کر رائے کا اظہار کیا۔ کہ عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں آدھی ہے، مفکرین کا بہت چھوٹا طبقہ ان گذشتہ آراء کا رد کرتے ہوئے اسے مخصوص حالات، اور مخصوص زمانے کے تقاضے کے ساتھ منسوب کرتے ہوئے عصر حاضر میں خواتین کی گواہی کو مردوں کے مقابلے میں برابر قرار دیا ہے ۔اور گواہی کی شرائط جن کا تعلق عقل، بلوغت اور اچھے کردار سے ہے پر اگر عورت پورا اترتی ہے تو اس کی گواہی مردوں کی طرح ہے ۔ مالی معاملات میں چونکہ آج کے دور میں خواتین ماہر بھی ہیں اور اچھی طرح سمجھ بوجھ رکھتی ہیں، لہذا بلا تامل ان کی شہادت قابل قبول ہوگی ۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ

☆ خواتین کی گواہی اگر گواہ کی شرائط پوری ہوں تو مرد کی گواہی کے برابر ہے۔

☆ اس طرح کی تفریق کرنا عورت کی حیثیت کو کم کرنے کے برابر ہے۔

☆ عورت کو کم عقل قرار دے کر اس حق سے محروم کرنا اسلامی تعلیمات کی روح عدل کیخلاف ہے۔

﴾حوالہ جات﴿

1 ۔اسلام کا نظام عفت وعصمت،ظفیر الدین،مولانا،کراچی،دارالاشاعت،۱۹۵۴ء،ص ۲۷

2 ۔عورت اسلامی معاشرہ میں،سید جلال الدین عمری،لاہور،اسلامک پبلیکیشنز،۱۹۹۴ء،ص ۵۴

3 ۔کیا عورت انسان نہیں؟،حفظ الرحمٰن سیوھاروی،مولانا،پشاور،الجمیعتہ اکیڈمی،س۔ن،ص ۲۰

4 ۔القرآن،۴:۱

5 ۔اسلام کا نظام عفت وعصمت،ظفیر الدین،مولانا،بحولہ بالا،ص ۲۷

6 ۔کیا عورت انسان نہیں؟،حفظ الرحمٰن سیوھاروی،مولانا،بحولہ بالا،ص ۲۰

7 ۔پاکستانی عورت دوراہے پر،امین احسن اصلاحی،مولانا،لاہور،انجمن خدام القرآن،۱۹۷۸ء،ص ۲۶

8 ۔عورت بحیثیت حکمران،محمد یاسین شیخ،پروفیسر،پنو عاقل سندھ،لطیف اکیڈمی،۱۹۸۹ء،ص ۹۲ 9 ۔اسلام میں حیثیت نسواں،محمد مظہر الدین صدیقی،لاہور،ادارۂ ثقافت اسلامیہ،۱۹۵۳ء،ص ۳ تا ۴

10 ۔مادر کائنات،سرکار زینی جارچوی،کراچی،شمع بک ایجنسی،۲۰۰۰ء،ص ۲۰ ص ۲۳۸

11 ۔خواتین کی اسلامی معاشرت،پیرزادہ شمس الدین نور،مفتی،کراچی،زم زم پبلی کیشنز،۲۰۰۱ء،ص ۱۳

12 ۔مجلّہ عورت کی معاشی وتمدنی سرگرمیاں اسلام کی نظر میں،ملتان،عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ،س۔ن،شمارہ نمبر ۲۹۲

13 ۔تاریخ اور عورت،مبارک علی،ڈاکٹر،لاہور،فکشن ہاؤس،۱۹۹۶ء،ص ۱۲۴

14 ۔ایضاً،ص ۱۳۱

15 ۔اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد،ادارہ تحقیقات اسلامی،اپریل ۱۹۸۴ء،ص ۷

16 ۔عورتوں کے بارے قرآنی احکام ، رفیع اللہ شہاب ، پروفیسر ، لاہور ، دوست ایسوسی ایٹس ، ۱۹۹۶ء ، ص ۱۴۸ تا ۱۴۹

17) ایضاً ص ۱۳۱ تا ۱۳۲

18 ۔فکر ونظر،سہ ماہی مجلّہ،طاسین،مولانا،اسلام آباد،ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی،جنوری تا

مارچ ۱۹۹۱ء،ص ۱۳۶ تا ۱۴۳

19۔ایضاً،ص ۱۴۴

20۔ایضاً،ص ۱۴۴ تا ۱۴۵

21۔ایضاً،ص ۱۴۷ تا ۱۴۹

22۔ایضاً،ص ۱۵۰ تا ۱۵۲

23۔تفسیر ابن کثیر اردو،ابن کثیر،مترجم علامہ محمد میمن جونا گڑھی،کراچی،نور محمد کارخانہ تجارت کتب،جلد اول،ص ۳۴ تا ۳۵،س ن

24۔الطریق الحکمیہ فی السیاستہ الشرعیۃ،امام ابن قیم الجوزیہ،ترجمہ پروفیسر طیب شاھین،ملتان،فاروقی کتب خانہ،ص ۲۷۵ تا ۲۷۶،سن ۱۹۹۳۔

25۔ایضاً،ص ۲۷۶ تا ۲۷۷

26۔ایضاً،ص ۲۷۸

27۔عورتوں کے بارے قرآنی احکام،رفیع اللہ شہاب،پروفیسر،محولہ بالا،ص ۱۲۶ تا ۱۲۷

28۔القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر،عبدالماجد دریا آبادی،مولانا،کراچی،تاج کمپنی لمٹیڈ،س۔ن،ص ۱۱۸،۱۹۵۲

29۔معالم القرآن،محمد علی صدیقی کاندھلوی،مولانا،سیالکوٹ،ادارہ تعلیمات قرآن،ص ۱۲۵،۱۹۷۶

30۔ایضاً

31۔فی ظلال القرآن،قطب شہید،سید،(ترجمہ سید معروف شاہ شیرازی)،لاہور،ادارہ منشورات اسلامی،۱۹۹۶ء،ص ۵۱۱،جلد ۱

32۔بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ القرآن،محمد علی،مولانا،لاہور،مطبع کریمی،۱۳۴۰ھ،ص ۲۵۸،جلد ۱

33۔عورت اور اسلام،محمد شہاب الدین ندوی،مولانا،کراچی،مجلس نشریات اسلام،۱۹۹۴ء،ص ۳۱ تا ۳۲

34۔تفسیر معارف القرآن،مولانا محمد ادریس کاندھلوی،مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد،ٹنڈ والہ یار،۱۳۸۲ھ،ص ۴۲۷،جلد ۱

35۔التسھیل الضروری المسائل القدوری، عاشق الٰہی بلند شہر مہاجر مدنی، مفتی، (مترجم عبدالغنی طارق)،
کراچی، ادارۃ القرآن، ۲۰۰۱ء، ص ۱۸۱، جلد ۲

36۔تفسیر فتح المنان المشہور تفسیر حقانی، محمد عبدالخالق الحقانی، علامہ، دھلی، دارالاشاعت تفسیر حقانی، ۱۳۵۷ھ، ص ۸۸، جلد ۱

37۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، (امداد المفتین کامل)، محمد شفیع، مفتی، کراچی، دارلاشاعت، ۱۹۴۸ء، ص ۱۲۷، جلد ۲

38۔جدید دنیا میں اسلامی قوانین اور خواتین ۔ بین الاقوامی کانفرنس جائنٹ فورم، (ترجمہ صدیق شبلی، ڈاکٹر،) (نظر ثانی رشید جالندھری، ڈاکٹر) اسلام آباد، باشتراک ویمن ڈیولیمنٹ فنڈ، ۲۰۰۰ء، ص ۱۳۷

39۔عورت معرض کشمکش میں، نعیم صدیقی، لاہور، الفیصل، ۱۹۹۸ء، ص ۱۲۴

40۔جدید دنیا میں اسلامی قوانین اور خواتین محولہ بالا، ص ۱۷۹

41۔ایضاً، ص ۱۷۴ تا ۱۷۵

42۔منہاج سہ ماہی، حصہ دوم، جلد ۲، لاہور، شمارہ نمبر ۳، ص ۱۶۱ تا ۱۶۲، جولائی ۱۹۸۴

43۔اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، محبت حسین اعوان، کراچی، مکتبہ بخاری، ۲۰۰۲ء، ص ۱۱۵ تا ۱۱۶

44۔تفسیر تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی، دارلاشاعت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص ۵۹۷، جلد ۱

45۔صنف نازک کی حاکمیت، محمد لطیف، پروفیسر، راولپنڈی، کتب خانہ رشیدیہ، ۱۹۹۸ء، ص ۱۳۲

46۔اسلامی قانون شہادت، تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر، لاہور، پی ایل ڈی پبلشرز، ۱۹۸۸ء، ص ۷۰

47۔عورت اسلامی معاشرہ میں، سید جلال الدین عمری محولہ بالا، ص ۱۹۹ تا ۲۰۱

باب پنجم:۔

موجودہ معاشرے میں خواتین کی شہادت کا جائزہ

فصل اوّل: تغیر پذیر معاشرے میں خواتین کی شہادت کا مقام:

انسانی دنیا تغیرات سے عبارت ہے، ہر آن اور ہر لحہ گذشتہ لحات سے مختلف ہوتا ہے چلا جاتا ہے اگر انفرادی سطح پر جسم انسانی کا مشاہدہ کیا جائے جسم کے بدلاؤ کی کیفیت ہر آن نظر آتی ہے۔

''بعض سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ ایک سال میں انسان کے اندر اتنا تغیر ہو جاتا ہے کہ پچھلے سال کا ایک ذرہ بھی اس میں باقی نہیں رہتا اور سچ پوچھیے تو ہر آن ہی اس کے جسم میں تغیر ہوتا رہتا ہے جسے ''تجدد امثال'' کہتے ہیں۔''(1)

لیکن اس مسلسل تغیرات کے باوجود جسم انسانی کے اندر ایک حقیقت ایسی بھی موجود رہتی ہے جو ہر طرح کے تغیر و تبدل سے نا آشنا رہتی ہے اور وہ اس کی انا (EGO) ہے جو اس جسمانی وجود سے پہلے سے موجود ہے اور زندگی بھر بدلتے ہوئے جسم کے ساتھ رہتی ہے بلکہ مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور اس وقت بھی جبکہ جسم کا کوئی ذرہ موجود نہیں ہوتا۔''(2)

جسم انسانی کے ان تغیرات اور تبدیلیوں کی طرح بالکل اسی انداز میں تغیر و ثبات معاشرتی زندگی کے آئین و قوانین میں بھی نظر آتا ہے۔لہٰذا فطرت کا یہ تقاضہ ہے کہ''جو آئین صرف ثبات کا لحاظ رکھتا ہوا اور تغیر سے بے نیاز ہو جائے وہ ناقص ہے اور اسی طرح وہ قانون بھی نا مکمل ہے جو صرف تغیرات کا پرستار ہو اور ثبات کو نظر انداز کردے۔''(3)

اسلام انسانی زندگی میں ارتقاء کا دعویدار ہے اور انسانی زندگی کے تاریخی و تمدنی، معاشی، معاشرتی، سیاسی، نفسیاتی، سماجی تغیرات و تبدیلیوں کو جو انسانی معاشرے کے مفید اور معاون ہیں ان کو جاری و ساری رکھنے کے لئے رہنمائی کے اصول فراہم کرتا ہے۔''جب ہم قرآن پاک پر غور کرتے ہیں تو اس میں دو طرح کے احکام نظر آتے

ہیں ۔ایک وہ احکام ہیں جن میں تغیر وتبدل کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ ازلی وابدی اور مستقل اقدار ہیں ۔دوسرے وہ احکام ہیں جو عبوری دور سے تعلق رکھتے ہیں اور بجائے خود مقصود نہیں ۔''(4)

اگر قرآن حکیم کی تعلیمات کا اجمالی مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ اس نے اعلی اقدار کے حصول کے لئے معاشرے کو آئین اصول اور قوانین عطا کئے ۔اس سلسلے میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں ۔

۱۔ قرآن نے کئی جگہ لونڈی غلام کے متعلق احکام دیئے ہیں لیکن ان کا مقصد غلامی کی توثیق نہیں بلکہ ایسا نظام زندگی تعمیر کرنا ہے جس میں غلامی کی رسم ہی ختم ہو جائے ۔

۲۔ قرآن نے محتاجوں اور سائلوں کی اعانت پر بار بار ابھارا ہے لیکن اس کی غرض یہ نہیں کہ دنیا ہمیشہ بھیک منگوں اور محتاجوں کا ایک طبقہ ضرور موجود رہے تا کہ ان کی اعانت ودستگیری کا ثواب حاصل کیا جاتا رہے بلکہ اس کی غرض ہی ایسا معاشی نظام بنانا ہے جس سے محتاجی دور ہو جائے اور کوئی کسی کا دست نگر نہ ہو۔

۳۔ قرآن نے متعدد جرائم کے لئے سزائیں بتائی ہیں لیکن اس کا مقصد ہرگز یہ مقصد نہیں کی دنیا میں جرم ہوتے رہیں تا کہ اجزائے حدود کا قرآنی حکم پورا ہوتا رہے ۔بلکہ اس کا اصلی مقصد یہ ہے کہ معاشرے سے جرائم کا خاتمہ ہو جائے اور تعزیر وحدود کا قانون بیکار ہو جائے ۔

۴۔ قرآن نے امیر و مامور کے متعلق بھی احکام دیئے ہیں لیکن اس کا فقہائے مقصود کسی قانونی وسیاسی استبداد کا نظام حکومت قائم رکھنا نہیں بلکہ وہ ایک ایسا لا ریاست صالح معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نہ کوئی حاکم ہو نہ کوئی محکوم ۔بلکہ ہر شخص کسی سیاسی اور روحانی واسطے کے بغیر براہ راست اطاعت الٰہی کرتا رہے۔

۵۔ قرآن بار بار قتال و جنگ پر ابھارتا ہے لیکن اس کا مقصد اس کے بالکل برعکس ہے یعنی وہ آخر کار ایک ایسا نظام امن قائم کرنا چاہتا ہے کہ جنگ کا نام ونشان باقی نہ رہے۔

۶۔ قرآن نے وراثت کے احکام دیئے ہیں لیکن اس کا مقصد جاگیرداری کی توثیق وبقا نہیں بلکہ اسے دوسری تیسری پشت ہی میں ختم کر دینا ہے تا کہ آخر میں ضرورت بھر رہ جائے ۔

۷۔ قرآن نے طلاق کے متعلق بھی احکام دیئے ہیں لیکن ان سے مقصود طلاقوں کے رواج کو ختم کرنا ہے نہ کہ اسے رواج دینا۔''(5)

اب ضروری ہے کہ قرآن حکیم کی اس حکمت علمی کو سمجھا جائے اور اس تناظر میں سماجی زندگی کو درپیش مسائل کو سلجھایا جائے۔خصوصاً قانون سازی کے میدان میں قرآن حکیم کے آفاقی اور ہمہ گیر مقاصد کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔کیونکہ کسی بھی معاشرے کے اندر رائج آئین و قانون اس معاشرے کے ارتقاء اور نشو نما میں قوت محرکہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔اگر آئین سازی اور قانون سازی عصری تقاضوں کے مطابق نہ ہو تو سماجی زندگی انتشار و افتراق کا شکار ہو جاتی ہے۔معاشرتی قوانین جو ایک وقت میں معاشرے کو انصاف مہیا کرتے ہیں لیکن وقت اور حالات کے تغیر اور نئے تمدنی رشتوں اور حقوق کے وجود میں آنے سے وہی قوانین ظلم اور استحصال کا باعث بننا شروع ہو جاتے ہیں۔کیونکہ وہ قدیم قوانین نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہوتے اور انسانی حقوق کی مکمل طور پر پاسداری میں ناکام ہوتے ہیں۔ہاں ان کا تقدس تو شاید ہوتا ہے لیکن وہ سماجی تقاضوں کی تکمیل میں ناکام رہتے ہیں۔شعوری تقاضہ تو یہ ہوتا ہے کہ ان فرسودہ قوانین کی فرسودگی کو تسلیم کرتے ہوئے نئے قوانین کی تدوین کی جائے۔اسی تناظر میں اگر دیکھا اور سمجھا جائے تو عصر حاضر کے تغیر پذیر معاشرے میں جہاں علم وفن کی ترقیات نے ٹیکنالوجی کی نئی اختراعات نے تہذیبوں اور تمدنوں کے اندر بڑی تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں۔خاندانی نظام رشتوں اور ناطوں کا احساس اور رجحانات میں ہمہ گیر تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔اس تناظر میں اگر خواتین کی حالت زار کا تجزیہ کیا جائے تو یہ صورت سامنے آتی ہے کہ ''عورت نے ابھی تک وہ تمام حقوق حاصل نہیں کئے جو مردوں کو حاصل ہیں اگر چہ یہ صحیح ہے کہ حصول حقوق میں عورت کا قدم بہت آگے بڑھ چکا ہے۔قرون وسطیٰ سے انیسویں صدی کے شروع تک یورپ میں عورت کو کسی قسم کی قانونی ملکیت حاصل نہیں تھی اور ان کی تربیت کا معاملہ گھر کا کھانا پکانا، بچوں کو پالنے اور کپڑے سینے سے آگے اور کچھ نہ تھا۔اب ہمارے زمانے میں عورت اپنے حقوق کے متعلق طویل مسافت طے کرتی ہے اور ''ولایات متحدہ امریکہ'' کی عورت دنیا کی تمام عورتوں سے زیادہ شاہراہ ترقی پر گامزن ہے۔اور ان کی رفتار ترقی دنیا کی تمام عورتوں سے زیادہ ہے اس لئے کہ وہاں مدارس کے علاوہ یونیورسٹیوں تک میں ان کی کثرت ہے اور ان کو ہر قسم کی سہولتیں حاصل ہیں اور عقد کے معاملات میں بھی ان کے حقوق مردوں کے مساوی ہیں۔اور ان کے زیر اثر وہ اپنے شوہر کے انتخاب میں اسی طرح آزاد ہیں جس طرح مرد، بیوی کے انتخاب میں آزاد ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے امریکہ کی عورت تمام مردوں کے برابر ہو جائے گی۔

ان کے قریب قریب اب یورپ کی عورت بھی آتی جارہی ہے اور اب اکثر ملکوں میں مدارس اور یونیورسٹیوں کے داخلے میں ان کو سہولتیں حاصل ہورہی ہیں اور جون 1917ء میں برطانیہ کے دارالعلوم میں عورت کے حق انتخاب سے بہرہ مند ہونے کا موقع حاصل ہوگیا ہے۔اور اٹلی میں بھی یہ حق صاحب جائیداد بیوہ عورت کو دے دیا گیا اور مطالبہ حقوق کی تحریک قوت وضعف کے اعتبار سے مختلف ملکوں میں مختلف خیالات ہیں۔مثلاً انگلستان میں فرانس کے مقابلہ میں ان کے لئے زیادہ آسانی اور بہتر طریق کے ساتھ مواقع حاصل ہیں۔اکثر مفکرین کا خیال ہے کہ عورت کی یہ رفتار بڑھتے بڑھتے حسب ذیل نتائج تک پہنچ جائے گی۔

۱۔ عنقریب عورت کے اعمال بھی اس ''پیمانہ'' سے جانچے جائیں گے جس پیمانہ سے مرد کے اعمال کی جانچ کی جاتی ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ابھی مرد اور عورت اپنے اعمال کو ایک نظر سے نہیں دیکھتے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اس پر بھی دونوں کے لئے یکساں حکم نہیں کرتے۔

مصر میں مثلاً اگر مرد شب میں آدھی رات تک گھر سے باہر گزارے اور اس کا عادی بھی ہوتب بھی وہ کوئی قابل مواخذہ جرم نہیں سمجھا جاتا مگر اس کے برعکس اگر عورت کو کسی ایک دن بھی مغرب کے بعد باہر دیر ہو جائے تو درمیانی گھرانوں میں یہ بہت سخت جرم شمار کیا جاتا ہے۔اسی طرح اگر مرد اپنی شادی کے معاملہ میں کسی لڑکی کی جانب رجحان طبع ظاہر کرے تو یہ پسندیدہ بات سمجھی جاتی ہے اور اگر اس رجحان کی ابتداء لڑکی کی جانب سے ہوت ومعیوب سمجھا جاتا ہے۔تو قریب زمانہ میں یہ باقی نہ رہ سکے گا اور بہت جلد دونوں کے اعمال ایک ہی نظر سے دیکھے جائیں گے اور جس عمل کی وجہ سے ایک صنف مجرم سمجھی جاتی ہے اس کے ارتکاب پر دوسری صنف بھی اسی طرح حقیر وذلیل سمجھی جائے گی۔اور جس عمل کی وجہ سے مرد قابل تعریف سمجھا جاتا ہے عورت بھی قابل تعریف سمجھی جائے گی۔

۲۔ امور خانہ داری میں بھی عورت کو وہی درجہ حاصل ہو جائیگا جو مرد کو حاصل ہے اور وہ بدبیر تنزل کے عملی اور نظری دونوں طریقوں میں مرد کے مساوی سمجھی جائیگی۔

۳۔ اس کی ترتیب آج کی تربیت سے بہتر طریق پر ہو سکے گی،اور وہ ترقی کے اس درجہ تک پہنچ جائے گی کہ اپنی اولاد کا نشو ونما خرافاتی طریق کی بجائے علمی اصول پر کرے گی۔

۴۔ بہت جلد اس کو شوہر کے حقوق قانونی کے برابر حقوق مل جائیں گے اور عقد ونکاح کے بارے میں اس کو

وہی حقوق حاصل ہو جائیں گے جو امریکی عورت کو حاصل ہیں ۔

۵۔ اور ضرورت کے مواقع پر اس کو سرکاری ملازمتیں بھی ملنے لگیں گی، مثلاً جب کہ عورت بیوہ ہو اور اس کی حاجات کا کوئی نگران موجود نہ ہو بہر حال مطالبہ حقوق کی رفتار بہت جلد ان کو منزل مقصود تک پہنچا دے گی بشرطیکہ وہ جو کچھ حاصل کرتی جاتی ہیں ۔اس کو خوبی کے ساتھ کام میں لا کر اپنے حق میں ہونے پر دلیل و برھان قائم کر دیں ۔ ورنہ اگر انہوں نے حاصل کردہ حقوق کے استعمال میں ابتری اور نا اھلیت دکھائی تو یہ خود ان ہی کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہوگا۔'' (6)

خواتین کے حقوق کی جدوجہد کا سلسلہ نئی دنیا میں جاری ہے مذکورہ اھداف کی تکمیل کے لئے ان کی آوازیں مختلف خطوں اور معاشروں میں سنائی دے رہی ہیں ۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صدیوں سے عورت جن دائروں میں مقید زندگی گزار رہی ہے کیا یہ واقعی اس کا مقدر ہے کیا وہ اسی سلوک کی حقدار ہے؟ کیا سماجی زندگی کے جملہ معاملات کے لئے وہ نا اھل ہے؟ کیا فطرت نے تخلیق کے قوت اسے ان تمام صلاحیتوں سے محروم رکھا ۔جنکی بدولت وہ معاشرتی زندگی میں مردوں کے ساتھ قدم بقدم اپنا کردار ادا کر سکتی ؟ کیا فطرت نے مردوں کے مقابلے میں اسے کم تر پیدا کیا ۔اور اسے دوسری جنس کے طور پر اپنی زندگی پر قناعت کرنا ہے یا وہ بحیثیت انسان ہونے کے اپنا ایک مستقل احساس، اپنی Ego اپنی زندگی کے معاملات کے لئے ایک مستقل رائے کی مالک ہے؟ ان سوالات کے لئے معاشرے میں پھیلے ہوئے مختلف مکتبہ ہائے فکر کی تعلیمات کا تجزیہ کرتے ہیں ۔تو کافی تضادات اور اختلافات نظر آتے ہیں کوئی تو اسے ناقص العقل کہہ کر رد کر دیتا ہے اور کوئی اس کی فطرات ہی کو کم قرار دیتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ

'' آج قدیم طرز کی سماجی بندیاں ٹوٹ چکی ہیں ہر ملک میں برابری کے قوانین بن گئے ہیں اس کے باوجود جدید عورت کو مرد کے مقابلہ میں بدستور کم تر درجہ حاصل ہے وہ کسی بھی شعبہ میں مرد کے برابر درجہ حاصل نہ کر سکی ۔ (7)''

اس صورتحال پر وہ مکتبہ فکر جو خواتین کی جدوجہد حقوق نسواں کی مخالفت کرتے ہیں کا نقطہ نظر **مولانا وحید الدین خان** ان کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں ۔

''یہ صورتحال بتاتی ہے کہ عورت اور مرد کی حالت میں فرق کی وجہ وہ نہ تھی جس کو آزادی نسواں کے علم بر داروں نے سمجھ لیا تھا۔ اگر وہ وجہ ہوتی تو اب بیسویں صدی کے نصف آخر میں عورت کو کامل طور پر مرد کے برابر درجہ مل جانا چاہئے تھا۔ جب ایسا نہ ہو سکا تو اب ہمیں اس کی توجیہہ کے لئے کوئی دوسرا اسبب تلاش کرنا ہوگا۔

یہ دوسرا سبب آج خود علم انسانی نے دریافت کرلیا ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں صنفوں کے درمیان فرق سماجی حالات کی بناء پر نہ تھا بلکہ دونوں کی پیدائشی بناوٹ کی بناء پر تھا۔ اس کا سبب حیاتیات میں تھا نہ کہ سماجی حالات میں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اس سلسلے میں کافی تحقیقات ہوئی ہیں اور اب یہ بات آخری طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ دونوں صنفوں کے درمیان حیاتیاتی اعتبار سے بنیادی فرق ہے اور جب تک یہ فرق باقی ہے دونوں کی سماجی حیثیت میں بھی فرق باقی رہے گا۔'' (8)

خواتین اور مردوں کے درمیان حیاتیاتی فرق کے بارے میں یورپ کے مرد حضرات نے کافی تحقیق کی ہے اور اکثر مسلم مفکرین اور سکالرز ان کے تجربات اور تحقیق کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ عورت کو خدا نے ناقص العقل پیدا کیا ہے۔ لہٰذا وہ دماغی صلاحیتوں کے حوالے سے مردوں کے مقابلے میں کم تر ہے۔ اور اس کی عقلی صلاحیتوں اور جسمانی صلاحیتوں میں مرد کے مقابلے میں ضعف پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے صدیوں سے وہ مرد کے برابر نہ ہو سکی اور زندگی کے تمام شعبہ جات میں وہ اپنا کردار احسن طریقے سے نہ نبھا سکی۔ اور اس کو ہر دور میں گھر کی چار دیواری تک محدود و محبوس رکھا گیا۔

(Nahlist Philospher Allama Proden) نہلسٹ فلاسفر علامہ پروڈن اپنی کتاب ''ایتکارالطام'' میں عورت کی فطری صلاحیتوں اور رجحانات کا تقابلی تجزیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''عورت کا وجدان بمقابلہ مرد کے وجدان کے اس قدر ضعیف ہے جس قدر اس کی عقلی قوت مرد کی عقلی قوت کے مقابلہ میں ضعیف نظر آتی ہے۔ اس کی اخلاقی قوت بھی مرد کے اخلاق سے بالکل مختلف ہے اور دوسری قسم یک طبیعت رکھتی ہے یہ وجہ ہے کہ جس چیز کا حسن وقبح کے متعلق وہ رائے قائم کرتی ہے۔ وہ مردوں کی رائے سے مطابق نہیں ہوتی۔ پس عورت اور مرد میں عدم مساوات کوئی عارضی امر نہیں ہے بلکہ عورت کی طبعی خاصیت پر مبنی ہے۔'' (9)

موصوف خواتین کے حواس خمسہ اور مردوں کے حواس خمسہ کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار اس طرح سے کرتے ہیں۔

۱۔ عورت کی قوت شامہ کی طاقت سے یہ امر باہر ہے کہ وہ ایک خاص فاصلہ سے عطر لیموں کی خوشبو محسوس کر سکے، برخلاف مرد کے اس کی قوت شامہ اس قدر قوی ہے کہ وہ اس درجہ کی خوشبو کو آسانی سے محسوس کر لیتا ہے جس سے دوچند مقدار کی خوشبو کا عورت کو احساس ہو سکتا ہے۔

۲۔ اسی طرح تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ عورت ہلکے براسک ایسڈ کی بو 1\200 کی نسبت سے اور مرد 1\100 سے محسوس کر سکتا ہے۔ جو ضعیف کی بین دلیل ہے۔

۳۔ ذوق اور سمع کا حاسہ بھی عورت سے مرد کا بہت زیادہ قوی ہے، اس کے لئے کسی تشریح دلیل کی ضرورت نہیں انسائیکلوپیڈیا نے تصریح کر دی ہے کہ اسی ''ضعف کا نتیجہ ہے کہ طعام کی عمدگی اور بدمزگی پہچاننے والے، آواز کے پرکھنے والے اور پیانو کی راگوں کے آواز کل کے کل مرد کے ہیں۔ ایک عورت نے بھی خود کو ان باتوں میں باکمال ثابت نہیں کیا۔''

۴۔ قوت لامسہ کے متعلق علامہ لومبروزا اور سیرجی وغیرہ استادوں کی متفقہ تحقیق ہے کہ عورت میں یہ قوت مرد کی نسبت بہت ضعیف پائی جاتی ہے۔ ان کو محققانہ دلیل یہ ہے کہ جن آلام اور تکالیف کی متحمل عورت ہوتی ہے مرد اس قدر نہیں ہو سکتا۔ یہ ظاہر فرق بتلا رہا ہے کہ مرد کی نسبت عورت کی قوت احساس ضعیف تر ہے۔ قوت ادراک کا اصلی مرکز انسان میں بھیجا ہے اسی کی کمی اور زیادتی اور ضعف وقوت پر ادراک کی تیزی اور اسی کی کمی اور زیادتی اور ضعف وقوت پر ادراک کی تیزی اور سستی کا دارومدار ہے۔ لیکن جب علم سائیکالوجی کے تجارب کو پیش نظر رکھ کر ہم غور کرتے ہیں تو اس میں بھی عورت ضعیف تر ثابت ہوتی ہے۔ علم مذکور نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے ''بھیجے'' اور مرد کے ''بھیجے'' میں مادہ اور شکلاً سخت اختلاف ہے۔ مرد کے بھیجے کا اوسط وار عورت کے بھیجے سے سو ڈرام زیادہ ہے۔ اگر کوئی اس کے جواب میں کہے کہ یہ زیادتی مرد اور عورت کے جسمانی اختلاف پر مبنی ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہ تحقیق ہو چکی ہے کہ مرد کے بھیجے کی مقدار اس کی جسمی حالت سے وہ نسبت رکھتی ہے۔ جو چالیس کے عدد کو ایک سے ہوتی ہے، مگر عورت کا ''بھیجا'' اس کی جسمانی قوت سے چوالیس اور ایک کی نسبت رکھتا

ہے ۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر عورت کے ''بھیجے'' کی کمی جسمانی ضعف پر مبنی ہے تو مقابلہ میں یہ اختلاف کیوں پایا جاتا ہے؟

علاوہ اس کے عورت کے سر کے بھیجے میں خم و پیچ کم ہیں اور اس کے پردوں کا نظام بھی نامکمل ہے ۔علمائے سائیکالوجی نے اس اختلاف کو ان دونوں جنسوں کے ممیّزات میں ایک اہم قرار دیا ہے ۔اسی طرح مرد اور عورت کے بھیجوں کے جوہر نخاعی میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے ۔ جو ہر نخاعی قوت ادراک نقطۂ نظر اور مرکز ہے، اس لئے یہ اختلاف کوئی معمولی اختلاف نہیں ہے ۔'' (10)

یورپ کی ایک خاتون ماہر نفسیات اپنی کتاب روح نسوانیت میں خواتین اور مردوں میں فرق کے حوالے سے لکھتی ہیں ۔

''عورتیں اور مرد صرف طول و قامت ھڈیوں کی ساخت اور عضلاتی بناوٹ کے اعتبار سے مختلف نہیں ہوتے بلکہ اس اعتبار سے بھی مختلف ہوتے ہیں کہ وہ ہوا اور غذا کی ایک ہی مقدار جذب نہیں کرتے ۔ان کے امراض کی نوعیت جداگانہ ہوتی ہے ۔ان کے ذہنی اور اخلاقی رجحانات میں بھی فرق پایا جاتا ہے ۔ترقی اور ارتقاء صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ مردوں اور عورتوں کے معاشرتی حقوق و فرائض کا تعین کرنے میں ان کے فرق اور اختلافات کو پیش نظر رکھا جائے ۔'' (11)

اور اسی طرح انیسوی صدی کے انسائیکلوپیڈیا کا مصنف لفظ عورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے ۔

''مرد و عورت میں اعضائے تناسل کی ترکیب و صورت کا اختلاف اگر چہ ایک بڑا اختلاف نظر آتا ہے لیکن صرف یہی اختلاف نہیں ہے عورت کے اور تمام اعضاء سر سے پیر تک مرد کے اعضاء سے مختلف ہیں ۔ یہاں تک کہ وہ اعضاء بھی جو بظاہر آخر الذکر سے بے حد مشابہ نظر آتے ہیں ۔''

علمی تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کا قد کا اوسط طول مرد کے قد کی اوسط درازی سے بارہ سینٹی میٹر کم ہے ۔ یہ فرق کسی خاص ملک وقوم سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ جس طرح وحشی اقوام میں پایا جاتا ہے، اسی طرح متمدن ممالک میں پایا جاتا ہے ۔اور جوانوں کی طرح بچے بھی اس اختلاف کی شہادت دیتے ہیں ۔''

جس طرح عمر کے اوسط میں فرق پایا جاتا ہے، اسی طرح جسم کے وزن اور ثقل میں بھی فرق پایا جاتا ہے مرد

کے جسم کا متوسط ثقل پینتالیس کلو ہے مگر عورت کے جسم کا متوسط ثقل بیالیس کلو اور نصف سے کسی حالت میں زیادہ نہیں ہوتا۔ یعنی عورت کے جسم کا ثقل مرد کے ثقل سے پانچ کلو کم ہوتا ہے۔ عضلات کے حجم وقوت کے لحاظ سے بھی عورت مرد کا مقابلہ نہیں سکتی۔"

مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو عورت کے جسم کے عضلات مرد کے عضلات سے اس درجہ مختلف ہیں اور حجم وقوت کے لحاظ سے اول الذکر کے عضلات اس قدر ضعیف ہیں کہ اگر ان کی طبعی قوت کے تین حصے کئے جائیں تو دو حصے قوت مرد کے حصے میں آئے گی اور صرف ایک حصہ قوت عورت میں ثابت ہوگی۔ عضلات کی حرکت میں زیادہ تیز اور اپنے فعل میں زیادہ قوی ہیں۔"

قلب جو انسانی زندگی کا اصلی مرکز ہے اسی طرح اس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ علمی تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ عورت کا قلب مرد کے قلب س ساٹھ ڈرام چھوٹا اور خفیف ہوتا ہے۔ سرعت کے لحاظ سے بھی عورت اور مرد میں عظیم الشان اختلاف ہے۔ علمی تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ سانس کے ذریعے سے کاربونک ایسڈ کے جو ذرات باہر آتے ہیں وہ اندرونی حرارت کی گرمی سے بخارات بن کر سانس میں ملے ہوئے نکلتے ہیں۔ اس تجربہ کی بناء پر تحقیق کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مرد ایک گھنٹہ میں تقریباً گیارہ ڈرام کاربن کی مقدار جلاتا ہے۔ مگر عورت چھ ڈرام سے کچھ زیادہ جلاتی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی حرارت عزیزی بھی مرد کے مقابلے میں بہت کم یا نصف سے کچھ ہی زیادہ ہوتی ہے۔ عورت کا دماغی ضعف یہ تمام تحقیقات اور اقوال عورت سے جسمانی ضعف کو کن قطعی دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں۔"(12)

اسلامی نظام قانون کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اکثر ائمہ، فقہاء اور علماء نے عورت کی گواہی آدھی (یعنی دو عورتیں مل کر ایک گواہ شمار ہوتی ہیں) قرار دی۔ اس حوالے سے وہ عورتوں پر مردوں کی فوقیت کے لئے جدید تحقیقات کو بھی پیش کرتے ہیں۔ یورپ کے ماہرین نفسیات کے مرد اور عورت کی فطری اور جداگانہ صفات پر رائے درج ذیل ہے جو کہ اکثر علماء اپنے دلائل کے لئے پیش کرتے ہیں۔

ھیولاک ایلس کا تجزیہ: Analysis Of Hewlock Aells

ھیولاک ایلس جو موجودہ دور میں جنسی نفسیات کا سب سے بڑا ماہر تصور کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی کتاب

''مرد و عورت'' میں عورتوں کی خصوصی فطرت اور جداگانہ صفات کو بڑی اہمیت دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ ''عورتوں کی طبیعت مردوں کے مقابلہ میں متاثر ہونے کی بہت زیادہ صلاحیت موجود ہے۔ چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی عورتیں دوسرے کے بیانات اور خیالات کو مردوں کے مقابلے میں جلد قبول کر لیتی ہیں۔ عورت اس خیال اور رائے کے لئے جان تک قربان کر دیتی ہے۔ جسے مؤثر انداز میں اس کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے کہ وہ اس کی جذباتی فطرت کو متحرک کر دے۔ نیز عورت دوسروں کی ہمدردی کے لئے تڑپتی ہے، اور اس میں خودمختاری کا جذبہ ویسا پرزور نہیں ہوتا جیسا کہ مردوں میں ہوتا ہے۔''(13)

هیولاک ایلس عورتوں کی عقلی صلاحیت کا موازنہ مردوں سے کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''عورتوں میں عقل کی کمی ہے اس میں مرد بڑھے ہوئے ہیں۔ مثلاً مردوں میں اپنے حاصل کردہ علم سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے وہ خود دیکھتے یا حاصل کرتے ہیں اس میں غور و فکر اور تحقیق و تفتیش کے ذریعے اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ نیز وہ اپنے شعبہ علم و فن کی تفصیلات و جزویات پر زیادہ حاوی ہوتے ہیں انہیں سائنس کے مشاغل اور تجربات سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ ان کی قوت مشاہدہ بھی عورتوں سے زیادہ ہوتی ہے اس کے برعکس عورتوں کی تحلیل و تجزیہ کا عمل طبعاً ناپسند ہوتا ہے۔ کیونکہ انہیں جبلتاً یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ تحلیل و تجزیہ کے عمل سے ان کی جذباتی ساخت متاثر ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو بے لچک قواعد اور اٹل اصولوں سے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کی زندگی جذبات و ہیجانات سے مرکب ہوتی ہے دراصل عورتوں کی یہ صفات ان کی عقل کی کمی کا ثبوت نہیں۔ بلکہ یہ جنسی اختلافات کا نتیجہ ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سائنس اور تلاش و تحقیق اور علمی موضوعات کے لئے عورت کا دماغ ناموزوں ہے۔ خواہ مستثنیٰ صورتوں میں عورتوں نے اس دائرے میں کتنا ہی اچھا کام کر دکھایا ہو۔''(14)

نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر ایکس کیرل نے خواتین کی فطری صلاحیتوں اور مردوں اور عورتوں میں فرق کے موضوع پر تحقیق کی ہے اور انہوں نے اس حوالے سے حیاتیاتی تفصیلات پیش کرنے کے بعد تحریر کیا ہے۔

''مرد اور عورت کے درمیان جو فرق پائے جاتے ہیں وہ محض جنسی اعضاء کی شکل، رحم کی موجودگی، حمل یا طریقہ تعلیم کی وجہ سے نہیں ہیں۔ وہ اس سے زیادہ بنیادی نوعیت کے ہیں، وہ خودنسیجوں کی بناوٹ سے پیدا ہوتے

ہیں اور پورے نظام جسمانی میں خصوصی کیمیائی مادے کی سرایت کرنے سے ہوتے ہیں جو کہ خصیۃ الرحم سے نکلتے ہیں ۔ان بنیادی حقیقتوں سے بے خبری نے ترقی نسواں کے حامیوں کو اس عقیدہ تک پہنچایا ہے کہ دونوں صنفوں کے لئے ایک طرح کی تعلیم ، ایک طرح کے اختیارات اور ایک طرح کی ذمہ داریاں ہونی چاہئیں ۔ باعتبار حقیقت عورت نہایت گہرے طور پر مرد سے مختلف ہے ۔عورت کے جسم کے ہر خلئے میں زنانہ پن کا اثر موجود ہوتا ہے ۔یہی بات اس کے اعضاء کے بارے میں ،بھی درست ہے اور سب سے بڑھ کر اسکے اعصابی نظام کے بارے میں عضویاتی قوانین بھی اتنا ہی اٹل ہیں جتنا کہ فلکیاتی قوانین اٹل ہیں ۔ان کو انسانی خواہشوں سے بدلا نہیں جا سکتا ، ہم مجبور ہیں کہ ان کو اسی طرح مانیں جیسے کہ وہ ہیں ،عورتوں کو چاہئے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو خود اپنی فطرت کے مطابق ترقی دیں ۔ وہ مردوں کی نقل کرنے کی کوشش نہ کریں ،تہذیب کی ترقی میں ان کا حصہ اس سے زیادہ ہے جتنا کہ مردوں کا ہے انہیں اپنے مخصوص عمل کو ہرگز چھوڑنا نہیں چاہئے ۔''(15)

انسانی زندگی کی اگر حقیقتوں کا ادراک کیا جائے تو زمانے کی تبدیلیاں اس پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں ۔ کیونکہ ''زمانہ ہمیشہ آگے سے آگے بڑھتا جائے گا اور ہر دور میں نئے نئے مسائل زندگی پیدا ہوتے جائیں گے ۔ جو قوم ان مسائل کو اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق حل نہیں کرے گی وہ زمانے کی دوڑ میں پیچھے رہ کر ختم ہو جائے گی اور جو قوم عقل و دین کو کام میں لائے بغیر اندھا دھند زمانے کے ساتھ دوڑتی جائے گی ۔ وہ بھی آخر کار تباہ ہو جائے گی ، صحیح معنوں میں زندہ قوم وہی ہوگی جو مجتہد ہو ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ قوم اپنے دور کے نت نئے مسائل کو سمجھنے اور عصری تقاضوں کے مطابق ان کو حل کرے ۔''(16)

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ فی زمانہ پیدا شدہ مسائل کا حل اس طرح سے پیش کیا جائے کہ تمدن کی وسعتوں کے نتیجے میں پیدا شدہ نئے چیلنجز کا جواب دیا جا سکے ۔اور اجتہاد کے ذریعے ان کا مقابلہ کیا جا سکے ۔''ہم دیکھتے ہیں کہ عہد رسالت کے بہت سے احکام صرف چند سال کے بعد ہی ان خلفائے راشدین نے بدل دیئے جن سے زیادہ فہم دین یا احترام دین کا دعویٰ کوئی نہیں کرسکتا ۔''(17)

آج ہم دیکھیں تو زندگی کے بے شمار گوشے ہیں جو یہ تقاضہ کررہے ہیں کہ مدون شدہ فقہی قوانین کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور ان پر نظر ثانی کر کے عصری شعور کے مطابق ان کا حل پیش کیا جائے تا کہ اسلام کی روح عدل

معاشرتی زندگی میں قائم و دوائم رہے۔ایسے قوانین جو عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہوں اور اصل اسلام کو ''ایسی شریعت بنانے کا اختیار یا اجازت نہیں جو دین اصل اسلامی اقدار سے متصادم ہوتی ہو۔مثلاً اسلام نے انسانیت کو بلند کرنا چاہتا ہے عام اجتماعی عدل اور خیر چاہتا ہے، ارتقاء چاہتا ہے۔''(18)

اگر اسلامی تعلیمات کا شعوری مطالعہ کیا جائے اور عصری تقاضوں کے درست ادراک کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ ''اسلامی معاشرت میں عدل وانصاف کی بلا شبہ بڑی اہمیت ہے اور حق دار کی دادرسی کے لئے اسلام کے سیاسی نظام میں کئی ادارے کام کرتے ہیں۔لیکن اسلامی معاشرت میں یہ بات قطعاً مستحسن نہیں ہے کہ اس کی عدالتیں مقدمات سے معمور رہوں۔لوگ مفید کام کرنے کے بجائے عدالتوں کے چکر لگاتے پھریں، بلکہ ریاست بحیثیت کل وہ حالات پیدا کرتی ہے کہ حدود کو پامال کرنا ہی بے حد دشوار ہو جائے۔مثلاً شراب نوشی کے مرتکب پر حد نافذ ہوتی ہے یہ آخری چارہ کار ہے اس سے قبل شراب کی تیاری، نقل وحمل، تجارت، لین دین سب کچھ ممنوع قرار دیا۔اس کے بعد بھی کوئی شخص شراب پی لے تو عدالتی عمل میں ایسی ایسی گنجائش رکھی گئی ہیں کہ ملزم پر حد نافذ نہ ہو، عورت اور مرد کے ناجائز تعلق پر مبنی بدکاری ہی کو لیجئے اس سے قبل بہت سے مراحل ہوتے ہیں جن کا اسلامی معاشرت میں مکمل سدباب کر دیا جاتا ہے۔محرم نامحرم کی تفریق، آزادانہ اختلاط کی بیخ کنی، پردے کے احکام عورت پر معاش کی ذمہ داری نہ ڈالنا تا کہ پردے کا سوال بھی بعد میں اٹھے، نوعمری میں بر وقت شادی کر دینے کے لئے والدین کو ترغیب اور عائلی نظام کا ہر ممکن تحفظ ۔یہ سب اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں ان تمام کڑے مراحل سے گزر کر کہیں حرام کاری ہو جائے تو بھی قرآنی تعلیمات کے مطابق علانیہ اور پوشیدہ فحاشی کے قریب بھی نہ جانے کی تلقین موجود ہے گویا پھر اہتمام کر دیا گیا ہے۔اور قذف کی سزا وضع کی گئی، تمام معاملات دو عادل گواہی سے ثابت ہو جاتے ہیں لیکن یہاں اس فعل سے بد کو ثابت کرنے کے لئے چار گواہوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔''(19)

گویا اسلام کی روح عدل ہے اور وہ زندگی کے جملہ شعبہ جات میں عدل وانصاف کے ذریعے انسانوں کو ترقی دینا چاہتا ہے۔اور وہ ہر قسم کے امتیاز اور بے انصافی کو معاشرے سے ختم کرنا چاہتا ہے۔''اور تمام تعلیمات اسلامی کا بطور کل مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو عورت کی گواہی آدھی ہے نہ اس کی شخصیت آدھی ہے اور

نہ اسلامی احکام میں عورت کی گواہی کبھی کوئی مسئلہ رہا ہے بلکہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ اصحاب جب بھی اس نوع کے مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔تو ان کے پیش نظر جدید معاشرت ہوتی ہے جس پر وہ اسلامی احکام چسپاں کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔انسانی حقوق میں شمار کرتے ہیں جبکہ وہی شئے اسلامی تعلیمات میں حق کی بجائے طوق ہوتا ہے جسے گلے میں ڈالنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔گواہی بھی انہی میں سے ایک ہے۔''(20)

عورت کی گواہی کو ناقص قرار دینے کے لئے ایک روایت خواتین کے حوالے سے اس کے عقل کے نقص کے حوالے سے پیش کی جاتی ہے۔''یہ روایت بتاتی ہے چونکہ عورتوں کی گواہی آدھی ہے، اس لئے ان کی عقل میں نقص ہے۔یہ دلیل صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ نتیجے سے سبب کو ثابت کرنے کی کوشش کررہی ہے صحیح دلیل تو تب ہوئی جب یہ بتا دیا جاتا کہ فلاں فلاں دلائل کی رو سے یہ بات مسلمہ ہے کہ عورت کی عقل میں نقص ہے اسلئے اسلام نے یہ قاعدہ بنایا ہے کہ عورت کی گواہی آدھی رکھی جائے۔ظاہر ہے کہ ایسی کوئی خارجی دلیل اس دنیا میں موجود نہیں۔ دنیا کے تمام تجربات اس بات پر متفق ہیں کہ علم اور یاداشت کے معاملے میں مرد و عورت میں عمومی طور پر کوئی فرق نہیں۔یہ روایت یہ بھی بتاتی ہے کہ چونکہ ایام حیض کے دوران میں عورت نماز و روزہ چھوڑتی ہے اس لئے اس کا دین آدھا ہے یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ بھی نتیجے سے سبب کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔صحیح طریقہ تو یہ ہوتا جب یہ بتایا جاتا کہ قرآن مجید کی رو سے عورت کے عقائد، ذمہ داریاں اور جرائم سب چیزیں آدھی ہیں۔اس لئے اس کی نماز و روزہ بھی آدھا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہ مرد و عورت کا عقیدہ بھی بالکل برابر، زکوۃ و حج بھی دونوں پر لازم، جرائم کی سزا بھی دونوں کے لئے برابر، گویا اصلاً ہر چیز میں دونوں برابر ۔اب ذرا نماز اور روزے کا تجزیہ کر کے بھی دیکھ لیتے ہیں کہ ان کی اصل صورتحال کیا ہے۔اصل معاملہ یہ ہے کہ ایک خاتون کو عام طور پر مہینے میں سات دن ماہواری آتی ہے، یعنی ایک چوتھائی دنوں میں وہ نماز نہیں پڑتی اور باقی تین چوتھائی دنوں میں اسے نماز پڑھتی ہے یہ آدھا تو نہ ہوا۔پھر یہ کہ ایک خاص عمر کے بعد اسے ماہواری نہیں آتی تب تو ہو مردوں کے بالکل برابر نماز پڑھتی ہے۔تب تو ذمہ داریاں بالکل پوری ہوگئیں۔تیسری بات یہ کہ ماہواری کے ایام میں نماز نہ پڑھنے کا حکم پرودگار ہی کا دیا ہوا ہے۔لہذا اس وقت میں ایک ماہواری والی عورت نماز نہ پڑھ کر خدا کا حکم پورا کر کے ایسا ہی اجر کماتی ہے جیسے دوسری خواتین نماز پڑھ کر خدا کا حکم پورا کر کے

کماتی ہیں، جہاں تک روزے کی بات ہے تو اس ضمن میں حقیقی صورتحال یہ ہے کہ ماھواری کے دوران جتنے روزے چھوٹ جائیں انکا بعد میں رکھنا لازم ہوتا ہے۔ گویا سب عورتیں مردوں کے بالکل برابر روزے رکھتی ہیں۔ پھر آدھا دین کہاں سے ہوگیا۔'' (21)

اور اسی طرح قرآن حکیم کی ایک آیت اکثر نے پیش کی ہے جس کی بنیاد پر عورت کو مرد کے مقابلے میں نصف قرار دیا جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ

''جس آیت کا عام طور پر حوالہ دیا جاتا ہے اس کے الفاظ پر اگر غور کریں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی عورت گواہی دیتے ہوئے بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔ بذات خود اس کی گواہی کو آدھا نہیں کیا گیا۔ گواہی اس کی سالم اور پوری ہی ہے یہ تو ایک اسلامی عدالت میں عورت کو سہولت دی گئی ہے لیکن اس کی گواہی کو آدھا بالکل نہیں قرار دے سکتے رہا یہ کہ عورت اپنے ساتھ ایک دوسری عورت لائے یہ کوئی نئی سہولت نہیں بلکہ اسلامی عدالت تو اس سے زیادہ اس کو بہت سی سہولتیں دیتی ہے۔ یہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے مثال کے طور پر اگر عورت پردہ نشین ہے تو گواہی کے لئے اس کو عدالت میں طلب نہیں کیا جا سکتا بلکہ جج کو خود جا کر اس کی شہادت لینا پڑتی ہے اسی طرح کوئی مرد گواہی سے رجوع کرے تو اس کو سزا دی جاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی عورت رجوع کر لے تو اس کو سزا نہیں دی جاتی۔ اسی طرح اگر زنا میں جھوٹی گواہی ایک مرد اور دو عورتیں دیں تو تاوان آدھا آدھا ہونے کی بجائے دو تہائی مرد پر اور ایک تہائی عورت پر ہوگا اور بھی بہت سے ایسی چیزیں ہیں جن سے عورت کو سہولت دی گئی ہے یہ ایک سہولت ہے کہ وہ عورت اپنے ساتھ ایک ایڈیشنل خاتون لے آئے۔ اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ اس کی گواہی آدھی ہے۔'' (22)

اگر گواہی کے حوالے سے عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو کسی بھی مقدمہ میں اگر کوئی

''عورت جو کہ واقعہ کی عینی گواہ ہو اگر قوت مشاھدہ رکھتی ہو، قوت حافظہ رکھتی ہو اور قوت بیان رکھتی ہو تو ایسی عورت کی گواہی عدالت میں قبول کی جائے گی۔ خواہ معاملہ کسی بھی نوعیت کا کیوں نہ ہو اور یہی بات قانون شہادت آرڈر 1984ء کی دفعہ 17 میں بیان کی گئی ہے۔ کہ فیصلہ کرتے وقت ایک عورت کی گواہی پر بھی اکتفا کیا جا سکتا ہے۔ اصل مسئلہ گواہوں کی تعداد کا نہ ہونا ہے بلکہ گواہوں کی صداقت ہے جو شخص بھی عادل ہو گواہی دینے کا

مجاز ہے یہاں جنس کا فرق نہیں ہے گواہی دے سکتا ہے۔''(23)

اور اسی طرح ''ایک عورت کی گواہی جدید دور میں پوسٹ مارٹم کی صورت میں قابل قبول ہے۔ ڈاکٹری معاملے کی صورت میں لیڈی ڈاکٹر نرس یا دائی کی گواہی قابل قبول ہے۔ ایک عورت اگر زنا کے بعد حمل ظاہر ہونے پر یہ اقرار کرلے کہ یہ بچہ جو پیٹ میں ہے فلاں کا ہے قابل قبول ہے جب کہ عورت غیر شادی شدہ ہو۔ اگر کوئی عورت قتل ہو جائے اور وہاں کوئی دوسری عورت موجود ہو تو ایسی عورت کی گواہی قابل قبول ہوگی۔ اگر ہسپتال میں دو عورتوں کے ہاں بیک وقت بچے ہوں اگر نرس یا لیڈی ڈاکٹر کہہ دے کہ یہ بچہ فلاں عورت کا ہے اور دوسرا بچہ فلاں عورت کا تو اعتبار کرلیا جائے گا اسی طرح لڑکا یا لڑکی ہونے کے بارے نرس، دائی یا لیڈی ڈاکٹر کے بیان پر اعتبار کیا جائے گا۔''(24)

بعض مفکرین کا یہ نقطہ نظر ہے کہ ''تاریخ کے ہر دور میں عورتیں مردوں کے ماتحت رہی ہیں حتی کہ آج بھی مغرب کے ترقی یافتہ ملکوں میں یہ صورتحال مکمل طور پر موجود ہے۔ نام نہاد آزادی نسواں تحریک کے مغربی علمبردار اب تک یہ کہتے رہے کہ یہ کوئی فطری تقسیم نہیں ہے۔ بلکہ سماجی حالات نے مصنوعی طور پر یہ فرق پیدا کر رکھا ہے۔ تاہم حال میں اس سلسلے میں جو تحقیقات ہوئی ہیں انہوں نے اس مفروضے کو غلط ثابت کر دیا ہے۔

امریکہ کے پروفیسر اسٹیون گولڈ نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے ''نظام سرداری کی ناگزیریت'' مصنف کہتے ہیں کہ ''معاشرہ میں عورت مرد کے فرق کی وجہ حقیقتاً کوئی سماجی دباؤ نہیں ہے بلکہ دونوں جنسوں میں بنیادی فرق اس کا سبب ہے۔''(25)

پروفیسر گولڈ برگ کا تجزیہ یہ ہے کہ ''اس کا مطلب یہ نہیں کہ مرد عورتوں سے بہتر ہوتے ہیں اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مرد عورتوں سے مختلف ہیں۔ مرد کا دماغ اس مختلف طرز پر کام کرتا ہے جس طرح عورت کا دماغ کام کرتا ہے یہ فرق چوہوں وغیرہ کے نر اور مادہ میں بہت واضح طور پر تجربہ کیا جا چکا ہے۔ کچھ عورتیں مستثنیٰ ہوسکتی ہیں مگر وہ بہت معمولی اقلیت ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے سے مختلف ہیں رحم مادر سے لے کر سوچنے کی صلاحیت تک، یہ فرق دونوں کی حیاتیاتی نوعیت کے فرق سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ کسی قسم کے سماجی حالات سے۔''(26)

''علم الانسان کی ماہر خاتون ڈاکٹر مارگریٹ میڈ، جو خود بھی مساوات نسواں کی تحریک سے تعلق رکھتی ہیں۔ انہوں نے ساری عمر مختلف انسانی معاشروں کا مطالعہ کیا ہے تاہم وہ لکھتی ہیں۔

''ایسے تمام دعوے جن میں زور شور کے ساتھ ایسے معاشروں کا انکشاف کیا گیا ہو جہاں عورتوں کو غلبہ حاصل تھا۔ بالکل لغو ہے، اس قسم کے عقیدے کے لئے کوئی ثبوت موجود نہیں ہے ہر دور میں مرد ہی امور عامہ کے قائد رہے ہیں۔اور گھر کے اندر بھی اعلی اختیار ہمیشہ انہی کو حاصل رہا ہے۔'' (27)

لیکن بعض اہل دانش مردو خواتین کی گواہی کے حوالے سے عدم مساوات کو ثابت کرنے کے لئے بڑی عجیب دلیل یہ دیتے ہیں کہ خواتین کے لئے معاشرے کے کوناکوں مسائل کے حوالے سے گواہی دینا انتہائی مشکل کام ہے۔ کیونکہ گواہی دینے والے کو معاشرے میں تنگ کیا جاتا ہے اور عورت جو کہ چاردیواری کی زینت ہوتی ہے وہ کیونکر گھر سے باہر کی دنیا میں گواہی دینے کے لئے عدالتوں کے چکر کاٹ سکتی ہے۔اور مختلف فریقین کے جھگڑوں اور مخالفتوں کا سامنا کرسکتی ہے۔اور خصوصاً پولیس کے نظام کی وہ خرابیاں بیان کرتے ہوئے خواتین کو بے بس قرار دیتے ہیں اور اس طرح سے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ عورت گواہی کے لئے نا اہل ہے۔اس سلسلے میں نقطۂ نظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ

''گواہی ایک مشکل کام ہے ہمارے موجودہ ماحول میں دیکھئے کہ مرد بھی کسی فریق کے خلاف گواہی دیتے ہوئے ہچکچاتا ہے اور جراءت نہیں کرسکتا۔ چہ جائیکہ کوئی عورت گواہی دے جس جگہ پر کوئی واقعہ ہو جاتا ہے مرد بھی بھاگ جاتے ہیں کہ پولیس گواہی کے لئے نہ پکڑ لے۔عورتیں وہاں کہاں ہمت کریں گی، کہ گواہی دیں۔تو میرا مطلب یہ ہے کہ اصل قانون جو ہے وہ یہ ہے کہ گواہی صرف مردوں کی ہے اور اگر مرد نہ ہوں تو پھر بھی صرف عورتوں کی گواہی قرآن میں نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ مرد کی شرط ہے۔اگر اللہ تعالی کا مقصود مساوات مردوزن ہوتا تو تیسری شق بھی بیان فرما دیتا کہ اگر ایک بھی مرد موجود نہ ہوتو چار عورتیں ہوں۔'' (28)

حالانکہ یہ تصور اس لئے سامنے آتا ہے کہ بحیثیت مجموعی اسلام کی عادلانہ تعلیمات کا شعوری مطالعہ نہیں ہوتا بلکہ سطحی طور پر ایک نظریہ بنا لیا جاتا ہے۔لہٰذا پورا زور فقط ظاہری حالت کو مدنظر رکھ کر لگایا جاتا ہے۔حالانکہ اگر موجودہ فرسودہ نظام کے مطالعہ کیا جائے جس کی اساس بے انصافی ظلم و جبر پر استوار ہے۔جہاں عدالتیں انصاف

کی بجائے بے انصافی کا مرکز ہوں جہاں انصاف فقط اس کا نصیب ہو جو مال واقتدار اور اثر رسوخ رکھتا ہو۔ جہاں ایک مخصوص طبقہ ہی ہر طرح کے حقوق کے تحفظ کا حقدار ہو۔ اور اکثریتی طبقہ تمام قوانین کے مجموعے ہونے کے باوجود انصاف کے لئے ترستا ہو۔ ایسے ظالمانہ اور فرسودہ نظام سے پیدا شدہ معاشرے کے اندر جو حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ ان کو اگر قیاس کیا جائے اور ان حالات کی بنیاد پر تجزیہ کرنے بیٹھا جائے کہ گواہی دینے کے لئے عورت کو طرح طرح کے مسائل درپیش ہوں گے جن میں پولیس کی طرف سے زیادتی، اور عدالتوں کے حصول انصاف کے پیچیدہ طریقہ کار کو بنیاد بنا کر خواتین کی گواہی کے لئے نا اہل قرار دیکر پابند کر دیا جائے تو یہ خلاف فطرت اور خلاف قانون ہے۔ میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر اس طرح کے حالات کا سامنا اگر مرد حضرات کو ہو تو اس دلیل کی روشنی میں انہیں بھی گواہی کے لئے عدالتوں کا رخ نہیں کرنا چاہئے۔ بہر حال یہ ضروری ہے کہ

''گواہی کے مسئلے کو ''بنیادی انسانی حقوق یا'' عورت کی شخصیت سے وابستہ کرنے سے پہلے مکمل اسلامی معاشرے کا تصور بے حد ضروری ہے۔ اس کے بغیر محض چند احکام پڑھ کر جدید تمدن پر ان کو منطبق کرنا سوائے الجھن پیدا کرنے کے اور کچھ نہیں ہے۔ ہر تمدن کو بطور کل لینے ہی سے اس کا مطالعہ مفید ہو سکتا ہے، عورت کی گواہی کے بارے میں اگر چند استثنائی احکام وارد ہوئے ہیں تو بالکل وہی صورتحال ایک دوسرے دائرے میں مرد کے بارے میں بھی موجود ہے۔ جہاں صرف عورت کی گواہی پر فیصلہ ہوتا ہے اور مرد کی گواہی کا سرے سے امکان ہی نہیں ہے وہ بہت زیادہ ہیں اور روزمرہ زندگی کا حصہ ہیں۔ اس لئے اصل مسئلہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے اصل مسئلہ یہ ہے کہ اسلامی نظام شہادت کی روح کا تمام جزئیات کے ساتھ مطالعہ کر کے کوئی نتیجہ نکالا جائے نہ کہ جدید دنیا کے بے مقصد مباحث کو اسلام کے قانون شہادت سے منسلک کیا جائے۔''(29)

اس تناظر میں اگر معاشرتی رویوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ صورت سامنے آتی ہے کہ ''بعض جدید تعلیم یافتہ اصحاب گواہی کو عورت کے حق سے منسوب کرتے ہیں اور حدود میں گواہی سے عورت کے استثناء کو اس کی شخصیت سے جوڑ کر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسلام میں عورت کے حقوق سے مردوں سے کم ہیں۔ ان کی یہ بظاہر اصولی اور علمی اور اصولی نکات کی تطبیق عمل کے میدان میں کی جائے تو مسلم معاشرے کے شاید ایک فی لاکھ افراد بھی اپنی خواتین کو بد اخلاقی کے مقدمات میں گواہی دینے کے لئے عدالتوں اور پولیس تھانوں کے چکر نہ لگوائیں اور خواتین بھی

اس کے لئے تیار نہ ہوں۔ گویا ایک ہی معاملہ میں لوگوں کے اصولی اور عملی رویے بالکل مختلف ہیں۔'' (30)

اور اسی طرح سے اگر آزادی نسواں کے علم برداروں کے نقطۂ نظر کا تجزیہ کیا جائے تو یہ صورت سامنے آتی ہے کہ '' آزادی نسواں کے علم برداروں کے دلائل کا خلاصہ یہ تھا کہ قدیم سماجوں میں عورت اور مرد کے درمیان جو فرق تھا اس کا سبب فطرت میں نہ تھا بلکہ سماج میں تھا عورت ہر وہ کام کر سکتی ہے جو مرد کرتا ہے یا کر سکتا ہے مگر قدیم سماجی حالات نے عورت کو ابھرنے کا موقع نہیں دیا۔ اگر یہ سماجی دباؤ ختم کر دیا جائے تو عورت ہر میدان میں مرد کے شانہ بشانہ کام کرے گی وہ کسی اعتبار سے مرد کے پیچھے نہیں رہے گی۔'' (31)

لہٰذا ضروری ہے کہ سماجی نقطۂ نظر کا تجزیہ کر کے کسی حتمی رائے تک پہنچنا چاہئے اور یہ حقیقت مدنظر رکھی جائے کہ عورت کی ذات مرد سے کسی بھی صورت کم تر نہیں ہے کیونکہ مردوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ عورت کو سماجی دائرے میں زندگی کی تمام خود مختاری سے محروم کیا گیا۔ اسے نہ تو معاشی اداروں میں کسی حصے کے قابل سمجھا گیا اور نہ ہی سیاسی اداروں میں اس کی رائے کی کوئی اہمیت تھی اسے ازلی گنہگار قرار دے کر عقل کے ضعف میں مبتلا سمجھ کر اس کے فیصلوں کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اس طرح سماجی زندگی میں اس کو دوسری جنس قرار دیا، اور اس کو مذہب، اخلاق، فنون لطیفہ اور دیگر افکار و فلسفہ کے ذریعے معاشرے میں صنف نازک قرار دے کر اسے قابل اعتناء نہیں سمجھا گیا۔ اور اسے مردوں کی مکمل دسترس اور قابو میں دے دیا گیا، اور اس طرح عدالت ہو یا گھر، بازار ہو یا سماج کا کوئی اور ادارہ عورت مرد کے تابع فرمان قرار دے کر اسے محکوم بنایا گیا۔ اسی طرح شہادت کے مسئلے میں بھی فقہاء کے ذہنوں میں یہی تحریک کارفرما تھی جس کی بنیاد پر انہوں نے گواہی کے معاملے میں بھی عورت کے مقام کا تعین کر دیا جبکہ '' اسلامی قانون شہادت میں درحقیقت مجرد شہادت کا وجود نہیں ہے بلکہ اس کے کئی پہلو ہیں اور ہر پہلو کے احکام الگ الگ ہیں تمام قانون شہادت کا ایک ایک جز دوسرے کے ساتھ مربوط ہے۔ کسی ایک حصے کے بارے میں مطالعہ کر کے تمام نظام کے متعلق رائے قائم کرنا نہ صرف درست نہیں ہے بلکہ اس سے نکالا گیا نتیجہ گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ گواہی کے تمام نظام کا مطالعہ کر کے ہی کوئی رائے قائم کی جائے۔'' (32) کیونکہ اسلام کی روح عدل ہے اور وہ زندگی کے ہر شعبے میں عدل و احسان قائم کرنے کا نظریہ دیتا ہے۔ اور تمام شعبہ ہائے زندگی کو باہم مربوط رکھ کر بحیثیت مجموعی سماج کی ترقی و خوشحالی کا بندوبست کرتا

ہے ۔اسلام فرد کی انفرادی زندگی میں بھی اور اجتماعی زندگی میں عدل کے قیام کی تعلیم دیتا ہے اور اسی طرح بحیثیت انسان مرد وعورت میں کسی قسم کی تمیز اور فرق کو روا نہیں رکھتا بلکہ انہیں ہر طرح کے حقوق کے حوالے سے برابر قرار دیتا ہے ۔اب اگر قانون سازی کے حوالے سے جب اسلام کی اس اجتماعی روح کو مدنظر نہ رکھا جائے تو پھر قانون سازی عدل کے تقاضے پوری نہیں کرسکتی اور ایسے قوانین معاشرے میں بننا شروع ہو جائیں گے جو عدل وانصاف کی بجائے سماجی استحصال اور ظلم کا باعث بن جائیں گے۔

اس سلسلے میں مذہبی طبقہ پر دوہری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ وہ اسلام کی روح عدل کے مطابق اپنی تشریحات وتفاسیر بنائیں ۔اور نئے دور کے تقاضوں کو جاننے کی کوشش کریں ،اور روایتی ذھنیت جس کی بدولت عورت کو کمزور اور بے بس ،ناقص العقل اور صنف نازک قرار دیکر محکوم اور مجبور ولاچار سمجھا جاتا ہے ۔اس کو ترک کر کے اسے بھی معاشرے کا فعال فرد بنانے کے لئے اپنی تحقیقات کو سامنے لائیں ۔تاکہ معاشرے میں خواتین کے مقام اور حیثیت کا حقیقی معنوں میں تعین ہو سکے ۔اور معاشرے میں عورت اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکے ۔اور بحیثیت انسان وہ آزادی اظہار رائے اور انفرادی اور اجتماعی سماجی فیصلوں میں دخیل ہو سکے ۔

شہادت کے شعبے میں بھی خواتین کے مقام وحیثیت کے حوالے سے بھی اسی حکمت عملی اور بنیادی نظریے کی ضرورت ہے تاکہ نظام عدالت میں خواتین کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ ہو سکے ۔

''عصر حاضر میں عورت کی گواہی کو بوجوہ ایک پیچیدہ مسئلہ بنا دیا گیا ہے، یہ مسئلہ قرآن حکیم کی ایک آیت پر کھڑا کیا گیا کہ ''اپنے معاملات میں دومردوں یا ایک مرد اور دوعورتوں کو گواہ بنالیا کرو'' دوسری اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا گیا اور عورت کی شخصیت ہی آدھی قرار دی گئی ہے ۔اتفاق سے بعض میتوں کے ترکے میں عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں بوجوہ نصف ہوتا ہے ۔یہ دونوں نکات جمع کر کے ایک مفروضہ قائم کیا گیا کہ عورت کے حقوق اسلام میں مردوں سے مقابلہ میں کم ہیں ۔پھر اس مفروضے کو مختلف ذرائع سے عام کیا گیا کہ اس بارے میں اجتہاد کی ضرورت ہے یہ سب کچھ دراصل اسلامی تعلیمات کے بطور کل نہ لینے کا نتیجہ ہے اسلام کے کسی ایک جزو کو کل سے جدا کر کے کا ور اس کے سیاق وسباق سے ہٹا کر لیں گے اور کسی نتیجے پر پہنچنا چاہیں گے تو الجھن پیدا ہوگی ۔''(33)

لہذا ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات کو کل کے طور پر زیر مطالعہ رکھ کر خواتین کی گواہی کے بارے میں رائے قائم کی جائے۔

مسلمان معاشروں میں خواتین کی گواہی کے حوالے سے عصر حاضر میں کافی حد تک تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ مختلف نقطۂ ھائے نظر سامنے آرہے ہیں۔ اور مختلف پہلوؤں پر بحث کی فضاء ہے، ایک طرف روایتی ذھن وفکر کام کر رہا ہے اور دوسری طرف جدید ذھن تشریحات میں مصروف عمل ہے۔ اس تناظر میں جدید اسلامی معاشرے کا تجزیہ کیا جائے تو صورتحال یہ ہے کہ اکثر اسلامی ممالک میں خواتین کی گواہی کو مردوں کی گواہی کے برابر تصور کیا گیا ہے۔ اور اس سلسلے میں کسی قسم کے امتیار کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے، لیکن اس کے برعکس برصغیر پاک وہند میں اسلامی ممالک جن میں پاکستان بھی شامل ہے میں خواتین کی شہادت کو نصف قرار دیا ہے۔ اور اس سلسلے میں باقاعدہ قوانین بنائے گئے ہیں لیکن ان کے علاوہ دیگر ممالک میں ایسا تصور موجود نہیں انہوں نے اس سلسلے میں نئی قوانین سازی کر کے خواتین کے حقوق کو ہر لحاظ سے تحفظ دینے کی کاوشیں شروع کر رکھی ہیں۔ جو کہ ایک خوش آئند بات ہے وگرنہ اسلامی تعلیمات کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ مغربی دنیا میں موجود ہے کہ وہ خواتین کے بنیادی حقوق کو غصب کرتا ہے۔ مثلاً گواہی کے حوالے سے، پردے کے ذریعے، اور دیگر معاشرتی، تجارتی اداروں میں حصہ دار ہونے کے حوالے سے۔

فصل دوم: مسلم اور غیر مسلم معاشرے میں خواتین کی شہادت کی قوانین سازی:

آئندہ صفحات میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے جدید اسلامی معاشرے میں قوانین سازی کا جائزہ ملاحظہ فرمائیں:

مصری معاشرے میں خواتین کی شہادت کی حیثیت:

ایک سکالر زینب رضوان قانون پر تبصرہ کرتے ہوئے خواتین کی شہادت کے حوالے سے اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت کرتی ہیں۔

''مصری قانون کی رو سے دو عورتوں اور ایک مرد کی گواہی، دو مردوں کی گواہی کے برابر ہوگی۔ صرف شخصی حیثیت کے کیسوں میں ایسا ہوتا ہے شافعی، اور حنبلی فقہ میں شادی، طلاق اور حدود کے اجرا میں عورت کی گواہی

قبول نہیں کی جاتی ۔حنفی لوگ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کر لیتے ہیں ۔ یہ سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸۲ کے مطابق اس آیت کا تعلق مالی امور سے ہے حنفی شادی کو بھی ایک مالی معاھدے کی طرح سمجھتے ہیں غیر مسلموں کی گواہی کے بارے میں فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ایک مسلمان جوڑے کی شادی کے بارے میں حنبلی اور شافعی کسی غیر مسلم کی گواہی کو قبول نہیں کرتے ،اگر ایک مسلمان نے کسی عیسائی یا یہودی عورت سے شادی کی تو امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف نے عیسائی اور یہودی کی گواہی قبول کی ہے ۔مصر میں تمام دوسری عدالتوں میں عورت کی گواہی مرد کے برابر ہے ۔

حقیقت میں یہ اسلامی شریعت کی روح سے خلاف نہیں ہے کیونکہ قرآن کی تمام آئتیں شہادت کے معاملے میں مرد اور عورت گواہ کے درمیان فرق نہیں کرتے ۔

قرآن مجید میں سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸۲ واحد آیت ہے جس میں ایک مرد کی گواہی دو عورتوں کے برابر ٹھہرائی گئی ہے اس آیت کا تعلق قرض کی رجسٹریشن کے اصول سے ہے ۔اگر آیت کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک آدمی کے مقابلے میں دو عورتوں کو رکھنے کی وجہ ہے کہ اگر ایک عورت قرض کی کسی چیز کے بارے میں بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلادے ۔اس زمانے میں عورتیں ان پڑھ تھیں اور ان کی گواہی ان کے حافظے پر منحصر تھی ۔وہ عورتیں مالی امور سے بھی اچھی طرح واقف نہ تھیں اس زمانے میں تجارت اور مالی امور مردوں کے ہاتھ میں ہوا کرتے تھے ۔اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کو افراد کے مالی حقوق کا کتنا خیال تھا اور وہ سوسائیٹی میں معاشی سرگرمیوں کے تحفظ کو کتنی اہمیت دیتا تھا۔اس لئے اس آیت کریمہ کو دوسرے معاھدوں کے لئے نظیر نہیں بنایا جاسکتا خصوصاً جب اس کی تائید میں قرآن وسنت سے کوئی اور شہادت نہیں ملتی ،اسلام عورت کی گواہی کو صرف ان معاملات میں قبول کرتا ہے جن کا مردوں کو علم نہیں ،مثلاً بچے کی پیدائش یا رضاعت ۔

قواعد کی رو سے **''استشھدوا''** کی ساخت توجہ طلب ہے ۔اس میں شھد پر الف ،س ،ت کا اضافہ کیا گیا ہے جب کسی فعل پر ان حروف کا اضافہ کیا جائے تو اس کا معنی ہوتا ہے''اسے طاقت سے کرو''''اس کا اہتمام کرو''اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس وقت کے تاریخی حالات کی طرف اشارہ ہے جب گواہوں سے گواہی کے لئے کہا جاتا تھا۔ایسے مالی امور دوسرے اور بھی ہیں جو اچانک پیش آتے ہیں اور ہمیں ایک یا دو عورتوں کے سواء کوئی اور گواہ

نہیں ملتا۔اگر ان کی گواہی کو اہمیت نہ دی جائے ،اس کا نتیجہ حقوق سے محرومی کی شکل میں نکلے گا۔''(34)

عصر حاضر کے حوالے سے ایک مصری دانشور نجلہ نصار ایک سیمینار میں خواتین کی شہادت کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے اس سوال کا جواب دیا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲ واقعی دوعورتوں کی عدالت میں گواہی کو ضروری قرار دیتی ہے؟

''یہاں ہمارے دومفروضے ہیں ایک یہ کہ وہ پڑھ نہیں سکتی ، دوسرے یہ کہ مرد کاروبار تجارت کرتے ہیں اس کا فطری نتیجہ دوعورتیں ہوگا ۔ کیونکہ ان پڑھ عورتیں کاروبار یا تجارت کے بارے میں زیادہ نہیں جانتیں ۔اگر عورتیں آج کی طرح تجارت اور کاروبار سے آگاہ ہیں اگر وہ ان پڑھ نہیں ہیں اور وہ دستاویزات پر دستخط کرسکتی ہیں تو اس اصول کا اطلاق نہیں ہوگا۔''(35)

گویا مصر میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے مرد کے برابر قرار دیا گیا ہے اور یہ تصور کہ گواہی کے وقت دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے کے بارے میں انہوں نے یہ نقطۂ نظر اپنایا کہ وہ اس دور کے تقاضے کے مطابق فیصلہ تھا۔ جو کہ مخصوص سماجی حالات کو مدنظر رکھ کر کیا گیا تھا جب معاشرے میں خواتین علمی لحاظ سے ناخواندہ تھیں تو لا محالہ ان کو ایک مددگار کی ضرورت تھی ۔لیکن عصر حاضر میں ایسی کیفیت نہ ہونے کی وجہ سے اب اس طرح کے فیصلے کی ضرورت نہیں رہی ۔مصر کے بارے میں یہ خصوصیت عام ہے کہ وہاں کے علماء کرام نے اسلام کے مختلف شعبوں میں جدید تناظر میں تحقیق وجستجو کرکے بڑے بڑے فیصلے کئے ہیں خصوصا الدالزہر یونیورسٹی میں اس تناظر میں کافی کام ہوا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ خواتین کی گواہی کے معاملے میں بھی مصر کے علماء اور قانون ساز پیچھے نہیں رہے ۔اور انہوں نے عصری تقاضوں کا کما حقہ ادراک کرکے قانون بنائے اور انہیں معاشرے میں نافذ العمل کیا۔ان کا یہ فیصلہ قرآن وسنت کی روح کے منافی نہیں بلکہ ان کی عصری روح کے عین مطابق ہیں ۔ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مصری قوانین کی تقلید کرتے ہوئے دیگر اسلامی معاشروں کے علماء کو بھی انہیں اپنانا چاہئے اور اسلام کی روح عدل کو معاشرے میں قائم کریں ۔

مصری قوانین کے جائزے کے بعد اب **ایرانی معاشرے میں خواتین کی شہادت کی حیثیت** پر درج ذیل جائزہ ملاحظہ ہو۔

ایرانی قانون دان اور دانشور شاہناز نیک انجام ۔ایرانی معاشرے میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے قانون سازی اور حیثیت کے حوالے سے اظہار خیال کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں ۔

''قوانین شہادت کی تاریخ ایران بھی 1934ء کے قوانین کی ضابطہ بندی سے شروع ہوتی ہے جب فقہا اور رسول قانون دانوں نے ملکر ایران کا سول کوڈ یا اس کا ایک حصہ مرتب کیا ۔ایران کے سول لاء کے مطابق شہادت سے مراد کسی معاملے سے متعلق ایک فریق کے دعوے کی تائید میں اور دوسرے کے خلاف معلومات ہیں ۔ ایران کے سول کوڈ اور سول طریق کار میں عورت اور مرد کی گواہی میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا ۔اس فرد کا بالغ ،صحیح العقل ،انصاف پسند مسلمان ہونا اور قانونی استعداد کا مالک ہونا ضروری ہے ۔

طلاق کے معاملات اس سے مستثنیٰ ہیں ،طلاق کے لئے صرف دو انصاف پسند گواہوں کا ہونا ضروری ہے ۔اسلامی انقلاب کے بعد تعزیرات کا مجموعہ اسلامی قانون کی روشنی میں دوبارہ مرتب کیا گیا ۔ فوجداری جرائم میں ایک عورت کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ،جج مرد گواہوں کے لئے کہے گا ۔جج ان مسائل کو مختلف طریقوں سے حل کرتے ہیں ،آئین ججوں کو اختیار دیتا ہے کہ وہ قانون کے اندر رہتے ہوئے سچ کو کسی ذریعے سے بھی معلوم کرنے کی کوشش کریں ۔''(36)

گویا ایران میں بھی عورت اور مرد کی گواہی میں کوئی امتیاز نہیں رکھا جاتا ،لیکن فوجداری جرائم میں ایک عورت کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ۔گواہوں کے نصاب واھلیت کے حوالے سے ایرانی قوانین کے بارے میں یہ رپورٹ ملاحظہ ہو ۔

''۱۔ شادی کے لئے گواہوں کی ضرورت نہیں لیکن شادی کا رجسٹرڈ ہونا ضروری ہے ۔

۲۔ گواہوں کی اھلیت ان کی تعداد پر فوقیت رکھتی ہے ۔

۳۔ طلاق میں دو مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے ۔

۴۔ ججوں کو فیصلہ کرنے کے کافی اختیارات حاصل ہیں ۔

۵۔ پینل کوڈ میں صرف مردوں کی گواہی ججوں کی صوابدید پر منحصر ہے ۔''(37)

بہر حال ایرانی معاشرے میں اگرچہ کہ اس سلسلے میں پیش رفت ضروری ہوئی ہے لیکن انہوں نے ابھی تک

فوجداری نوعیت کے جرائم میں خواتین کی گواہی کا وہ حق نہیں دیا، جو مصری معاشرے میں دیا گیا ہے۔

عصر حاضر کے معاشرے کا تجزیہ کرتے ہیں تو عالمی سطح پر مسلم دنیا میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے مختلف رجحانات اور قوانین نظر آتے ہیں۔''اگرچہ شہادت شخصی قوانین کے زمرے میں نہیں آتی لیکن یہ ایسا مسئلہ ہے جو عورت کی قانونی حیثیت پر اثر انداز ہوتا ہے۔''(38)

لہٰذا اس تناظر میں خواتین کی معاشرتی حیثیت و قانون حوالے سے مقام کا تعین بھی ہوتا ہے۔ذیل میں شہادت کے حوالے سے خواتین کی قانونی حیثیت کی جائزہ رپورٹس ملاحظہ ہوں جن سے اندازہ ہوتا ہے مختلف معاشروں میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے کس نوعیت کے قوانین موجود ہیں۔

''قانونی حیثیت پر مختلف ممالک کی رپورٹیں۔

☆ **بنگلہ دیش:** شہادت دوسو سال سے انگلش کامن لاء پر مبنی ہے۔

☆ **مصر:** **(الف)** مصر کی تمام عدالتوں میں مرد اور عورت شہادت میں برابر ہیں۔

(ب) دوعورتیں ایک مرد صرف غیر شخصی Status law میں

☆ **ملائیشیا:**

ا۔ اگر کوئی عورت عدالت میں بینہ دینے کے لئے جاتی ہے تو فارمولے کا اطلاق نہیں ہوتا۔

۲۔ اگر کوئی عورت شہادت دینے کے لئے جاتی ہے تو پھر فارمولے پر عمل کیا جاتا ہے۔تمام مسلمان شہادت یا بینہ دے سکتے ہیں۔اگر وہ بعض اوصاف کے حامل ہوں۔

۳۔ عدالتوں میں غیر مسلم کی گواہی بھی مانی جاتی ہے۔

۴۔ میاں بیوی کے درمیان جھگڑا بطور بینہ سنا جاتا ہے۔

☆ **پاکستان:۔**

ا۔ عدالت گواہ کی اہلیت کا تعین اسلامی احکام کے مطابق کرتی ہے۔ایسا کوئی کیس کسی رپورٹ میں نہیں آیا جس میں کسی عورت کو اہلیت کی بنیاد پر گواہی دینے سے روک دیا گیا ہو۔

۲۔ مالی یا مستقبل کی ذمہ داریوں میں اگر وہ تحریر شکل میں ہوں تو اس دستاویز کی تصدیق دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں کریں گی۔

۳۔ حد کی سزا دینے کے لئے عورت کی گواہی قابل قبول نہیں۔

☆ تیونس اور ترکی:

قانون کے آگے تمام شہری برابر ہونے پر اصرار مرد اور عورتیں برابر ہیں دونوں گواہ بھی ہو سکتے ہیں اور جج بھی۔''(39)

مسلمان معاشروں کے تجزیہ کے بعد اب **غیر مسلم معاشرے میں خواتین کی شہادت** کے حوالے سے ہندوستانی معاشرے کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

''بھارت میں قانونی معاملات میں شہادت عموماً Indian Evidance Act کے تحت آتی ہے۔اس ایکٹ کی تمہید کے مطابق اس کا مقصد'' قانون شہادت کو ایک واضح شکل دینا اس کی تعریف کرنا اور اس میں ترمیم کرنا تھا''پریوی کونسل نے اسے ایک ہمہ گیر اور مکمل قانون قرار دیا تھا اور بھارتی سپریم کورٹ نے بھی اس کی قانونی حیثیت کی توثیق کی ہے۔''(40)

بھارتی معاشرے کا تجزیہ کیا جائے تو قوانین شہادت غیر امتیازی نظر آتے ہیں۔'' قانون شہادت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کسی معاملے میں جو اس کے تحت آیا ہو، مرد اور عورت میں امتیاز کرتی ہو۔ان کے گواہ بننے کی اہلیت انہی قواعد کے تابع ہے جو واحد گواہ کے لئے ہیں اس کے عورت یا مرد ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اس ایکٹ کی دفعہ ۱۱۸ اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ تصدیق کرتا ہے''یہ اشارہ یا اس قسم کی کوئی اور وجہ اس میں گواہی کی جنس شامل نہیں ہے قانونی نا اہلی کا اطلاق دونوں مرد اور عورت پر ہوتا ہے۔''

قانون شہادت کے یہ تمام اصول اور پالیسیوں کا اطلاق بھارتی مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے اس میں عورتیں کسی رواج یا روایت کی مخالفت کے باجود شامل ہیں۔روایتی اصول یہ ہے کہ شادی کے گواہوں میں دو مرد یا ایک مرد اور عورتیں ہونی چاہئیں اس اصول کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ یہ حنفیوں نے واضح کیا تھا اور یہ اصول (فقہ کی) بعض درسی کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے اس اصول میں جو جنسی امتیاز پایا جاتا ہے اس کی وجہ سے کسی عدالت

نے اس پر توجہ دی اور نہ اسے نافذ کیا ہے۔شادی کے حنفی طریقے کو بیان کرتے ہوئے عدالتوں نے دو بالغ گواہوں کا ذکرالبتہ کیا ہے کسی عدالت نے کبھی یہ نہیں کہا کہ اگر نکاح کے دو گواہوں میں اگرایک عورت ہوتو نکاح ناجائز ہوگا۔رواج یہ ہے کہ جولوگ نکاح نامے پر دستخط کرتے ہیں اوروہ عام طور پر مرد ہی ہوتے ہیں اور یہ شافعی فقہ کے عین مطابق ہے۔لیکن اسے نہ تو قانون سازی اور نہ عدالتی فیصلوں کے ذریعے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ بنگال، بہار، اڑیسہ، آسام اورمیگھالیہ کے Muslim marriage &Divorce registration act میں گواہوں کےاندراج کے بارے میں صرف یہ حوالہ ملتا ہے کہ دو گواہ جو شادی کی رسم میں موجود تھے، اس میں یہ صراحت موجود نہیں کہ ان کا مرد ہونا ضروری ہے۔‘‘(41)

موجودہ تغیر پذیر معاشرے میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے مختلف اہل قلم اور قانون کے ماھرین کی آراء پیش خدمت ہیں۔چیف جسٹس (ر) آفتاب حسین، گواہی کے نصاب اوراس حوالے سے خواتین کی گواہی کے بارے میں عصری رجحانات پر اظہار خیال کرتے ہیں کہ۔

’’عام طور پر کم ازکم موجودہ دور میں قاعدہ رہا ہے کہ گواہوں کی تعداد کی کوئی حد نہیں اگر چہ معیار کے اعتبار سے ہمیں زیادہ سخت ہونے کی ضرورت ہے۔فیصلہ ان گواہوں کی بنیاد پر ہی کیا جاسکتا ہے جن پر عدالت اعتماد کر سکتی ہےقرون وسطٰی میں بلکہ اس سے پہلے بھی مختلف مذاھب اور مختلف ثقافتوں میں گواہوں کی تعداد کے تعین کے اصول رائج رہے ہیں۔اسلام میں گواہوں کی تعداد عموماً دو ہی رہی ہے،قانون دان بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ معاملے کا تصفیہ دو گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر ہوسکتا ہےلیکن گواہوں کے معیار کے بارے میں ان کے بیانات، معیاری فیصلے کے آئینہ دار نہیں ہیں۔وہ عورت کی گواہی کو آدھا تسلیم کرتے ہیں یہ ایک کلی اصول ہے اگرچہ اس کی استثنٰی بھی ہے۔مثلاً عورت کے معاملات میں عورت کی گواہی قابل قبول ہےلیکن عام اصول یہ ہے کہ مرد گواہ کا ہونا ضروری ہےاگرایک مرد اورایک عورت ہوتو یہ کافی نہیں۔دوعورتیں ہونی چاہئیں اس صورت میں تین گواہ ہوگئے۔علماء اورمذھبی سکالر یہ مسئلہ اٹھا رہے ہیں کہ قانون شہادت میں ترمیم کی جانی چاہئے گواہوں کی تعداد اورمعیار کا معاملہ عدالتوں پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہی ان کا تعین کریں۔‘‘(42)

ایک ماہر قانون ساجدہ علوی، ملکی آئین کا خواتین کی ترقی کے ساتھ تعلق وربط اور خواتین کی شہادت کے حوالے سے قانون سازی پر تبصرہ کرتے ہوئے عصری معاشرے خصوصاً ترکی، انڈونیشیا اور مصر کے بارے میں اظہار خیال کرتی ہیں کہ ''کسی ملک کا آئین وہاں کے پالیسی سازوں کی فکر ونظر کا آئینہ دار ہوتا ہے اور یہ اس ملک کی سوسائٹی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ آئین کا عورتوں کی ترقی سے تعلق بہت اہم اور جائز ہے، انڈونیشیا کی حکومت عورتوں کی ترقی اور پیشرفت کے لئے منصوبہ سازی کر رہی ہے۔ ۱۹۷۴ء میں اس نے تعلیم کو مرکزی اہمیت کا حامل قرار دیا ہے حکومت سمجھتی ہے کہ تعلیم میں بہتری عورتوں کی امور خانہ داری اور سوسائٹی میں آزادی کو آگے بڑھائے گی۔ خاندان میں عورت کو زیادہ بہتر حیثیت دینے، کنبہ چھوٹا رکھنے، خاندانی منصوبہ بندی پر کامیاب عمل کرنے، عورتوں کو روزگار دلانے، مختلف تنظیموں کی رکنیت کے حصول اور سب سے زیادہ خاندان سے باہر کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی خواہش پوری کرنے کے لئے تعلیم کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ بیس سال کے بعد ۱۹۹۶ میں ان پالیسیوں کے نتائج عورتوں میں بڑھتی ہوئی شرح خواندگی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ خواتین سوسائٹی میں بڑے اہم مقام پر فائز ہیں عورتوں کے کردار اور رویوں کے نمونوں میں تبدیلی کے لئے جو کوششیں کی جا رہی ہیں ثقافتی اقدار اور رویے ان کی کامیابی اور ناکامی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور یہ عورتوں کے بارے میں ہمارے نقطۂ نظر میں بھی تبدیلی لاتی ہیں۔ قانونی اصلاحات کے اس وسیع تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے عورتوں کو بھی اپنی مرضی کے جتنے مواقع میسر رہیں ان سے قوانین کے استعمال کی نوعیت اور حد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔''(43)

خواتین کی شہادت کے حوالے سے قرآنی تصور پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے موصوفہ لکھتی ہیں۔

''شہادت کے مسئلے کے بارے میں سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲ سے اس بحث نے جنم لیا کہ عورت مرد کے برابر نہیں اگر اس آیت کو اس کے سیاق وسباق میں رکھ کر دیکھا جائے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو عورتوں کی ضرورت ارادی یا غیر ارادی غلطی سے بچنے کے لئے ہے اور اس غلطی کا تعلق بھی کسی معاہدے کی شرائط سے ہے۔ امینہ ودود محسن نے اپنی کتاب ''قرآن اور عورتیں'' مطبوعہ ۱۹۹۲ء میں یہ دلیل دی ہے کہ اس آیت کی تشریح اس کے سیاق و سباق میں رکھ کر ہونی چاہئے فضل الرحمٰن جیسے جدیدیت پسند نے اس آیت کی تشریح اس طرح سے کی ہے کہ جب عورتیں مالیاتی امور سے اچھی طرح واقف ہو جائیں تو ان کی گواہی مردوں کے برابر ہے۔ اس آیت کا تعلق خاص

حالات سے تھا جو آج غیر متعلق ہیں اس آیت کی حیثیت غلاموں سے متعلق آیات کی طرح ہیں ۔جدیدیت پسندوں کی تعبیر کے مطابق اس آیت کا مقصد بدعنوانی کو روکنا تھا۔ اگر ایک عورت غلطی کرتی ہے یا اسے ورغلا کر اس سے غلط گواہی لی جاتی ہے تو دوسری عورت وہاں اس قسم کے دباؤ کا مقابلہ کرے گی اس آیت کو ہم اس حقیقت کی علامت بھی قرار دے سکتے ہیں کہ عورتوں کی گواہی کو کوئی معاہدہ تحریر کرتے وقت ایک مفید ذریعے کے طور پر قبول کیا گیا ہے۔''(44)

ایک ماہر قانون دان خالد اسحٰق خواتین کی شہادت کے حوالے سے مختلف مما لک کے اقدامات اور رجحانات کا جائزہ لیتے ہوئے سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸۲ پر درج ذیل تبصرہ کرتے ہیں۔

''اہم نکتہ یہ ہے کہ بہت سے مما لک نے محسوس کیا ہے کہ آیت ۲۸۲ کسی نہ کسی مرد کے مقابلے میں عورت گواہ کی حیثیت کو ادنی قرار دیتی ہے۔ یا تو اسے چھوڑ دیا جائے یا پھر روایتی نقطۂ نظر کو قبول کرلیا جائے جس کے مطابق تقریبا تمام معاملات میں عورت کی شہادتی قدر و قیمت مرد کے مقابلے میں آدھی ہے۔ آیت ۲۸۲ میں ایک آدمی اور دو عورتوں کا ذکر آیا ہے تا کہ اگر ایک عورت ہچکچانے یا بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ دونوں عورتوں کا بطور گواہ جانچا جائے گا دوسری عورت کا رول پہلی عورت کو یاد دلانا ہے۔ اگر وہ بھول جائے یا ہچکچائے اگر وہ نہ بھولے اور نہ ہچکچائے پھر مذکورہ دوسری عورت کا کوئی کردار نہیں رہ جاتا قانونی طریق کار کی کتابوں جیسے معین الحکام میں واضح طور پر لکھا ہے صرف ایک عورت کی گواہی جانچی جاتی تھی۔ عورت کا یہ لحاظ کیا جاتا تھا کہ اس کو ایک ساتھی مہیا کر دی جاتی تھی کیونکہ ان کے لئے مقدمات اور عدالتوں میں حاضری کوئی معمولی بات نہیں تھی۔''(45)

اور اسی طرح سورۃ نساء کے حکم پر تبصرہ کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں کہ ''جہاں تک شہادت کا تعلق ہے عورت کی گواہی مرد کی گواہی کی طرح کارآمد ہے۔ سورہ نور میں اس مساوات کو مزید ثابت کیا گیا ہے جہاں یہ کہا گیا ہے کہ اگر شوہر الزام لگاتا ہے تو اسی کے چار گواہ ہونے چاہئیں اگر کوئی گواہ میسر نہیں تو وہ چار دفعہ قسم کھائے کہ وہ درست الزام لگا رہا ہے یہ آیت عورت سے یہ نہیں کہتی کہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے آٹھ عورتیں بطور گواہ لاؤ بلکہ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اگر عورت جرم سے انکار کرے تو اسے چار دفعہ قسم کھانی چاہئے اگر وہ قسم کھا

لیتی ہےتو اسے سزا سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے گا۔''(46)

نتیجہ بحث:

تغیر پذیر معاشرے میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے قوانین سازی اور آئین سازی کرنے کے لئے درج ذیل اقدامات ضروری ہیں۔

☆ ایک آدمی کے مقابلے میں دو عورتوں کی گواہی کے اسلامی حکم کو عصر حاضر کے معاشرے میں امتیازی سمجھا گیا ہے خصوصاً مالی اداروں میں کام کرنے والی خواتین کے لئے یہ خاص طور پر امتیازی ہے۔

☆ قانون ساز اداروں کے کرتا دھرتا اور فقہاء کو عصری تبدیلیوں کو مدنظر رکھ کر عورت کی تبدیل شدہ حیثیت کو اساس بنا کر ترامیم اور قوانین سازی کرنی چاہئے۔

☆ قرآن حکیم کے مطابق معاہدے کو تحریری شکل دی جائے دو عورتوں اور ایک مرد کی گواہی کا فارمولا صرف زبانی معاہدوں پر قابل اطلاق ہے۔

☆ اس طرح سے عورت کی تحقیر کے عمل کو معاشرے میں روکنے کا بندوبست ہوسکتا ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸۲ جس کو خواتین کی گواہی نصف ثابت کرنے کے لئے اساس بنایا گیا ہے اس کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ اس میں دو عورتوں کو ایک آدمی کے برابر قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایک عورت قرض کے بارے میں کوئی چیز بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتیں اس زمانے میں ناخواندہ ہوتی تھیں اور ان کی گواہی کا انحصار حافظے پر ہوتا تھا لیکن اگر دیکھا جائے تو اس کے مقابلے میں ایک خواندہ فرد تصدیق کے لئے اپنے دستخط کا استعمال کرتا ہے اور اس نے کافی عرصہ پہلے جو کچھ سنا ہو اس کے بارے میں حافظے پر بھروسہ نہیں کرتا۔

دو عورتوں کے مقابلے میں ایک مرد کی گواہی کو خصوصاً اس شعبے میں قابل قبول اور قابل ترجیح قرار دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عورتیں مالی معاملات کے حوالے سے اس زمانے میں زیادہ آگاہی نہیں رکھتی تھیں۔ لیکن تجارت اور مالی امور اس زمانے میں مرد ہی انجام دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان معاملات میں عورتیں مردوں کے مقابلے میں کمزور تھیں کیونکہ وہ اس شعبے میں کام ہی نہیں کرتی تھیں۔ اسلام سوسائٹی کی معاشی اور مالی بہبود کے لئے لوگوں

کے معاشی حقوق کی ضمانت کا پورا اہتمام کرتا ہے

لہذا اگر دیکھا جائے تو عصر حاضر میں خواتین نہ صرف پڑھی لکھی ہوتی ہیں بلکہ بعض خواتین معاشیات کے میدانوں میں کافی مہارت بھی رکھتی ہیں لہذا یہ کہنا کہ اس آیت کریمہ کی رو سے عورت کی گواہی آدھی ہے درست نہیں ۔ بلکہ یہ ایک دور کے خاص سماجی حالات کے تناظر میں درست تھا، لیکن عصر حاضر میں اس تصور میں تبدیلی کی ضرورت ہے ۔

اس کے علاوہ اسلام، پیدائش، رضاعت اور عورتوں کے مخصوص معاملات میں صرف عورتوں کی گواہی کو قبول کرتا ہے اور پسند کرتا ہے اس میں وہ معاملات بھی شامل ہیں ۔جس کے بارے میں مردوں کو کچھ معلوم نہیں ۔ دوسری طرف یہ صورت حال بھی پیش آسکتی ہیکہ مختلف مالی امور اور دوسرے معاملات جو اچانک پیش آجاتے ہیں اس صورت میں ہمیں ایک دو عورتوں کے سواء موقعے کے گواہ نہیں ملتے ۔اگر ان کی گواہی کا خیال نہ کیا جائے اور اسے قبول نہ کیا جائے تو ایک ایک جرم ہوگا جس کی سزا نہ دی جائے یا اس میں بعض لوگ اپنے حقوق سے محروم ہو جائیں گے ۔ان کیسوں کی قانونی تشریح ضروری ہے قرآن اور سنت اس عصری ضرورت کے خلاف نہیں ہے ۔ لہذا لب لباب یہ ہے کہ میری ذاتی رائے کے مطابق عورت کی گواہی بالکل مرد کی طرح ہے اس کی حیثیت بھی مرد کی طرح مکمل گواہ کی ہے ۔

''یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر وقت کے تقاضوں کا ساتھ دینے کے لئے مسلم قانون کے کسی مسلمہ اصول میں تبدیلی لانے کی ضرورت پڑی تو قانون سازی کی حکمت اور عدالتی فعالیت پسندی کو بہت دانائی اور احتیاط سے بروئے کار لایا جائے یہاں اسی قسم کی احتیاط کی ضرورت ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ نے اسلامی فقہ متعارف کراتے وقت برتی تھی ۔سوسائٹی کے موڈ کا خیال کئے بغیر قانون سازی اور عدالتی فعالیت پسندی کے مظاہرے بعض اوقات متعلقہ لوگوں کے فائدے کی بجائے انکا نقصان پہنچتا ہے ۔''(47)

حوالہ جات

1 ۔اجتہادی مسائل، شاہ محمد جعفر پھلواروی، مولانا، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۵۹ء، ص ۱۳

2 ۔ایضاً

3 ۔ایضاً، ص ۱۴

4 ۔ایضاً

5 ۔ایضاً، ص ۱۴ تا ۱۵

6 ۔کیا عورت انسان نہیں، حفظ الرحمٰن سیوھاروی، محولہ بالا، ص ۱۵ تا ۱۷

7 ۔خاتون اسلام، وحیدالدین خان، مولانا، کراچی، فضلی سنز، ۱۹۸۶ء، ص ۳۰

8 ۔ایضاً، ص ۳۰

9 ۔خواتین کی اسلامی زندگی کے سائنسی حقائق، محمد طارق محمود چغتائی، حکیم، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء، ص ۴۰

10 ۔ایضاً، ص ۳۹ تا ۴۲

11 ۔ایضاً، ص ۳۹

12 ۔ایضاً، ص ۳۹ تا ۴۰

13 ۔ایضاً، ص ۳۸

14 ۔ایضاً، ص ۳۸ تا ۳۹

15 ۔خاتون اسلام، وحیدالدین خان مولانا، محولہ بالا، ص ۳۴

16 ۔اجتہادی مسائل، شاہ محمد جعفر پھلواروی مولانا، محولہ بالا، ص ۱۸

17 ۔ایضاً، ص ۱۹

18 ۔ایضاً، ص ۲۳

19 ۔اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، محبت حسین اعوان، محولہ بالا، ص ۱۲۰

20 ۔ایضاً، ص ۱۱۹ تا ۱۲۰

21۔اسلام اور عورت،محمد فاروق خان،ڈاکٹر،رضوانہ فاروق،ڈاکٹر،لاہور،دارالتذکیر،۲۰۰۴ء،ص ۱۸۳

22۔سہ ماہی منہاج ،محولہ بالا،ص ۱۷۸تا ۱۷۹

23۔قانون شہادت،ثناء اللہ غوری،کراچی،مکتبہ فریدی،۲۰۰۱ء،ص ۲۹۵

24۔احکام القرآن ،ظفر احمد عثمانی،طبع کراچی،س۔ن،ص ۵۹۶،جلد ا

25۔خاتون اسلام،وحیدالدین خان،مولانا،محولہ بالا،ص ۳۱

26۔ایضاً،ص ۳۳

27۔ایضاً

28۔سہ ماھی منہاج،محولہ بالا،ص ۱۸۳

29۔اسلام،قانون اور مظلوم پاکستانی عورت،محبت حسین اعوان ،محولہ بالا،ص ۱۲۲

30۔ایضاً،ص ۱۲۱

31۔خاتون اسلام،وحیدالدین خان،مولانا،محولہ بالا،ص ۲۹

32۔اسلام،قانون اور مظلوم پاکستانی عورت،محبت حسین اعوان ،محولہ بالا،ص ۱۱۸ تا ۱۱۹

33۔ایضاً،ص ۱۱۹

34۔جدید دنیا میں اسلامی قوانین اور خواتین ،محولہ بالا،ص ۱۶۴ تا ۱۶۶

35۔ایضاً،ص ۱۶۷

36۔ایضاً

37۔ایضاً،ص ۱۵۷

38۔ایضا،ص ۱۵۶

39۔ایضاً،ص ۱۵۷ تا ۱۵۹

40۔ایضاًص 376

41۔ایضاً،ص ۳۷۶ تا ۳۷۷

42۔ایضاً،ص۱۳۹تا۱۶۰

43۔ایضاً،ص۱۶۰تا۱۶۲

44۔ایضاً،ص۱۶۳

45۔ایضاً،ص۱۶۹

46۔ایضاً

47۔ایضاً،ص ۲۶۷
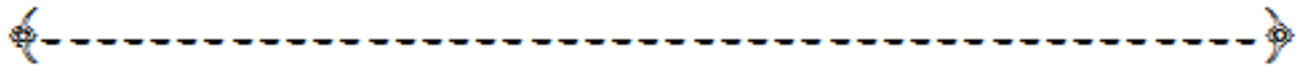
باب ششم:

عصر حاضر میں عورت کی شہادت کی خصوصیات

''اسلام سے قبل عرب معاشرے میں عورتوں کا مرتبہ مردوں کے مقابلے میں فروتر تھا اور عورتوں کی معاشرتی زندگی مردوں کی بہ نسبت ایک محدود دائرے میں گردش کرتی تھی، اس وجہ سے عورتیں معاملات میں کم دخیل ہوتی تھیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالی نے اپنے کلام میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں اور فیصلوں میں عورتوں کی شہادت کے قانونی تصور میں برابری قائم رکھی تاہم عہد صحابہ کے بعد جہاں زندگی کے کئی میدانوں اور شعبوں میں وہی جاہلی تصورات عود کر آئے، لیکن اب ان خیالات کو بعض آیات کے ذو معنی طرز بیان سے تائید مل گئی چنانچہ قرآن کریم کی بعض آیات اور بعض احادیث کو عورت کی شہادت کے اعتبار سے کم کرنے کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ اس سلسلے میں سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲ قابل ذکر ہے۔''(1)

بہر حال قرآنی آیات کی تعبیرات مختلف مکاتب فکر نے اپنے اپنے انداز سے کر کے گواہی کے حوالے سے خواتین کی حیثیت اور مقام کا تعین کیا۔ جن عناصر نے ان آیات کی تعبیر و تشریح مردوں کی بالا دستی کو قائم کرنے کی ذھنیت کی اساس پر کی۔ وہ تو برملا اس کا اظہار کرتے ہیں کہ خواتین کی گواہی مردوں کے مقابلے میں نصف ہے۔ اور اس کی رائے مرد کے مقابلے میں قابل ترجیح نہیں ہو سکتی۔ اسی بنیاد پر قانون سازی بھی کی گئی۔ اور معاشرے میں خواتین کے مقام کو گھٹا دیا گیا مسلمان معاشروں میں ایک طرف تو عمومی رجحان یہ بنا دیا گیا کہ مردوں کی حاکمیت اور نگہبانی کے بغیر عورت زندگی کے کسی معاملے میں اپنا تصرف نہیں رکھ سکتی۔ اس ذہنیت نے یہ شکل اختیار کر لی ہے کہ اگر کسی مسلمان معاشرے میں کوئی بہتر قانون سازی بھی ہو جائے پھر بھی وہاں عام طور پر اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ اور خواتین کی حیثیت اور مقام میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نظر نہیں آتی۔

کئی اسلامی ملکوں میں اس نہج پر کام ہو رہا ہے اس کی دراصل وجہ نئے دور کی تہذیبی و تمدنی تبدیلیوں کا عمل ہے جہاں حقوق، آزادی، آزادی اظہار رائے وغیرہ کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ ہر انسان اپنے حقوق کے حوالے سے کچھ نہ کچھ شعور حاصل کر کے اس کے حصول کے لئے سرگرداں ہے۔ اسی طرح خواتین نے بھی جدوجہد کے

راستے کو اپنایا ہوا ہے۔اور اس تغیر پذیر معاشرے میں اپنے حقیقی مقام کے حصول کے لئے نبرد آزما ہیں۔جس کا نتیجہ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسی قوانین سازی ہو رہی ہے جس میں پہلے کی نسبت زیادہ بہتر آزادیاں مہیا کی گئی ہیں اور گواہی کے حوالے سے تو خواتین اور مردوں کی مساوات کو بھی تسلیم کر لیا گیا ہے۔اسلامی تاریخ کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہو کہ مذہبی مکاتب فکر کی سعی اور ''مذہبی آراء میں تقلید کے رجحان نے اجتہاد کی روح کی بری طرح متاثر کیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کی شہادت پر شکوک وشبہات کے سائے گہرے ہوتے گئے۔ابن قیم نے ان شکوک وشبہات کو حتی الامکان کم کرنے کی کوشش کی اور ان کی شہادت کو ہر لحاظ سے معتبر قرار دیا۔لیکن نقار خانے میں طوطی کی یہ آواز اس قدر نحیف تھی کہ بے اثر رہی۔''(2)

پاکستانی معاشرہ جو کہ اکثریتی مسلمان معاشرہ ہے، میں بھی اسلامی قوانین سازی کے حوالے سے مختلف ادوار میں اقدامات ہوتے رہے ہیں۔خصوصاً خواتین کے مسائل کے حوالے سے قوانین سازی، مثلاً نکاح، طلاق، حدود، شہادت وغیرہ کے معاملات۔اس سلسلے میں علماء اکرام کے نقطۂ ہائے نظر کی روشنی میں بعض قانون بنائے گئے۔لیکن عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے ان پر کافی اعتراضات ہوئے اور بعض قوانین جو کہ فرسودہ ہو چکے ان میں تبدیلی کر کے ان کو بہتر بنایا گیا۔آئندہ صفحات میں پاکستانی معاشرہ میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے ہونے والی قانون سازی کے بارے میں اقدامات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

فصل اوّل:

پاکستانی معاشرے میں اسلامی قانون سازی:

''اسلام کا شرعی قانون تقریباً تیرہ سو سال تک نسلاً بعد نسل کروڑوں اہل ایمان کی زندگیوں میں نافذ رہا ہے اور یہ صرف چودھویں صدی ہجری (بیسویں صدی عیسویں) کی بات ہے کہ مسلمانان عالم مغرب کی سامراجی طاقتوں سے مغلوب ہوئے اور زندگی کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر بدلا۔نقطۂ نظر کی یہ تبدیلی مسلمانوں کے قانونی تصورات میں تبدیلی کا سبب بنی یہاں تک کہ آہستہ آہستہ تقریباً تمام مسلمان ممالک میں الہامی قانون کی جگہ لادینی

قانون نے لے لی اور بالآخر مسلم معاشرے کا پورا سماجی اور اخلاقی ڈھانچہ اس تبدیلی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا ۔آزادی برصغیر پاکستان وھند کے بعد بجا طور پر توقع کی جاتی تھی کہ پاکستان کے نوزائیدہ اسلامی ریاست میں یہ طرز عمل بدل جائیگا ۔لیکن اس کے برعکس ہوا یہ کہ ہمارا نقطۂ نظر پہلے سے زیادہ مغربی ہوگیا۔''(3)

لیکن پھر بھی اسلامائزیشن کے حوالے سے اقدامات ہوتے رہے۔

''آئین پاکستان ۱۹۶۲ کے آرٹیکل ۲۰۴ (1) الف اور ۱۹۷۳ء کے موجودہ آئین آرٹیکل ۲۳۰ (لادینی) کے تحت اسلامی نظریاتی کونسل کو یہ فریضہ سونپا گیا کہ وہ تمام موجودہ قوانین کا جائزہ اس نقطۂ نظر سے لے کہ انہیں کس طرح قرآن مجید اور سنتِ رسول ﷺ میں بیان کردہ اسلامی احکام کے مطابق از سر نو مدون کیا جا سکتا ہے کونسل اپنی اس آئینی ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے ان تمام قوانین کا جائزہ لے رہی ہے ۔جو اس وقت ملک میں نافذ العمل ہیں، کونسل کے مدون کردہ قوانین حدود حکومت نے بعض تبدیلیوں کے ساتھ ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء کو نافذ کر دیئے تھے اور اس کے ساتھ ہی مجموعہ تعزیرات پاکستان ۱۸۶۰ کی متعلقہ غیر اسلامی دفعات بھی منسوخ کر دی گئی تھیں ۔اسی طرح کونسل نے قانون قصاص و دیت کا مسودہ قانون تیار کر کے اس سفارش کے ساتھ حکومت کی خدمت میں پیش کر دیا ہے کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان مجریہ ۱۸۶۰ کی دیگر متعلقہ دفعات منسوخ کر دی جائیں ۔ کونسل نے حق شفعہ کے متعلق بھی ایک نیا مسودہ قانون تیار کر کے حکومت کو بھیج دیا ہے ۔کونسل ان کے علاوہ بھی متعدد قوانین کا جائزہ لیکر ان کے متعلق ضروری سفارشات حکومت کو پیش کر چکی ہے ۔''(4)

نظریاتی کونسل نے قوانین شہادت کا بھی جائزہ لیا۔''اور فیصلہ کیا کہ قرآن وسنت کے بیان کردہ اسلامی احکام کے مطابق ایک نیا قانون شہادت مدون کیا جائے جس پر قدیم مسلمان علماء اور فقہاء نے بڑی محنت اور کدوکاوش کی ہے اور جسے پوری امت مسلمہ نہایت قدر و قیمت احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

تاہم اس معاملے میں ماہرین کے درمیان اختلاف رائے بھی پایا جاتا ہے ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ ۱۸۷۲ کے موجودہ شہادت ایکٹ میں ضروری ترامیم سے وہ مقصد پورا ہو جائے گا جو ہمارے سامنے درآنجالیکہ اس کا اطلاق قوانین حدود پر نہ کیا جائے جبکہ دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ زیر عمل شہادت ایک میں ترمیمات سے کوئی مفید مقصد پورا نہ ہوگا ۔اسلامی نظریاتی کونسل دوسرے نقطۂ نظر کی حامی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ مناسب ہوگا کہ شہادت کا ایک جامع

اسلامی قانون مدون کیا جائے جس کا اطلاق تمام عدالتی کاروائیوں پر ہو، خواہ وہ دیوانی ہوں یا فوجداری اور خواہ ان کی سزا کوئی حد ہو نا قصاص یا تعزیر۔ یہ طریق کار جدید قانون سازی کے اصولوں سے بھی ہم آہنگ ہوگا۔''(5)

پاکستانی معاشرے میں ہونے والی کوششیں جو اسلامائزیشن کی طرف ہونے والی پیش رفت قرار دی جاتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب تک مکمل طور پر پورے نظام کو تبدیل نہ کرلیا جائے فقط ایک شعبے کے اندر تبدیلی پیدا کر کے مثبت نتائج حاصل نہیں کئے جا سکتے۔ گواہی کے حوالے سے خواتین کے مقام اور حیثیت کے تناظر میں ہونے والی کاوشیں یا دیگر حقوق کے حوالے سے قوانین سازی کی حیثیت کیا ہوگی جبکہ نوے فیصد معاشرتی رویوں اور قوانین میں خواتین کی کوئی اہمیت اور سماجیات میں کسی کردار کو تسلیم کرنے کی سوچ تک موجود نہیں ہے۔ اور پھر المیہ یہ ہے کہ نوے فیصد کی ذہنی ترجمانی کے لئے فقہا یا مقننین نے بھی قوانین کے ذریعے خواتین کو اپنے حقوق سے محروم رکھا ہے۔

اب اگر کل نظام کی عادلانہ تبدیلی ہو اور زندگی کے ہر شعبہ میں خواتین کو انسان سمجھ کر اسے تمام حقوق بلا روک وٹوک عطا ہوں۔ اور اسی عادلانہ فکر کی روشنی میں قانون سازی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ معاشرے میں خواتین کی قانونی حیثیت بحال ہو سکے۔ کیونکہ اس سے عام معاشرے میں خواتین پر اعتماد بحال ہو سکے گا۔ اور خاص طور پر خواتین کی شہادت کے حوالے سے ان پر اعتماد کیا جا سکے گا۔ اور سماجی زندگی کے جملہ معاملات میں ان کی رائے کو اہمیت ملے گی۔

لیکن اجتماعی طور پر ظالمانہ معاشرے میں قانون سازی بھی اسی نوعیت کی ہوتی ہے۔ اور مزید ایسے قانون وجود میں آتے ہیں۔ جو مزید معاشرے کا استحصال کرتے ہیں یہی رویہ خواتین کے حقوق کے حوالے سے سامنے آ رہا ہے۔ اب ضروری ہے کہ کل خرابی کو پہلے دور کرنے کی کوشش ہو۔ جزوی تبدیلی کے اثرات اس وقت نکل سکتے ہیں جب کلی نظام عدل کی روح کے ساتھ نافذ العمل ہو۔

(الف) عورت کی حیثیت بحیثیت گواہ:

''تقسیم سے قبل ہندوستان میں لاء آف ایویڈنس (قانون شہادت) ۱۸۷۲ کا اطلاق ہوتا تھا۔ مرد اور عورت

کی گواہی میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا تھا پاکستان میں خواتین کی گواہی سے محروم رکھنے یا ان پر پابندی کرنے کی کوئی تحریک موجود نہیں تھی ۔

۱۹۸۴ء میں قانون شہادت آرڈر ۱۹۸۴ء (۱۸) کا نفاذ ہوا اور اس نے ایویڈنس ایکٹ ۱۹۷۲ (۱۹) کی جگہ لے لی ۔ یہ آرڈی نینس مارشل لاء حکومت نے نافذ کیا جس کا بظاہر یہ مقصد تھا کہ قوانین شہادت کو یکجا کر کے ان میں اسطرح ترامیم کی جائیں کہ وہ قرآن وسنت کے احکام کے مطابق ہو جائیں ۔ اگرچہ اس آرڈیننس میں ایویڈنس ایکٹ کی بیشتر شقوں کو شامل کرلیا گیا ۔ تاہم متعدد دفعات کو نئے انداز میں مرتب کیا گیا اور ان کے نمبر شمار مقرر کیئے گئے ۔ پاکستان میں قانون شہادت میں چند نمایاں ترامیم بھی کی گئیں ۔

مثلاً سیکشن ۳ میں کہا گیا ہے ۔

''ہر شخص کو شہادت دینے کا حق حاصل ہے جب تک عدالت یہ رائے نہ دے کہ وہ اس لائق نہیں ہے کہ اس سے جو سوالات کیئے جائیں گے ۔ انہیں وہ سمجھ نہیں سکے گا یا ان سوالات کے معقول جواب نہیں دے سکتا اس لئے کہ اس کی عمر بہت کم ہے ۔ وہ بہت ضعیف ہے وہ ذھنی یا جسمانی لحاظ سے مریض ہے یا اسی طرح کی کسی معذوری میں مبتلا ہے ۔''

حدود کے نفاذ یا کسی مالی یا مستقبل کی ذمہ داری سے متعلق خصوصی قوانین کی متعلقہ شقوں کے علاوہ معاہدہ کو تحریر میں لایا جائے گا ۔ جس کی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں توثیق کرینگے، تا کہ اگر ایک بھول جائے اور دوسری اسے یاد دلا دے ۔ اور شہادت اسی کے مطابق عمل پذیر ہوگی اور دیگر معاملات میں ایک مرد یا ایک عورت کی شہادت کو عدالت تسلیم کرے گی یا اس پر عمل پیرا ہوگی ۔''(6)

مذکورہ بالا سیکشن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ 'سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲ پر مبنی ہے جو حقیقتاً آیت کا یکسر غلط تفسیر ہے، آیت شریفہ میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ذکر ہے لیکن یہ صرف مالی معاملات کے لئے ہے اور ایک مرد اور دو عورتوں کا حوالہ لازمی نہیں ہے ۔ یہ بطور مشورہ ہے ۔ الطبری، البقرطبی اور چند دیگر مفسرین کا کہنا ہے کہ آیت میں بیان کردہ اصول بطور مشورہ ہے لازمی نہیں ہے اسی آیت میں یہ بھی حکم ہے کہ قرض کے بارے میں تحریر ہونی چاہئے اس آیت کے ایک حصے کو جس کا تعلق قرض سے ہے لازمی نہیں قرار دیا گیا ہے تاہم اس ضمن میں زبانی

شہادت قانوناً قابل قبول بھی ہے اور تسلیم بھی کی جاتی ہے ۔اس طرح اس امر کا کوئی جواز نہیں بنتا کہ یہ سفارشیں شامل کی جائیں کہ مالی یا مستقبل کی ذمہ داریوں سے متعلق تحریری دستاویزات کی ''دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں'' توثیق کریں گی ۔اس تشریح سے ان خواتین کی حیثیت مجروح ہوتی ہے ۔جو انتظامی محکموں اور بینکوں میں کام کرتی ہیں وکیل ہیں اور جج ہیں کیونکہ اکثر اوقات انہیں اپنے کلرکوں اور چپڑاسیوں سے ان دستاویزات کی توثیق کرانی پڑتی ہے جو انہوں نے تیار کئے ہیں ۔یہ ۱۸۷۲ء کے ایویڈینس ایکٹ کی دفعہ ۱۸ کی طرح ہے ۔اس سیکشن کے تازہ ترین اضافہ میں یہ کہا گیا ہے کہ گواہی کے حق کو عدالت قرآن وسنت کے احکام کی روشنی میں طے کرے گی ۔اور جہاں ایسا گواہ موجود نہیں ہوگا عدالت دستیاب گواہوں کی شہادت حاصل کرے گی ۔

پاکستان کی سینکڑوں عدالتوں کو اس طرح گواہوں کے حق شہادت کے تعین کا مجاز بنانے سے اور متعدد عدالتوں کو اس اجازت دینے سے کہ وہ طے کریں کہ گواہ کے لئے گواہی کا حق قرآن وسنت کے مطابق ہے یا نہیں ۔گواہوں کے حقوق پر بری طرح زد پڑتی ہے، قانون سازوں نے ایسی تشریحات سے گریز کیا ہے ۔''(7)

ایک طرف تو قوانین کی تدوین کے ذریعے خواتین گواہان کے لئے کوئی خاص حیثیت متعین نہیں ہو رہی ہے اور دوسری طرف معاشرے میں گواہ خواتین کے لئے کسی قسم کی کوئی سہولت میسر نہیں ۔خواتین گواہوں کی مشکلات کے بارے میں ایڈووکیٹ مرینہ پروین چوھدری بیان کرتی ہیں ۔

''ماتحت عدالتوں میں مختلف امور کے سلسلے میں آنے والی خواتین کو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے خواتین کے بیٹھنے کے لئے مناسب جگہ نہیں ہوتی ۔بعض خواتین کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے کس عدالت میں پیش ہونا ہے ۔ دور دراز سے آنے والی خواتین مختلف افراد سے متعلقہ عدالت کے بارے میں معلوم کرتے ہوئے بعض اوقات ٹاؤٹ قسم کے افراد کے ہتھے چڑھ جاتی ہیں جو ان سے کسی نہ کسی بہانے رقم بٹور لیتے ہیں ۔مخالف وکیل خاتون گواہ سے اس طرح جرح کرتے ہیں جیسے خاتون گواہ کے بجائے ملزم ہے اس کے علاوہ اپنا وکیل بھی یہ کوشش کرتا ہے کہ خاتون وہی بیان دے جو وہ چاہتا ہے ۔بعض وکیل خاتون گواہ کو عدالت کے سامنے حقائق بیان کرنے سے روکتے ہیں کہ اس طرح ان کا کیس کمزور ہو جائے گا ۔عدالتوں میں خاتون گواہوں کا ہی نہیں بلکہ خواتین وکلاء کی حفاظت کا کوئی خاص انتظام نہیں ہوتا اس لئے اکثر خواتین اس سے گھبراتی ہیں ۔اس لئے ضرور

ت اس امر کہ عدالتوں میں گواہی کے لئے آنے والی خواتین کو ایک معزز شہری کی طرح بیٹھے بیان دینے اور محفوظ طریقے سے گھروں تک پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔کیونکہ بعض مجرم فطرت کے لوگ خواتین کو گواہی دینے پر نقصان پہنچانے کی دھمکی دے کر انصاف کے راستے میں اوڑے اٹکانے کی کوشش کرتے ہیں۔''(8)

پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل نے قوانین شہادت کے حوالے سے مختلف سفارشات مختلف اوقات میں مرتب کیں۔شہادت ایکٹ ۱۹۷۲ء کی منسوخی کے لئے درج ذیل وجوھات بیان کیں۔

''الف۔قانونی وجوہ:

اسلامی قانون شہادت کی حسب ذیل امتیازی خصوصیات ہیں۔

۱۔ گواہوں کا عادل ہونا اوران کا تزکیہ۔

۲۔ مدعی کے خود گواہ نہ ہونے اور کسی امر یا واقعہ کو ثابت کرنے کے لئے کم ازکم تعداد گواھان کا تعین (نصاب)۔

۳۔ گواہ کی مقبولیت ونامقبولیت کی مخصوص شرائط۔

۴۔ فیصلے سے پہلے اور فیصلے یا تعمیل کے بعد گواہ کو اپنی شہادت سے رجوع کر لینے کی صورت میں فریقین مقدمہ اور گواہ پر اثرات۔

۵۔ حدیث رسول ﷺ الھنبه علی المدعی و الیمن علی من انکره کے اصول کی رو سے حلف اور حلف سے انکار کے اثرات۔

۶۔ تواتر کے خلاف اور محض انکار دعویٰ کے حق میں شہادت پیش کرنے کی اجازت نہ ہونا۔

۷۔ قسامت کا قاعدہ۔

۸۔ ادائے شہادت کی بعض مخصوص شرائط۔

۹۔ ترتیب بیانات،فریقین وگواہاں،عدالتی سوالات اور جرح کا محدود اختیار۔

۱۰۔ شہادت علی الشہادت۔

۱۱۔ ترجیح بینات (اولیت) کے قواعد۔

ان خصوصیات کا موجودہ شہادت ایکٹ مجریہ ۱۸۷۲ء میں کوئی اہتمام نہیں۔علاوہ ازیں مروجہ شہادت ایکٹ خود' موجودہ پاکستانی معاشرہ میں نا قابل عمل ہو رہا ہے۔چنانچہ شہادت ایکٹ ۱۸۷۲ء کو اس کی پیچیدگی، مقدمات میں تاخیر، انصاف رسانی میں رکاوٹ اور بعض دیگر نقائص کے پیش نظر ملک میں رائج متعدد قوانین کے تحت عدالتی کاروائیوں کو شہادت ایکٹ ۱۸۷۲ء کے اطلاق سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔مثلاً

۱۔ فیملی کورٹس ایکٹ کے تحت مقدمات۔

۲۔ رینٹ کنٹرول ایکٹ کے مقدمات۔

۳۔ لیبر قوانین کے تحت مقدمات۔

۴۔ سٹیلمنٹ قوانین کے تحت مقدمات۔

۵۔ فیملی لاء آرڈیننس ۱۹۶۱ء کے تحت مقدمات۔

۶۔ مصالحتی، عدالتوں کے قوانین کے تحت مقدمات۔

۷۔ غنڈہ ایکٹ کے تحت مقدمات۔

۸۔ عدالت ھائے عالیہ کے خصوصی اختیار وسماعت کے تحت اجرائے پروانہ Writ کے مقدمات۔

۹۔ سپریم کورٹ کے براہ راست اختیار وسماعت کے تحت مقدمات۔

۱۰۔ بعض مقامی اور خصوصی قوانین کے تحت عدالتوں میں دائر کئے جانے والے مقدمات۔''(9)

اسلامی نظریاتی کونسل نے قوانین شہادت کی منسوخی کے لئے جو تجاویز دیں ان میں ایک وجہ جذباتی وجوہ بھی قرار دی۔تفصیل ملاحظہ ہو۔

ب۔جذباتی وجہ:

مروجہ قانون شہادت کی کلیتہً منسوخی اور اس کی جگہ اسلامی قانون شہادت کی تنقید کا مسئلہ جذباتی نہیں بلکہ نظریاتی ہے۔دین اسلام کی محبت، جو ہم سب میں مشترک ہے اس بات کی متقاضی ہے کہ مروجہ قانون شہادت ترکیب اور ہیت میں اسلام کی روح اور تقاضوں کے منافی ہے۔۱۸۷۲ء شہادت ایکٹ کے ترتیب وتدوین کے وقت انگریزوں کے پیش نظر یہ امر ہرگز نہ تھا کہ شہادت کے سلسلے میں اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کیا ہیں۔بلکہ

انہوں نے یہ قانون اپنی ذات آراء اور قومی مصلحتوں کو ملحوظ رکھ کر غلام ہندوستانیوں کے لئے نافذ کیا تھا۔اب اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اگر ہم مسلمانوں کے لئے اسلامی قانون شہادت نافذ کرنا چاہتے ہیں جو خدا وراس کے رسول ﷺ کے احکام کی بنیاد پر ہو اور جس قانون میں ہر جزء مرتب کرتے وقت یہ بات ملحوظ ہو کر اللہ تعالی نے قرآن مجید میں کیا ارشاد فرمایا ہے۔اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس بارے میں کیا رہنمائی فرمائی ہے اور خدا اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کو جاننے والے کتاب وسنت کے شارحین اور ائمہ مجتہدین نے کیا فرمایا ہے تو ایسا مجموعہ ہی صرف اسلامی قانون شہادت ہوسکتا ہے۔اسلام کے نقطۂ نظر سے شہادت کا قانون محض ایک ضابطہ کار نہیں ہے بلکہ اسے اسلامی نظام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے جس کے بغیر ملک میں اسلامی نظام عدل قائم نہیں ہو سکتا۔اسلئے انگریزوں کے دور کا مرتب کردہ شہادت ایکٹ یکسر ترک کر کے کتاب وسنت کا قانون شہادت نافذ کرنا ضروری ہے۔''(10)

نظریاتی کونسل کی سفارشات اور تجاویز کی کیا حیثیت ہے اس کی مثال گذشتہ کئی سالوں کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے۔ایک طرف تو عصری تقاضوں کو درست انداز سے نہ سمجھنا اور روایتی انداز سے قانون سازی کی سفارشات کرنا ایک مسئلہ ہے اور دوسری طرف نظریاتی کونسل جیسا ادارہ ایک ایسا غیر مؤثر ادارے کے طور پر سامنے آیا ہے۔جس کی رپورٹیں فقط لائبریریوں کی زینت بن کر رہ گئی ہیں۔اس سلسلے میں قانون کے ڈھانچے میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں پیدا ہوسکی۔اور نہ ہی حکومت مشینری اسلامی نظریاتی کونسل کے اقدامات کو تحفظ فراہم کرتے ہوئے ان کو سو فیصد عمل میں لانے کا اقدام کرنے کی زحمت گوارہ کرتی ہے۔

خواتین کی شہادت کے حوالے سے بھی یہ ہی صورتحال نظر آتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں ''خواتین کے لئے انسانی حقوق کے حصول کی خاطر قانونی اصلاحات میں سیاسی و مذہبی تنازعات بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔متضاد آراء اور دعاوی سے اصلاح کا کام رک جاتا ہے،مذھبی تنازعات نے تین گروہ پیدا کر دیئے ہیں۔مذہب کے نام پر قائم سیاسی جماعتیں ان برائے نام مذہبی قوانین کے ترویج واشاعت میں مصروف ہیں۔جسکی بنیاد اسلام کی صدیوں پرانی غلط تاویلات اور تشریحات پر رکھی گئی ہیں اور خواتین کی انجمنیں،دانشور اور پیشہ ور افراد شامل ہیں۔وہ زمانے کے تقاضے کے مطابق اسلام کی تشریح کے لئے آواز بلند کررہے ہیں تاکہ

خواتین بے جا پابندیوں سے آزاد ہو کر تغیر پذیر معاشرتی و معاشی زندگی کے دھارے میں شامل ہوں ۔اسلامی قوانین کو تاریخ کے غلط تصورات سے نجات دی جائے جنھوں نے مساوات وعدل کے مقاصد اور معیار کر گرد آلود کر رکھا ہے ۔ایسے بھی افراد ہیں جو قانون کو مذہبی احکام و روایات سے مکمل آزاد کر کے لا مذہبی اصولوں پر استوار کرنے کی تشہیر کرتے ہیں ۔ پاکستان میں اس وقت جو قوانین نافذ ہیں ان پر اسلامی قوانین حاوی نہیں ہیں ۔ قوانین کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کے عمل سے اسلامی اصولوں کی پاکیزگی واضح نہیں ہوئی ہے ۔اس کے برخلاف ان کی بنیاد صدیوں قدیم غلط تصریحات پر قائم ہے ۔اسلامی عدل و مساوات کے اصول ان قوانین میں گم ہو چکے ہیں ان قوانین اور ان تاویلات نے قرآن کریم کے احکام کو بالکل ہی ختم کر دیا ہے ۔ پاکستان میں عدل و مساوات کے اصولوں کی بالادستی کے دوبارہ قیام کے لئے متحدہ جراءت مندانہ اقدام لازمی ہیں ۔''(11)

اگر اس طرح کے اقدامات نہ کئے گئے تو خواتین جو کہ معاشرے کا ایک اہم حصہ ہیں ۔غیر فعالت کا شکار ہو کر معاشرے کے اجتماعی زوال کا باعث بنے گی ۔اور تشکیل و تعبیر معاشرہ کے عمل میں ان کا کردار ختم ہو کر رہ جائے گا۔عدل وانصاف کے قیام کے لئے اقدامات اجتماعی تحریک کی صورت میں ہوں تو پھر نمایاں تبدیلی آسکتی ہے جزوی اور معمولی اقدامات کی خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے ۔

یہ ذمہ داری زندگی کے جملہ شعبہ جات میں کام کرنے والے ہر فرد کی ہے، کہ وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں خواتین کے حقوق اور حقیقی انصاف کے لئے اس طرح آواز بلند کرے کہ معاشرے میں ان کی حیثیت اور مقام نمایاں ہو اور وہ اجتماعی تہذیبی و تمدنی ترقی میں اہم کردار ادا کرنے کے قابل ہو جائے ۔

اسلامی قوانین کے نفاذ کے حوالے سے جو کاوشیں ہو رہی ہیں ان کا شعوری نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ''اسلام کے Situational Law کے بارے میں استدلال بھی کافی مبہم نظر آتا ہے ۔ ایک طرف تو ہم قرآن کو خدا کی طرف سے الہامی ھدایت مانتے ہیں جو آنے والے سب زمانوں کے لئے سچ ہے ۔لیکن جب اس کے اطلاق کا سوال آتا ہے تو ہم کہتے ہیں یہ قانون حجاز یا دوسری جگہوں کے ان پڑھ مرد عورتوں کے لئے تھا۔اس استدلال سے پریشانی ہوئی ہے کہ کیونکہ اس طریقے سے تو آپ کسی بھی قانونی شرط کی توجیہ کر سکتے ہیں ۔ ہر شخص کو اپنے سے ایک سوال ضرور پوچھنا چاہئے کہ اگر کوئی فرد قرآن کو خدائی کتاب سمجھتا ہے جس میں

انسانوں کے لئے حتمی ہدایات موجود ہیں پھر اسے اس نور کی پیروی ضرور کرنی چاہئے ۔ اسے ماہرین عمرانیات یا مغرب و مشرق کے دوسرے لوگوں کی گواہی قبول نہیں کرنی چاہئے ۔قرآن کہتا ہے کہ معاہدے کو تحریری شکل میں لاؤ۔ وہ تحریری دستاویز کو نہیں مانتے وہ اس کی تائید میں زبانی گواہی چاہتے ہیں ایک جب قرآنی احکام کے مطابق کوئی دستاویز تحریر میں آ گئی ہے اس کے بعد زبانی گواہی کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے۔''(12)

اگر عالمی اسلامی معاشرے کا جائزہ لیا جائے تو ہر جگہ صورتحال اسی نوعیت کی نظر آتی ہے ۔ایک طرف جدید دور کے نئے تقاضے اور دوسری طرف قدیم روایتی تصورات اور ان کی روشنی میں قرآنی آیات کی تفسیر و تشریح ۔ اب ایک طرح کا انتشار ذھنی حقیقی عدل و انصاف کے راستے میں رکاوٹ بن کر رہ گیا ہے قانون سازوں میں اختلافات و تضادات عروج پر ہیں ۔اگر پاکستان کے علاوہ دیگر معاشروں کا جائزہ لیا جائے مثلاً

''ملائیشیا بھی ہماری طرح مشکلات میں پھنسا ہوا ہے علماء تاریخ سے بندھے ہے جدیدیت پسند خود سے بے گانہ ہیں اور اسی سے یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔''(13)

اور اسی طرح جائزہ لیا جائے تو ''پاکستان کے قوانین قرآنی شرائط کے آئینہ دار نہیں ہیں، یہ تو اسلامی قانونی تجارت کے طریقوں اور حیثیت کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتاتے ۔ پاکستان کے اس قانون میں ترمیم کی ضرورت ہے اس سلسلے میں دائرہ کردہ ایک عرضداشت سپریم کورٹ میں زیر التوا ہے ایک حالیہ کیس میں وفاقی شرعی عدالت نے قرار دیا ہے کہ حدود کے مقدمات میں بھی عورت کی گواہی کو قابل قبول سمجھا جائے گا ۔لیکن سنگساری کی سزا روایتی شہادت ہی پر دی جا سکے گی ۔ یہ معاملہ بھی سپریم کورٹ میں زیر التوا ہے، استدلال یہ تھا کہ سنگساری کی سزا اسلامی سزا نہیں ہے۔''(14)

اور اسی طرح دیگر قوانین جن میں شادی کی رجسٹریشن وغیرہ شامل ہے کی صورت میں یہ ہے کہ ''پاکستان میں شادی کی رجسٹریشن ضروری ہے لیکن اگر رجسٹریشن کرائی جائے تو شادی ناجائز نہیں ہوتی ۔شادی کے اہم ترین مراسم میں تجویز، قبولیت اور مقررہ مہر شامل ہیں ۔ان مراسم کا ایک مرد اور دو عورتوں یا دو مردوں کی

موجودگی میں ادا ہونا ضروری ہے ۔شادی کی تکمیل کے لئے یہ مراسم ضروری ہیں ۔اگر پاکستان کی کسی عدالت میں رجسٹریشن کی دستاویز پیش کی جائے لیکن یہ ثابت کر دیا جائے کہ شادی کے مراسم ایک مرد اور دو عورتوں یا دو مردوں کی موجودگی میں ادا نہیں کئے گئے تو کیا شادی جائز ہوگی ۔وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ ایسی شادی کے حق میں فیصلہ دے چکے ہیں ۔''(15)

قانون شہادت مجریہ ۱۹۸۴ء کے تحت خواتین کی شہادت کی اہلیت ونصاب کو اس طرح بیان کیا گیا ہے ۔

''آرٹیکل ۱۷ کی جز (الف) مالیاتی یا آئندہ وجوب سے متعلق معاملات میں اگر ان کو ضبط تحریر میں لایا جائے ،دستاویز پر دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہوگی تا کہ ضروری ہو ایک دوسری کی یاددھانی کرا سکے اور شہادت مجبہ پیش کی جائے گی ۔

(ب) تمام دیگر معاملات میں عدالت ایک مرد یا ایک عورت ایسی دیگر شہادت قبول کر سکے گی یا اس پر عمل کر سکے گی جس طرح کہ مقدمہ کے حالات تقاضہ کریں ۔''(16)

''یہ آئینی مسئلہ ابھی حل طلب ہے کہ مارشل لاء کے قوانین واحکامات کی عدالتی جانچ پڑتال ممکن ہے کہ نہیں ۔ تاہم یہ امر عیاں ہے کہ اگر تمام شہریوں کو مساوات قانون کی ضمانت دینے والی دستور کی دفعہ ۲۵ اور قومی زندگی کے تمام حلقوں میں عورتوں کی بھر پور شرکت کی ضمانت دینے والی دفعہ ۳۴ کا ذرہ بھر بھی کوئی مفہوم ہے تو ان دستوری ضمانتوں کی واضح خلاف ورزی کرنے والے حکم نامہ شہادت کی امتیازی شقوں کی منسوخی ضروری ہو جاتی ہے ۔''(17)

مروجہ قانون شہادت میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے یہ تصور کہ وہ بھول سکتی ہیں ،اور اس طرح اس کی حیثیت مردوں کے مقابلے کمتر ظاہر کی گئی ہے ۔لہٰذا پاکستانی معاشرے میں ''خواتین وکلاء اور خواتین انجمنوں نے حکم نامہ شہادت کے تعارف کے خلاف بھر پور احتجاج کیا بلکہ آئینی ماہرین وکالت ایک سبکدوش جج اور دوسرے قانون دان نے بھی اسی قانون کے اثرات پر کڑی تنقید کی ۔ایک نقاد کا کہنا ہے کہ''

کوئی عورت بڑی اچھی یاداشت کی مالک ہو سکتی ہے ۔وہ شہادت دینے کے لئے بیشتر مردوں سے زیادہ اہل ہو سکتی ہے ۔ تاہم پھر بھی اسے اس لئے نا اہل قرار دیا جائے ،کہ وہ عورت ہے ۔یہ نئی قانونی جدت طرازیاں نہ

صرف عقل سلیم اور معقولیت کی کسوٹیوں سے متضاد ہیں بلکہ آئینی اعتبار سے ناقص ہیں۔''(18)

پاکستان میں قانون شہادت کے حوالے سے امتیازی سلوک موجود ہے۔

''قانون شہادت آرڈیننس ۱۹۸۴ء کے سیکشن ۱۷ میں عورتوں سے امتیازی سلوک برتا گیا ہے۔اس میں تحریر ہے کہ ''کسی شخص کے گواہی دینے کے حق اور کسی معاملے میں گواہوں کی تعداد کا تعین عدالتیں قرآن وسنت کے احکامات کی روشنی میں کرینگی۔اس سے قانون کی نظر میں مساویانہ حق کی خلاف ورزی ہوئی ہے اور خواتین اس امتیازی سلوک کے خلاف احتجاج کررہی ہیں۔عدالتیں خواتین کی شہادتیں تسلیم کررہی ہیں اور ایسے مقدمات کی نظیر دستیاب نہیں ہے جس میں عورت کی گواہی کو کسی عدالتی فیصلے میں چیلنج کیا گیا ہو۔حدود کے چاروں آرڈیننسوں میں بھی خواتین سے امتیازی سلوک کیا گیا ہے۔حدود کے تحت سزا کے لئے خواتین کی شہادت قابل قبول نہیں ہے۔

''(19)

''حدود آرڈیننس عورت کے خلاف امتیازی قوانین میں سب سے پہلے آتا ہے اور آج بے شار عورتیں اس قانون کے تحت جیلوں میں بند ہیں۔اس قانون کی آڑ میں کسی عورت سے انتقام لینے کے لئے اسے زنا کے جعلی مقدمے میں پھنسا دیا جاتا ہے اس میں

سابقہ شوہر، والدین، بھائی سب شامل ہوتے ہیں۔''(20)

''سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ زنا اور زنا بالجبر میں کوئی تمیز نہیں رکھی گئی اسلامی حد کے تحت سزا دینے کے لئے عورت کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔حتیٰ کہ زنا بالجبر کا نشانہ بننے والی عورت کی گواہی بھی، اگر کسی کیس میں زنا بالجبر کا الزام ثابت ہو جائے تو بڑی سزا نہیں دی جاسکتی۔''(21)

اور اسی طرح ''۱۹۷۹ میں ضابطہ تعزیرات کو مقدمات بنانے کا کام اور بالخصوص حرام کاری اور زنا کے نتائج کے حامل تھے حرام کاری یا زنا کے جرم کے لئے چار بالغ مسلمان مردوں کی عینی گواہی ضروری تھی اور دونوں صورتوں میں عورتوں کی گواہی کو خارج کردیا گیا۔اس طرح مردوں کو زنا کا مرتکب قرار دینے والی عورتیں یا حاملہ ہو جانے والی عورتیں حرام کاری کی سزا کی مستوجب ہیں جبکہ عدم شہادت کی بناء پر مرد سزا سے بچ جاتے ہیں۔''

(22)

''اور اسی طرح حدود آرڈیننس کی بھینٹ چڑھنے والی خواتین کی یہ صورتحال بھی ہے کہ اس وقت سینکڑوں خواتین پاکستانی جیلوں میں بند ہیں جو زنا بالجبر کے دعوے کے ساتھ عدالت میں آئی تھیں مگر جب وہ عدالت کے اطمینان کے مطابق اپنا کیس ثابت نہ کرسکیں ۔تو الٹا انہی پر ریاست کی طرف سے یہ موقف اختیار کر کے مقدمہ دائر کیا گیا کہ اس عورت کا حمل تو بہر حال اس کا ثبوت ہے کہ وہ زناء میں ملوث ہوئی ہے اب اگر زنا یا زنا بالجبر نہیں ہوا تو زنا بالرضاء ہوا ہے اس لئے عورت مجرم ہے یہ دلیل صحیح نہیں ہے ۔''(23)

''آئین کی رو سے پاکستان میں خواتین کو برابری کا درجہ حاصل ہے لیکن یہ محض کاغذوں تک ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے ۔جس میں واضح طور پر یہ موجود ہے کہ جنس کی بنیاد پر کسی شہری سے امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جائے گا۔ لیکن اگر ہم حالات کو بغور دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ عورت کے ساتھ امتیازی سلوک صرف معاشرتی روایات اور سماجی رویوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ کچھ ایسے قوانین میں عورت کو امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا گیا ہے ۔اس لئے کہ قانون سازاداروں میں عورتوں کی شمولیت نہ ہونے کے برابر ہے ۔عورتوں سے متعلق جو قوانین بنائے جاتے ہیں وہ عورتوں کی شمولیت اور مشاورت کے بغیر بنا کر ان پر لاگو کر دیئے جاتے ہیں اور ان سے کسی طرح کا صلاح مشورہ بنالیا جاتا ۔اسلامی نظریاتی کونسل میں بھی خواتین کی نمائندگی کو ممکن بنانے کے لئے کوئی دستوری تحفظ موجود نہیں ہے ۔اسی طرح وفاقی شرعی عدالت بھی ایک دستوری ادارہ ہے جو جنرل ضیاء الحق نے بنایا اور پارلیمنٹ سے بالا ادارے کی حیثیت رکھتا ہے ۔اس عدالت کو ملک میں رائج قوانین کو اسلام کے خلاف قرار دینے کا اختیار حاصل ہے اور وہ اس میں تبدیلی کا حکم بھی جاری کرسکتی ہے تا کہ اسے اسلام کے مطابق بنایا جائے ۔''(24)

نتیجہ بحث:

گذشتہ تمام تر بحث کا خلاصہ یہ سامنے آیا کہ پاکستانی معاشرے میں خواتین کی گواہی کے حوالے سے قوانین سازی کا عمل نہ صرف سست روی کا شکار رہے بلکہ قوانین سازی کی جو کاوشیں ہوئیں ہیں وہ بھی عصری تقاضوں کی تکمیل کے حوالے سے تشنگی کا شکار نظر آتی ہیں ۔اگر چکہ ہمارے ہاں قوانین کے حوالے سے اداروں کو وجود میں لایا گیا ۔مثلاً پارلیمنٹ جو قوانین سازی کے حوالے سے بڑا اور اہم ادارہ ہے اس نے بھی مختلف ادوار میں خواتین کے حقوق، مقام اور حیثیت کے تناظر میں کوئی حوصلہ افزاء کردار ادا نہیں کیا ۔ بلکہ المیہ یہ ہے کہ یہ ادارہ خود

بحرانوں سے دوچار رہا، اور اس وجہ سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ نیز اس کے اراکین کی اکثریت مرد حضرات کی ہے اور انہوں نے قابل التفات نہیں جانا کہ وہ خواتین کے حقوق کے حوالے سے قوانین پر نظر ثانی کریں یا اور میں ترمیم وتبدیلی پیدا کریں۔

اس کے علاوہ نظریاتی کونسل کا بھی کوئی مؤثر کردار نظر نہیں آتا، اس کی وجہ سے اس ادارے کی حیثیت ہے جو کہ دیگر قانون سازی اداروں کے مقابلے میں عمل درآمد کی قوت سے محرومی یک وجہ سے وجود میں آئی۔ یہ ادارہ فقط رپورٹیں اور تجزیے اور تجاویز شائع کرنے کی حد تک محدود ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ''موجودہ دور جو کہ قرون اولیٰ سے معاشرتی لحاظ سے بالکل مختلف ہے ہم اس سے اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم اس دور کی معاشرتی ضروریات اور تغیرات کو پیش نظر رکھے ہوئے درپیش مسائل کا اسلامی حل بیان کریں۔ یہ ذمہ داری اس دور کے علماء پر عائد ہوتی ہے کہ وہ آج کی دنیا کو یہ بتائیں کہ ان مسائل میں جو کہ قرآن اور سنت کی نص قطعی سے ثابت ہیں اور ان مسائل کی حقیقت میں کیا فرق ہے جو کہ پانچویں صدی ہجری کے بعد سے آج تک تقلید محض کے اس دور میں صدیوں سے جوں کے توں مانے جارہے ہیں۔''(25)

اور پھر اس کے بعد قوانین سازی کرنے والے ادارے اسی تصور کو لیکر آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ فرسودہ دستور اور قوانین کو ختم کر کے نئے اور جاندار اور مثبت قوانین کا اجراء ہو۔ تقلید کی بجائے عقلیت اور عصری شعور کو بنیاد بنایا جائے، اندھی تقلید نہ صرف سماجی زندگی کے اجتماعی زوال کا باعث بنتی ہے کہ بلکہ وہ ذہنوں سے حقیقی شعور وآگہی چھین لیتی ہے۔ افراد معاشرہ فقط چند رسومات سے متعلق ہو کر ترقی کا انکار کر بیٹھتے ہیں اور صدیوں پہلے کی رسومات کو اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں۔ اور اسی ذہنیت کی بنیاد پر قوانین کی تشکیل میں کوشاں ہوتا ہے جسے دیگر معاملات کے ساتھ ساتھ اگر دیکھا جائے تو۔

''عورت کی گواہی کا مسئلہ بھی کچھ ایسی نوعیت کا ہے کہ اس دور کی معاشرت کو سامنے رکھتے ہوئے متقدمین نے جو آراء بیان کی ہیں وہ بالکل درست ہیں۔ لیکن اب جب کہ ساری دنیا کے طور اطوار بالکل بدل چکے ہیں سائنس ترقی کر چکی ہے۔ معاشرتی لحاظ سے عورتیں بدل چکی ہیں ان مقام ومنزلت بدل چکی ہے اب ضرورت ہے کہ نصوص کی روشنی میں موجودہ معاشرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے عورت کی گواہی کے مسئلہ کا حل تلاش کیا جائے ایسا

کرنے سے اسلام کا کوئی نقصان نہیں ہوگا اس کو کسی قسم کی زک نہیں پہنچے گی بلکہ ہم اپنے آج کے مسائل اسلام کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق حل کرنے کے زیادہ مجاز ہو جائیں گے۔''(26)

عورت کی شہادت کے حوالے سے عصری تقاضوں اور مذہبی حوالے سے بیان کردہ افکار و آراء کی حقیقت اور عصر حاضر میں درست طرز عمل کے حوالے سے روشنی ڈالتے ہوئے ایک دانشور سعید محمد انور رقم طراز ہیں۔

''علماء متقدمین نے دین نہیں سمجھایا یہ کہ اگر کسی مسئلہ پر ان سب علماء کی ایک جیسی رائے ہے تو بھی اس دور کے علماء کے لئے یہ بات بہت مشکل بلکہ ناممکن کے قریب ہوگی کہ ان اکابر کی آراء سے اختلاف کیا جائے کیونکہ یہی وہ روش چراغ ہیں جنہوں نے شجر اسلام کی جڑوں میں اپنا خون سینچ کر اس پروان چڑھایا ہے۔ اور ویسے بھی خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ کے کلیہ کے تحت یہ ہم لوگوں سے زیادہ متقی اور اللہ کے قریب تھے اور دین کے معاملہ میں زیادہ راست باز تھے گو اجتہاد کا راستہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔''(27)

مزید لکھتے ہیں۔

''موجودہ دور میں جہاں زندگی کے ہر میدان کو علم کی روشنی نے منور کیا، مذہبی خیالات اور تصورات بھی اس روشنی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ کئی اہل علم نے مذہبی خیالات و افکار کی تشکیل جدید پر غور کرنا شروع کر دیا اس رجحان سے قانون شہادت متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور اس نے عورت کی شہادت کو نئے سرے سے تشکیل دینے کی ضرورت کا احساس دلایا۔ اس سلسلے میں کئی اہل علم نے قلم اٹھایا ترقی کے شدید رجحان سے متاثر ہوئے اور انہوں نے اسی حوالے سے گفتگو کی۔ لیکن انہوں نے قرآن وسنت اور فقہی دلائل کو نظر انداز کیا لہٰذا ان کی تحریریں اھل علم کو متاثر نہ کر سکیں۔ جن اہل علم نے فقہ اسلامی کے دلائل کی مدد سے عورت کی شہادت کے اعتبار کو اجاگر کیا۔''(28)

خواتین کی شہادت کے حوالے سے اجتہادی طرز عمل کو اپنانے کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''عورت کی گواہی کا مسئلہ ایک اجتہادی مسئلہ رہا ہے اور اس امر کی وضاحت تاریخی شواہد سے ہوتی ہے کہ یہ مسئلہ نہ صرف اجتہادی نوعیت کا ہے بلکہ اکثر اس کا فیصلہ زیر بحث معاملہ کے مخصوص حالات اور واقعات کو پیش نظر

رکھ کر بھی کیا جا تا رہا ہے ۔عورت کی گواہی سے متعلق چند پہلوؤں پر تو قرآن کی اور سنت کی واضح نصوص موجود ہیں لیکن ان نصوص سے فروعی مسائل کے استنباط میں علماء میں اختلاف ہے یوں یہ بات درست ہوگی کہ اس مسئلہ کا کوئی واضح اور متفق حکم موجود نہیں ۔''(29)

(ب) عورت کی گواہی بحیثیت جج:

''عورت پیچیدہ یا متنازعہ مسائل میں عدل وانصاف کرنے کی صلاحیت ابتداء ہی سے رکھتی ہے، آثاری اور تحریری تاریخ میں اس کے شواہد پائے جاتے ہیں ۔عورت فطری طور پر اشتراکیت پسند ہے اور اشتراکیت خود ایک طرح انصاف کی ایک قسم ہے ۔بچوں کے درمیان انصاف کے فرائض آج بھی عورت ہی انجام دیتی ہے ۔پورے مادری دور میں قبیلہ کی سربراہ عورت ہی مردوں کے درمیان بھی عدل وانصاف قائم رکھتی تھی اور مرد وعورت یا مردوں کے درمیان وہی فیصلے کرتی تھی اور اس کے حکم پر بے چون وچرا ن عمل کیا تھا ۔قدیم عراق سے آثار میں دستیاب شدہ مٹی کی تختیوں پر تحریری ادب سے ایک نام ''نن شی'' نامی عورت کا ملتا ہے ۔جو اندازاً چار ہزار سال قبل مسیح اپنی قوم وقبیلہ میں انصاف کے فرائض ادا کرتی تھی ۔ہر سال کے شروع یعنی موسم بہار میں دور دراز سے لوگ انصاف کرانے اس کے پاس آتے تھے ۔میسوپوٹیما میں آباد لاگاش نامی شہر کے مضافات میں اس کی رہائش تھی ۔وہ انسانوں میں جبر وتشدد کو روکتی اور باہمی تنازعات میں عدل وانصاف کی روشنی میں صلح کرانے کی کوشش کرتی تھی ۔ایک اور عورت ندایا نامی لین دین کے تنازعات حساب میں مہارت کی بنیاد پر طے کرتی تھی ۔ایک اور نام فن گل کا ہے، یہ اپنی قوم کی باقاعدہ قاضی تھی ۔اور لوگوں کے درمیان واقع ہونے والے تنازعات کو بڑی خوش اسلوبی سے طے کرانے میں شہرت رکھتی تھی ۔اس کے بعد جب مرد نے مادری نظام پر قبضہ کرلیا تو عورت سے یہ تمام مناصب مردوں کی طرف منتقل ہوگئے ۔اور عورتوں کو اس منصب سے متعلق نااہل سمجھا جانے لگا، پدری نظام کے دوران بھی ہر زمانہ میں ایسی عورتوں کے نام تاریخ میں ملتے ہیں جو عدل وانصاف کرنے میں شہرت رکھتی تھیں ۔اور مرد دور دراز کا فاصلہ طے کرکے ان کے پاس فیصلہ کرانے آتے تھے ۔بنی اسرائیل میں حضرت یوشع بن نون کے بعد زمانہ قضاۃ میں قاضی عورتوں کے نام بائبل میں مل جاتے ہیں ۔چنانچہ اندازاً گیارہ سو قبل مسیح کے دوران ''دبورہ'' نامی ایک عورت بنی اسرائیل کے قاضی رہی تھی اور بنی اسرائیل انصاف کے لئے اس کے پاس آیا

کرتے تھے (قضاۃ 4/4) ۶۰۰ قبل مسیح میں عرب قبائل میں قطبہ نامی عورت جو ''عرافہ'' کے نام سے شہرت رکھتی تھی عربوں کے درمیان اپنی عافادنہ قوت سے انصاف اور فیصلے کرتی تھی اور لوگ دور دراز سے چل کر اس کے پاس آنے لگے تھے۔ اس وقت عدل وانصاف اور متنازعہ معاملات میں فیصلے کرنا فریقین کے بیانات کے سامنے رکھ کر ذاتی عقل وفراست اور تجربہ و ذھانت پر منحصر تھا۔ لیکن پدری نظام میں جب تحریری قانون رائج ہوا، اور سزائیں مقرر کی گئیں تو فریقین کے مقابلہ میں غیر جانبدار گواہوں کو اہمیت حاصل ہوگئی اور صرف فریقین کے بیانات کو کافی نہیں سمجھا گیا۔ دوسری طرف منصب کے لئے تجربہ و ذھانت اور عقل وفراست کی جگہ قانونی تعلیم نے لے لی۔ یوں فیصلے کا انحصار گواہوں کے بیان تحریری دستاویزات اور دیگر شواہد کا پابند بنا دیا گیا۔ اور چونکہ عورت پر تعلیم کے دروازے بند رہے اس لئے وہ منصب عدالت پر فائز نہ ہوسکی۔ ہاں جب عورت پر سے تعلیم کی پابندیاں اٹھالی گئیں تو عورت بھی قانونی تعلیم حاصل کرنے کے بعد منصف کے عہدہ پر فائز ہوتی رہی ہے بلکہ مسلمان عورتیں بھی وکیل اور جج رہی ہیں اور اب بھی ہیں۔''(30)

عورت کی حیثیت تاریخ کے مختلف مراحل طے کرتی ہوئی جب اسلامی دور میں داخل ہوئی تو شریعت اسلامیہ نے اس کی حیثیت کو کس انداز سے قابل احترام اور قابل اعتماد قرار دیا؟ اس سلسلے میں قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

''وَ مَن لَّم یَحکُم بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الکٰفِرُوْن ''(31)

ترجمہ۔''اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں''۔

''یہ خطاب یہود کے رؤساء اور علماء سوء سے ہے تورات کے احکام کے منکر ہو رہے تھے۔ ساتھ ہی اس پاداش کی بھی یاد دلاتی جا رہی ہے''اور جو کوئی (خواہ مرد ہو یا عورت) اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ کافر ہیں۔''(32)

گویا یہ آیت کریمہ اشارہ دیتی ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ دینے میں مرد اور عورت دونوں مکلّف ہیں اور ظاہر ہے کہ فیصلہ وہی کرتا ہے جس کے پاس فریقین اپنے اپنے تنازعات لے کر آتے ہیں یعنی وہ بحیثیت قاضی یا منصف اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

اس تناظر میں اگر قوانین سازی کا عمل ہو، اور قرآن حکیم کی روح کے مطابق مرد اور عورت کے اس حق کو مدنظر رکھا جائے کہ دونوں فیصلہ کر سکتے ہیں، تو پھر ہمارے معاشرے میں عورت کے جج بننے کے حوالے سے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔

قرآن حکیم مرد اور عورت کے منصف ہونے کے حوالے سے ایک دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرماتا ہے۔

"یا ایھاالذین اٰمنو کونو اقوامین بالقسط شھدآء للله ولو علی انفسکم او الوالدین و لاقربین ان یکس غنیا او فقیرا فاالله اولیٰ بھما قف فلا تتبعو الھویٰ ان تعدلو و ان تلو او تعرضو فان الله کان بم تعملون خبیرًا۔"(33)

ترجمہ۔''اے ایمان والو انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لئے سچی گواہی دو خواہ اس میں تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو خدا ان کا خیر خواہ ہے تو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔ اگر تم پیچدا ر شہادت دو گے یا شہادت سے بچنا چاہو گے تو جان لو خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔''

''اس آیت کریمہ میں ''اے ایمان والوں'' سے مراد مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ہیں اور یہ حکم کہ ''ایمان پر قائم رہو اور سچی گواہی دو'' مرد اور عورت دونوں کے لئے یکساں ہے اور یہ بھی حکم کہ ''تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر دنیا کو نہ چھوڑ دینا'' مسلمان مرد اور عورت دونوں کے لئے ہیں۔ عدل کو نہ چھوڑنے کا صاف مطلب ہے کہ جب تم فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو یہاں فیصلہ کرنے والا مرد بھی ہو سکتا ہے اور عورت بھی ہو سکتی ہے یہ حکم دونوں کے لئے مساوی ہے۔''(34)

اور اسی طرح قرآن حکیم کی یہ آیت بھی عورت اور مرد کی یکساں منصف یا قاضی ہونے اور گواہی کے اھل ہونے کے حوالے سے دلیل کے طور پر پیش کی جاتی ہے، ارشاد باری قرآنی ہے۔

"یا ایھاالذین اٰمنو اقوامین للله شھدآء بالقسط و لا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلو ۔ اعدلو ھو اقرب للتقویٰ و اتقوالله ان الله خبیر بما تعملون۔"(35)

ترجمہ۔ اے ایمان والو اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو، اور لوگوں کی دشمنی تم کو

اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔

''یہاں پر ''اے ایمان والو'' سے مراد مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں دونوں شامل ہیں دونوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ ''انصاف کی گواہی دو'' انصاف نہ چھوڑو۔ اور ''انصاف کیا کرو'' تفصیل میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں انتہائی سلیس زبان میں مومن مرد اور مومن عورت کو انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بات بھی آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ انصاف کرنے والا کون ہوتا ہے۔'' (36)

عدل وانصاف کے قیام کے لئے مرد وعورت کے درمیان کوئی تخصیص نہیں قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

'' و ان طآئفتٰن من المئومنین اقتتلو فا صلحو بینھما ۔'' (37)

ترجمہ۔ اور اگر دو گروہ مسلمانوں کے آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔

مولانا مودودی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''عربی زبان میں فرقہ بڑے گروہ کے لئے اور طائفہ چھوٹے گروہ کے لئے بولا جاتا ہے۔'' (38)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ حکم صرف مردوں کے لئے ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں لڑائی ہو جائے تو ان میں صلح کرایا کریں، یا پھر یہ حکم عام ہے۔ جس میں مردوں اور عورتوں کی کوئی قید نہیں رکھی گئی، مسلمانوں کے گروھوں یا طوائفوں میں مردوں اور عورتوں کا شامل ہونا لازمی ہے کیونکہ طائفہ میں بچے بوڑھے، جوان مرد اور عورتیں سب شامل ہیں۔ یہاں پر مومنوں کے دو گروھوں کے بارے میں کہا جا رہا ہے مومنوں میں مسلمان مرد اور عورتیں دونوں شامل ہوتے ہیں۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ مرد اور عورتیں دونوں گروہ کے حصہ ہوتے ہیں تو پھر دونوں کے لئے حکم دیا گیا ہے کہ لڑائی جھگڑے کی صورت میں صلح کرا دیا کریں۔ خواہ مرد صلح کرائے یا عورت کرائے، صلح کرانے والی ہستی یقیناً ایسی ہوگی یا ہونی چاہئے جسے فریقین منصف کی حیثیت سے تسلیم کریں اگر یہ بات درست ہے تو پھر عورت کے منصف ہونے میں کیا قباحت ہے اور کیا پابندی ہے۔ یہ تو اللہ کا حکم ہے کہ ''صلح کراؤ'' ہمیں اس کے دوسرے پہلو کو بھی دیکھنا چاہئے کہ اگر مسلمان عورتوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو کیا ان کے درمیان اس حکم ربانی کے تحت صلح نہیں کرائیں گے؟ اور یہ کہ مسلمان عورتوں کے ایک دو

متحارب گروہوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے صرف مرد حضرات کی ضرورت پڑے گی ۔ مسلمان عورتیں ان کے درمیان صلح کرانے کی اہل نہیں ہونگی ؟ اگر مسلمان عورتیں ان دو مسلمان عورتوں کے گروہوں کے جھگڑے کا فیصلہ کرسکتی ہیں تو پھر ان کو کون سے حکم کے تحت انصاف کرنے سے روکا جا سکتا ہے؟ اللہ کا حکم ہے کہ ''صلح کراؤ'' خواہ مرد ہو یا عورت دونوں پر اس حکم کی بجا آوری لازمی قرار کی گئی ہے ۔''(39)

''عورت جب حاملہ ہوتی ہے تو اس وقت بھی اسی قسم کی کیفیت اس پر طاری ہوتی ہے اس صورت میں اگر عورت گواہی دے تو ظاہر ہے کہ مزاج اگر درست نہ ہوگا تو گواہی اچھی نہ دے گی ۔ ان وجوھات سے عدالت میں بحث کے دوران میں مشکلات پیش آسکتی ہیں ۔''(40)

قاضی کا بیان بطور گواہ کن صورتوں میں قابل قبول ہے؟ اور خواتین کی گواہی جب وہ قاضی ہوں ۔ ان تفصیلات کا جائزہ پیش خدمت ہے کہ وہ کونسی صورتیں ہیں کہ جب قاضی بطور گواہ اپنا بیان ریکارڈ کروا سکتا ہے اور کیا خواتین اگر قاضی ہوں تو ان کے لئے کیا حدود ہیں؟

(ج) قاضی کا بیان بطور گواہ کے بارے میں یہ ہے کہ:

''معزولی کے بعد قاضی کا یہ بیان بغیر کسی ثبوت کے قبول نہیں کیا جائے گا کہ میں نے فلاں شخص کے حق میں فلاں فیصلہ کیا تھا ۔ اس لئے کہ اب معزولی کے بعد قاضی کو یہ اختیار نہیں رہا کہ کوئی حکم ازسرنو جاری کر سکے ۔ لہٰذا اس کا اقرار بھی (ایسے کسی معاملہ میں) خارج از اختیار ہوگا ۔ لیکن اگر وہ یہ بیان کرے کہ میں نے وقف کا مال فلاں جائز مصرف میں یا فلاں تعمیری کام میں صرف کیا تھا اور حالات بھی اس کی شہادت دیتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا گا تو قاضی کا بیان بغیر قسم کے قبول کرلیا جائے گا ۔ اور اگر وہ کسی شخص کے ہمراہ مل کر یہ بیان دے کہ میں نے فلاں معاملہ میں یہ فیصلہ کیا تھا تو بھی صحیح تر رائے یہ ہے کہ اس کو قبول نہیں کیا جائے گا ۔ اس لئے کہ یہ اس کے اپنے ہی فعل کی گواہی ہے ہاں اگر وہ یہ بیان دے کہ میری عدالت میں فلاں شخص نے یہ اقرار یا اعتراف کیا تھا تو یہ بیان قطعاً قابل قبول ہوگا ، اس لئے کہ یہ اس کے اپنے فعل کی گواہی نہیں ہے بلکہ ایک ایسے اقرار کی گواہی ہے کہ جو اس نے سنا ہے ۔''(41)

''اسی طرح اگر کوئی قاضی کسی دوسرے قانونی طور پر جائز قاضی کے جائز فیصلے کی گواہی دے اور اس فیصلہ کو

اپنے آپ سے منسوب نہ کرے تو اس کی یہ گواہی قابل قبول ہوگی ۔اگر قاضی اپنی معزولی سے قبل یہ گواہی دے کہ میں نے فلاں فلاں فیصلہ کیا تھا تو اس کی یہ گواہی (بلا کسی ثبوت کے) قابل قبول ہوگی ۔لیکن اگر وہ یہ گواہی اپنی علاقائی حدود اختیار سے باہر کہیں دے رہا ہو تو پھر اس کی وہی حیثیت ہوگی جو کسی معزول قاضی کی گواہی ہوتی ہے ۔''(42)

قاضی میں گواہ کی صفات پایا جانا ضروری ہے؟ ''اس کی وجہ یہ ہے کہ عدالتی فیصلوں کا سارا دارومدار شہادت اور گواہی پر ہی ہوتا ہے اس لئے کہ منصب قضاء اور گواہی دونوں کی حیثیت ایک ولایت (Authority) کی سی ہے ۔(فقہ کی اصطلاح میں ولایت سے مراد کسی شخص کی وہ حیثیت یا اختیار ہے جس کی بناء پر اس کی رائے دوسرے کسی شخص پر اس کی رضا کا لحاظ رکھے بغیر نافذ کی جا سکے)لہذا جو شخص گواہی کا اہل ہوگا وہ (دوسری ضروری شرائط کے ساتھ) قاضی بننے کا اہل ہوگا۔ جو شرائط گواہ کے لئے ضروری ہونگی وہی قاضی کے لئے بھی ضروری ہونگی ۔اس قاعدہ کے بموجب ایک فاسق شخص قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے ۔اور اگر اسے مقرر کر دیا جائے تو قانوناً اس کا تقرر درست ہوگا، تاہم مناسب نہیں کہ ایک فاسق کو قاضی مقرر کیا جائے اسی طرح قاضی کے لئے بھی مناسب نہیں کہ کسی فاسق کی گواہی قبول کرے، لیکن اگر قاضی نے کسی فاسق کی گواہی قبول کر لی تو ہمارے (حنفیوں کے) نزدیک وہ فیصلہ درست اور نافذ العمل ہوگا۔ (یعنی اگر قاضی کسی گواہ کی گواہی قبول کر لے اور اس کی بنیاد پر فیصلہ دے دے تو اس کے خلاف اپیل یا نظر ثانی کی درخواست کرنے کے لئے یہ وجہ کافی نہیں کہ اپیل کنندہ کی نظر میں وہ گواہ فاسق تھا)اگر قاضی عادل تھا اور بعد میں رشوت خوری کی عادت یا ایسے ہی دوسرے جرائم (مثلاً بدکاری، شراب خوری وغیرہ) کا مرتکب ہونیکی وجہ سے فاسق ہوگیا تو وہ ازخود منصب قضاء سے معزول تصور نہیں ہوگا۔ ھاں ایسے شخص کو معزول کر دیا جانا چاہئے ،حنفی مکتب فکر کی ظاہر الروایت کے بموجب یہی رائے ہے اور یہی ہمارے (احناف کے) مشائخ اور علماء (سمرقند، بخاری کے فقہاء) کی بھی رائے ہے ۔اس کے برعکس امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ جس طرح فاسق کی گواہی ان کے نزدیک بالکل قابل قبول نہیں اسی طرح فاسق کو قاضی مقرر کرنا بھی کسی صورت میں جائز نہیں ۔''(43)

(و) عورت بحیثیت قاضی او وکیل:

حنفی فقہ کی مستند کتاب ھدایہ کے مطابق ''عورت قاضی بن کر ہر معاملہ کی سماعت اور فیصلہ کرسکتی ہے بجز حدود اور قصاص کے مقدمات کے کہ ان کی سماعت خاتون جج نہیں کرسکتی ، جس طرح اس کی شہادت حدود و قصاص میں درست نہیں اسی طرح اس کا فیصلہ بھی درست نہیں ۔'' (44)

اور شافعی نقطۂ نظر کے مطابق منصب قضاء کے اھل درج ذیل نہیں ہو سکتے ۔

''یہ جائز نہیں کہ ان لوگوں میں سے کوئی قاضی سے

۱۔ غیر مسلم

۲۔ فاسق

۳۔ غلام،

۴۔ بچہ

۵۔ بے عقل اور غائب دماغ (اس لئے کہ جب ان میں سے کوئی گواہ بننے ہی کا اھل نہیں تو قاضی بننے کا اھل تو بطریق اولیٰ نہیں ہوسکتا)

۶۔ عورت (عورت اس لئے) کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جو اپنے سارے معاملات کسی عورت کے سپرد کر چھوڑیں ۔ نیز یہ کہ قاضی کو ہر وقت مردوں میں اٹھنا بیٹھنا پڑتا ہے ۔ فقہاء، قانون دان، گواہ ،مقدمہ کے فریق سبھی ہوتے ہیں ظاہر ہے کہ فتنہ کے خوف کے پیش نظر عورتوں کو ان سب لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے سے منع کر دیا گیا ہے ۔'' (45)

اور اسی طرح حنبلی نقطۂ نظر سے بھی شافعی نقطۂ نظر کے مطابق یہ ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے ۔ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جو اپنے معاملات ایک عورت کے سپرد کر دے پھر یہ کہ قاضی عدالت میں مرد اور مقدمہ کے فریق سبھی آتے ہیں ۔ اور ان سے نمٹنے کے لئے بڑی پختہ رائے ، کامل عقل اور رکاوت کی ضرورت ہے جب کہ عورتیں کم عقل اور خام رائے والی ہوتی ہیں ۔ وہ مردوں کی محفلوں میں نہیں آ جا سکتیں ، عورت کی گواہی بھی چاہے وہ ایک ہزار عورتیں ہوں کسی مرد کی موجودگی کے بغیر قابل قبول نہیں ۔ خود اللہ تعالی نے ان کو بھولنے اور

بھٹک جانے کی طرف تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ''اگر ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاددلا دے۔'' اس کے علاوہ عورت سربراہ مملکت اور صوبائی گورنر بننے کی بھی اہل نہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے آپ کے بعد خلفائے راشدین نے اور بعد کے حکمرانوں میں کسی نے نہ تو کسی عورت کو قاضی بنایا اور نہ کسی صوبہ کی سربراہی بخشی۔ جہاں تک ہمیں علم ہے کبھی ایسا نہیں ہوا، اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو یہ سارا زمانہ ایسی کسی مثال سے بالکل خالی نہ ہوتا۔''(46)

''اور مالکی نقطۂ نظر کے مطابق قاضی کی صفات میں ایک صفت مرد ہونا بھی ضروری ہے کوئی عورت یا ہیجڑا اور مخبث قاضی نہیں بن سکتے''(47)

مذکورہ بالا ائمہ کرام کے اقوال سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ عورت چونکہ اپنی حیثیت کے حوالے سے اس قابل نہیں سمجھی گئی کہ وہ گواہی دے سکے یا اس کی گواہی کو چند معاملات تک محدود رکھ کر اس کی حیثیت متعین کر دی گئی۔ لہٰذا ائمہ یہ کہتے ہیں کہ جو فرد گواہی کا اہل نہ ہو وہ جج بننے کا بھی اہل نہیں ہے۔ حالانکہ کہ گواہی کی نااہلیت بھی مقرر کرنے والے یہی مرد اہل دانش ہیں جنہوں نے عورت کی گواہی کو ناقص قرار دیا ہے۔ دراصل ۱۳ صدیاں پہلے کی خواتین جو کہ علم و حکمت اور تہذیب سے اس قدر آشنا نہ تھیں اور نہ ہی تعلیمی حوالے سے اس قابل تھیں کہ ان کی شہادتوں اور آراء پر مرد اعتبار کرتے چونکہ اس زمانے میں بھی ان کو ایک بے زبان مخلوق سے زیادہ حیثیت نہیں دی گئی۔ لہٰذا وہ ان تمام سماجی ذمہ داریوں سے بری الذمہ قرار دی گئی، اور ہمارے ائمہ نے اس ماحول اور حالات کے تناظر میں اپنی آراء کا اظہار کیا۔ حالانکہ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ''جس طرح عورت کے حکمران بننے کی مخالفت کی جاتی ہے اسی طرح عورت کے جج یا قاضی بننے کو بھی خلاف اسلام ہونے کے فتوے صادر کئے جاتے ہیں لیکن قرآن میں کہیں بھی عورت کے قاضی ہونے کو خلاف اسلام قرار نہیں دیا گیا۔''(48)

قاضی یا جج بننے کے حوالے سے علامہ کاسانی نے جو شرائط مرتب کی ہیں وہ ملاحظہ ہوں۔

۱۔ قاضی کے عدے کے لئے عاقل ہونا ضروری ہے۔

۲۔ بالغ ہونا ضروری ہے۔

۳۔ مسلمان ہونا ضروری ہے۔

۴۔ آزاد ہونا ضروری ہے، یعنی غلام نہ ہو۔

۵۔ قوت گویائی کا حامل ہونا ضروری ہے یعنی گونگا نہ ہو۔

۶۔ بدچلن اور سزا یافتہ نہ ہو۔"(49)

"قاضی بننے میں جو رکاوٹیں ہیں ان میں کسی انسان کا پاگل ہونا، بچہ ہونا، غلام ہونا، غیر مسلم ہونا اور بدچلنی کا الزام میں سزا یافتہ ہونے کا تذکرہ ملتا ہے یعنی جس انسان میں یہ خامیاں موجود ہوں وہ جج یا قاضی نہیں بن سکتا بصورت دیگر ہر مسلمان مرد و عورت جس میں قاضی بننے کی مندرجہ بالا اھلیت موجود ہو قاضی بن سکتا ہے۔ علامہ کاسانی نے قاضی کے عہدے پر فائز ہونے کے لئے مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں کی آپ لکھتے ہیں کہ مملکت کے اس اہم عہدے پر فائز ہونے کے لئے مرد ہونا شرط نہیں عورت بھی قاضی بن سکتی ہے۔"(50)

پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء کے مطابق کسی عورت کے جج یا قاضی بننے میں کوئی رکاوٹ نہیں جو خاتون ملکی قوانین اور اسلامی فقہ و شریعت کے قوانین سے پوری واقفیت رکھتی ہو اور وکالت کرتی ہے اور اگر میرٹ پر پورا اترے تو وہ جج کے عہدے پر فائز ہو سکتی ہے۔ پاکستان میں خواتین کو جج کے عہدے تفویض کرنے کے حوالے سے صورتحال یہ ہے کہ

"پاکستان عورتوں کو جج بننے سے کے بہت کم مواقع فراہم کئے جاتے ہیں پاکستان بننے کے بعد آج تک کسی عورت کو ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ پاکستان کا چیف جسٹس نہیں بنایا گیا۔ کیونکہ ایک اعلی با اختیار مرد نے کبھی نہیں چاھا کہ عورت کو اس عہدے پر آنے دیا جائے، جبکہ آئین اس کی اجازت دیتا ہے۔ اور اس کے چیف جسٹس بننے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اس وقت سپریم کورٹ آف پاکستان کے ججوں کی تعداد تیرہ ہے اور ان میں ایک بھی خاتون جج نہیں۔ سندھ ھائی کورٹ کے اٹھارہ جج صاحبان میں ایک خاتون محترمہ جسٹس ماجدہ رضوی کے ریٹائر ہو جانے کے بعد اب کوئی خاتون جج نہیں ہے۔ سرحد ھائی کورٹ کے بارہ میں صرف ایک خاتون جج ہیں جبکہ بلوچستان ھائی کورٹ میں کوئی خاتون جج نہیں۔ پورے پاکستان کی اعلی عدالتوں میں اس وقت صرف دو خواتین بطور جج تعینات ہیں۔"(51)

پاکستان کے چاروں صوبہ جات میں اور آزاد کشمیر کی ھائی کورٹس و سپریم کورٹس اور سیشن کورٹس میں جوڈیشل افسران اور جج صاحبان کے اعداد و شمار ملاحظہ ہوں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستانی معاشرے میں خواتین کو عدلیہ میں کس قدر شمولیت اعداد و شمار کا موقع مہیا کیا گیا ہے۔ ☆

ضمیمہ صفحہ نمبر:۲۸۱

کیا عورت اجتماعی زندگی میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکتی ہے؟ اور پھر اس تناظر میں شہادت دینے کی اھلیت اس کے اندر پیدا ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس نقطۂ کو زیر بحث لانے کا مقصد یہ ہے کہ عورت اجتماعی معاملات میں گواہی کی اھل قرار دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ سب سے پہلے ہم عورت کی اجتماعی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

''عورت کے فطری دائرہ سے باہر بہت سے ایسی سماجی و معاشرتی ذمہ داریاں جن کے بارے میں فقہاء نے صراحت کی ہے کہ وہ اس کو سونپی جاسکتی ہیں۔ علامہ ابن الہام حنفی لکھتے ہیں۔

ولیس فی الشرع سوی نقصان عقلها و معلوم انه لم یصل الی حد سلب و لا یتها بالکلیة الاتری الحفا تصلح شاهدة و نا ظلوة فی الاوقاف و وصیة علی الیتامی۔

''شریعت نے عورت کے متعلق صرف یہ کہا ہے کہ اس کی عقل ناقص ہے لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ اس کے اندر عقل کی کمی اس تک نہیں پہنچ گئی ہے کہ وہ کسی منصب کی اھل ہی نہ رہ گئی ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ وہ اوقاف کی نگران اور متولی ہوسکتی ہے اور اس کو یتیموں کی دیکھ بھال کی وصیت کی جاسکتی ہے۔

فقہ کی اس تصریح سے یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ عورت سماجی خدمات کی اھل ہے یہ تصریح کوئی قانونی کلیہ نہیں ہے۔ اس پر قیاس کر کے دوسری بہت سے معاشرتی ذمہ داریوں کا بار اس پر ڈالا جاسکتا ہے لیکن ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ فقہاء نے جو کچھ کہا ہے اس کی صلاحیتوں کے ضائع جانے کا اندیشہ ہے بلکہ ہوسکتا ہے اس کی غیر فطری سرگرمیوں معاشرہ کے لئے نقصان دہ اور ضرر رساں ثابت ہوں۔ ویسے بھی یہ انتہائی غیر دانشمندانہ فعل ہوگا کہ کسی شخص کو ایسے کسی کام کے کرنے کی دعوت دی جائے جس کے کرنے کی نہ تو اس میں طاقت ہو اور نہ وہ اس کے ذوق اور رجحان سے مناسبت رکھتا ہو۔'' (56)

''اجتماعی ذمہ داریوں کا براہ راست سماج اور معاشرہ مخاطب ہوتا ہے اور فرد پر یہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ھاں اگر کسی وقت کوئی سماجی خدمت اس کے لئے فرض عین کی حیثیت اختیار کر جائے تو وہ اس کے انجام دینے کے لئے شوہر کی مرضی کے خلاف گھر کی حدود چھوڑ سکتی ہے۔'' (57)

اجتماعی معاملات میں خواتین کی رائے خالص طور پر عدالت کے اندر ان کی گواہی اس وقت ہی ممکن ہوگی جب

اسے اجتماعی معاملات میں حصہ لینے اور عدالت تک رسائی کا موقع فراہم کیا جائے گا۔ کیونکہ امام نسائی سے روایت شدہ حدیث ''صون النساء عن مجلس الحکم''(عدالت گاہوں میں سے عورتوں کو بچانا)''(58)

۔اسی روایت کی روشنی میں علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی تحریر کرتے ہیں۔''و لا تکلف الحضور اللدعوی اذا کانت محدرۃ و لا للیمین بل یحضر الیھاالقاضشی او یبعث الیھا نائبہ یخلفھا بحضرۃ شاھدین''

''دعوی کے اثبات اور قسم کے لئے اس کو عدالت میں پیشی پر مجبور نہیں کیا جائے گا جبکہ وہ پردہ نشین ہو بلکہ قاضی خود اس کے پاس جائے گا یا اپنے کسی نائب کو بھیجے گا۔خود دو گواہوں کے سامنے اس سے قسم لے گا۔''(59)

اور اسی طرح ابن قاسم نے امام مالک سے دریافت کیا کہ اگر عورتوں سے قسم لینے کی ضرورت پیش آئے تو قسم کہاں لی جائے گی امام مالک نے جواب دیا۔

"امـا کل شئی لہ بال فالھن یحرجن فیہ الی المساجد فان کانت امراءۃ تخرج بالنھار اخـرجـت نھـارّا فـا خلفت فی المسجد و ان کانت ممن لا تخرج اخرجت لیلا فاحلفت فیـہ قال و ان کان الحق انما ھو شئیی یسیر لا بال لہ احلفت فی بیتھیا اذا کانت ممن لا تخرج و ارسل القاضی الیھا من یخلمھا لطالب الحق۔''

''معاملہ اگر اہم ہے تو (قسم لینے کیلئے)وہ مسجدوں میں لائی جاسکتی ہیں اگر ایسی عورت ہو جو دن میں نکلتی ہو تو دن میں اس کو نکالا جائے گا اور مسجد میں اس سے قسم لی جائے گی اگر وہ دن میں نہ نکلتی ہو تو رات میں اس کو مسجد لے جایا جائیگا۔اور قسم لی جائے گی، امام مالک نے کہا اگر کوئی معمولی حق ہو(اور وہ گھر سے باہر نکلنے کی عادی نہ ہو)تو گھر ہی میں قسم کھائی جائے گی اور قاضی اس کے پاس کسی ایسے آدمی کو بھیجے گا جو حق چاہنے والے کے لئے اس سے قسم لے گا۔''(60)

حضرت شاہ ولی اللہ کے نزدیک قاضی کے تقرر کے لئے مرد ہونا ضروری ہے۔'' عورت کسی صورت میں بھی اس عہدے پر فائز نہیں ہوسکتی، چاہے مملکت کی حیثیت کوئی بھی کیوں نہ ہو اور اس میں قابلیت کتنی بھی کیوں نہ ہو

اس کا زن ہونا شعبہ قضاۃ میں سب سے بڑی نا اھلیت ہے ۔'' (61)

عصر حاضر میں خواتین عدلیہ کے حوالے سے اپنی حیثیت منوانے کے لئے بھرپور جدوجہد بھی کر رہی ہیں اس کی ایک مثال

''مارچ سن ۲۰۰۰ کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ مصر کی ایک خاتون وکیل نے قاضی کے عہدہ کے لئے مقابلہ کے امتحان میں شرکت کی درخواست دی ہے تا کہ نکاح اور طلاق کے مقدمات میں فیصلہ کرنے کی اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل کر سکیں ۔ یہ ۳۸ سالہ امل عبدالغنی نامی مصر کی پہلی خاتون ہیں جنھوں نے اس عہدہ کے لئے درخواست دی ہے اور خود کو اس عہدہ کا حق دار ثابت کیا ہے ۔اس ایک خاتون کے مقابلہ پر تمام امیدوار مرد ہیں جن کی تعداد ۱۹ بتائی گئی ہے ۔ خاتون کا دعوی ہے کہ اسلام میں ایسی کوئی شق نہیں ہے جو عورت کو قاضی بننے سے روک سکے ۔'' (62) وفاقی شرعی عدالت میں عورت کی گواہی کے حوالے سے ایک مقدمہ پیش کیا گیا ۔جس کی تفصیل یہ ہے ۔

''۱۹۸۳ء میں وفاقی شرعی عدالت کے سامنے ایک رخواست دائر کی گئی جس میں عورتوں کی بحیثیت جج اور مجسٹریٹ تقرریوں کو چیلنج کیا گیا تھا ۔اس درخواست میں جو دلائل دیئے گئے تھے ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں ۔

۱۔ خاتون جج پردہ نہیں کرتیں اور یہ فعل غیر اسلامی ہے

۲۔ رسول مبارک ﷺ کے دور میں کسی عورت کو اس عہدہ پر مقرر نہیں کیا گیا تھا ۔

۳۔ اسلامی قوانین کے مطابق ''عورت کی گواہی مرد کی نسبت آدھی ہے اور وراثت میں اس کا حق اپنے بھائی کی نسبت آدھا ہے اور چنانچہ صرف دو عورتوں کا فیصلہ ہی مرد کے فیصلے کے مساوی ہو سکتا ہے ۔'' (63)

''خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے اس درخواست کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے خارج کر دیا اور یہ فیصلہ دیا کہ قرآن کے مطابق مرد اور عورت مساوی ہیں ۔ چنانچہ وہ خاتون ججوں کی تقرری پر کسی قسم کی پابندی یا شرط کو بے جواز سمجھتے ہیں ۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کچھ معاملات میں عورتوں کی گواہی کی اجازت نہیں ہے ۔عدالت نے کہا

''اس مؤقف کی حیثیت ایک فقہی رائے سے زیادہ کچھ نہیں کہ حدود اور قصاص میں عورت بطور گواہ پیش نہیں ہو سکتی۔ یہ رائے قرآن اور حدیث پر قائم نہیں، یہ رسول مبارک ﷺ کے کسی ایسے فیصلے پر بھی قائم نہیں جس میں انہوں نے ایسے معاملات میں عورتوں کی شہادت کو قبول کرنے سے انکار کردیا ہو۔''(64)

''ایران کے نئے قوانین عدالت میں عورت کی گواہی کو اس وقت تک تسلیم نہیں کرتے جب تک مرد اس کی تائید نہ کریں جو عورتیں گواہی دینے پر اصرار کرتی ہیں۔ انہیں (افشار کے مطابق) دروغ گو سمجھا جاتا ہے اور وہ دروغ گوئی پر سزا کی مستوجب ہوتی ہیں۔''(65)

فصل دوم:۔

پاکستان کے قوانین میں خواتین کی شہادت کے اصول وضوابط

عملی اقدامات اور تجاویز:

گذشتہ مباحث اور تفصیلات میں پاکستان میں ہونے والی قانونی کاوشوں کا تذکرہ ہوا جن کی روشنی میں خواتین کی شہادت کے حوالے سے جو صورتیں سامنے آئی ہیں۔ ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خواتین کی شہادت کے حوالے سے وہی روایتی طرز عمل اپنایا گیا ہے اور اس سلسلے میں عصری تبدیلیوں اور تقاضوں کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے۔ در اصل اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ خواتین کو اجتماعی طور پر جب تمام آزادیوں سے محروم رکھنے کا فلسفہ کارفرما ہو اور اسی ذہنیت کی بنیاد پر جب قانون سازی کا عمل ہوگا تو نتیجہ وہی ہوگا جو آج موجود ہے۔ ہمارے ہاں قانون سازی کا عمل جب شروع ہوتا ہے خصوصاً شرعی قوانین پر جب کا کا آغاز ہوتا ہے تو سب سے بڑی رکاوٹ مذہبی رجعت پسند طبقات کی طرف سے ہونے والا احتجاج اور طرز عمل ہے جس کی وجہ سے قانون ساز طبقہ ان کی مخالفت کی تاب نہیں لاسکتا اور ہمیشہ خائف رہ کر قانون سازی کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ مذہبی طبقہ بھی مطمئن ہو اور معاشرے کے دیگر افراد کی طرف سے حقوق کی آواز کا سدباب بھی ہو سکے۔ نتیجتاً وہ ان ہی روایتی تصورات اور نظریات کے مطابق نہیں لیپا پوتی کر کے جدید قانون کی سعی ناکام میں الجھا رہتا ہے۔ خواتین کی شہادت کے

حوالے سے قانون سازی کا عمل بھی اسی طرح کی رکاوٹوں کا شکار رہا۔اور خواتین کی حیثیت مردوں کے مقابلے میں کمتر ہی رہی ۔حالانکہ دیگر

اسلامی ممالک نے اس سلسلے میں اہم اقدامات کئے ہیں اور پرانی فرسودہ قدروں کی بجائے نئے اور جاندار انداز سے شرعی قوانین کی تدوین کر کے اسلام کو آج کے مذہب کے طور پر پیش کیا ہے مگر پاکستانی معاشرہ ابھی اس ذہنی فرسودگی سے نہیں نکل سکا۔ضرورت اس امر کی ہے کہ عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نصاب کے مطابق علماء شریعت کی تعلیم وتربیت کا انتظام ہو۔اسلام کے اصول عدل اور مساوات کے حوالے سے شعوری تربیت ہو اور پھر مرد اور عورت کے حوالے سے اسلام کا عادلانہ موقف سامنے لایا جائے اور زمانے کے تغیر و حالات کی تبدیلیوں کے عمل کا لحاظ رکھا جائے ۔

☆قوانین سازی کے لئے ایسے اہل علم کا انتخاب ہو جو عصری تقاضوں اور علوم کا ادراک رکھتے ہوں ۔

☆قرآنی علوم کی تفسیر زمانہ کی تبدیلی کے حوالے سے پیش کرنے کی کما حقہ استطاعت رکھتے ہوں ۔

☆بنیادی انسانی حقوق کا شعور رکھتے ہوں اور سچائی کے ساتھ اجتماعی عدل و انصاف کے قیام کے لئے مخلص ہوں ۔

☆عصری تبدیلیوں کے عمل کو مسلسل مشاہدہ کرنے اور اس سلسلے میں تدوین قوانین کے لئے مستقل بنیادوں پر ایک تحقیقی بورڈ کی ضرورت ہے ۔

☆اس سلسلے میں پاکستان کی عدلیہ اہم کردار ادا کر سکتی ہے ۔

☆سب سے اہم کردار قانون ساز ادارے کا ہے جس میں ایسے با شعور افراد ہوں جو ایسے قوانین پاس کریں جو خواتین کے لئے عدل و مساوات کے معاشرے کی تشکیل کا باعث بنیں ۔

☆مگر افسوس ہمارے قانون ساز اداروں کا حال اس حوالے سے قابل رحم ہے ۔فرسودہ قوانین پر قناعت کا رویہ عام ہے ان اداروں میں جانے والے افراد علمی فکری اور شعوری اعتبار سے اتنے قابل نہیں ہوتے کہ عصری تبدیلی کے ساتھ ساتھ قانون میں ترمیمات کرتے رہیں ۔اب اس تمام تر صورتحال کا تقاضہ یہ ہے کہ تمام قانون ساز

اداروں میں اجماعی تبدیلی لائی جائے اور ایک ہمہ گیر انقلاب کے ذریعہ اس پورے سٹ اپ کو تبدیل کیا جائے تب ہی کوئے امید کی جاسکتی ہے کہ اس معاشرے میں عام طور پر اور خصوصاً خواتین کے مقام اور حیثیت کے حوالے سے کوئی بہتری پیدا ہوگی۔
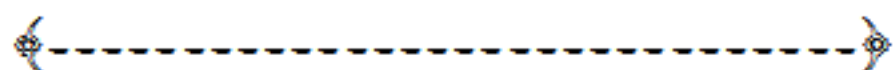
﴿حوالہ جات﴾

1۔اسلام میں عورت کی گواہی آدھی نہیں،محمد انور،سید،اسلام آباد،وحدت فاؤنڈیشن پاکستان ۱۹۹۶ء،ص۴ تا ۵

2۔ایضاً،ص ۵

3۔رپورٹ اسلامی نظریاتی کونسل،اسلام آباد،ادارہ تحقیقات اسلامی،ص۳،سن۱۹۸۴ء

4۔ایضاً،ص ۵

5۔ایضاً،ص ۵تا۶

6۔جدید دنیا میں اسلامی قوانین اور خواتین ۔بین الاقوامی کانفرنس جائنٹ فورم،(ترجمہ صدیق شبلی،ڈاکٹر،)(نظر ثانی رشید جالندھری،ڈاکٹر)اسلام آباد،باشتراک ویمن ڈیولپمنٹ فنڈ،۲۰۰۰ء،ص۵۲۲ تا ۵۲۳

7۔ایضاً،ص۵۲۳ تا ۵۲۴

8۔روزنامہ جنگ،کراچی،سنڈے میگزین،ص۲۳،۲۵جولائی ۲۰۰۴ء

9۔اسلامی نظریاتی کونسل،اسلام آباد،سالانہ رپورٹس،ص۶ تا ۷،۱۹۸۱ء۔۱۹۸۲ء

10۔ایضاً،ص ۸

11۔جدید دنیا میں اسلامی قوانین اور خواتین محولہ بالا،ص۵۳۴ تل ۵۳۵

12۔ایضاً،ص ۱۷۰

13۔ایضاً

14۔ایضاً

15۔ایضاً،ص ۱۷۷

16۔قانون شہادت،ثناءاللہ غوری،کراچی،مکتبہ فریدی،۲۰۰۱ء،ص ۳۷ تا ۳۸

17۔اسلام قانون اور مظلوم پاکستانی عورت،محبت حسین اعوان،کراچی،مکتبہ البخاری،۲۰۰۲ء،ص ۱۲۳

18۔ایضاً،ص۱۲۳ تا ۱۲۴

19۔جدید دنیا میں اسلامی قوانین اور خواتین،محولہ بالا،ص ۵۲۴

20۔عورت کا المیہ، فاخرہ تحریم، لاہور،تخلیقات،۱۹۹۹ء،ص ۱۳۲

21۔ایضاً

22۔عورت،جنسی تفریق اور اسلام،لیلیٰ احمد،لاہور،مشعل،۱۹۹۵ء،ص ۳۰۰

23۔اسلام عورت اور اسلام، ڈاکٹر محمد فاروق خان، ڈاکٹر رضوانہ فاروق،لاہور، دارالتذکیر،۲۰۰۴ء،ص ۱۹۴

24۔عورت کا المیہ، فاخرہ تحریم،محولہ بالا،ص ۱۲۹

25۔اسلام میں عورت کی گواہی آدھی نہیں،محمد انور سید،محولہ بالا،ص ۱۵۔

26۔ایضاً،ص ۱۷

27۔ایضاً،ص ۱۵ تا ۱۶

28۔ایضاً،ص ۵

29۔ایضاً،ص ۱۴ تا ۱۵

30۔مادر کائنات،سرکار زینی جارچوی، کراچی،شمع بک ایجنسی،۲۰۰۰ء،ص ۲۳۶

31۔۵:۲۴

32۔اسلام قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، طیب حسین اعوان،محولہ بالا،ص ۱۲۵

33۔القرآن ۴:۱۳۵

34۔اسلام قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، طیب حسین اعوان،محولہ بالا،ص ۱۲۵ تا ۱۲۶

35۔القرآن ۵:۸

36۔اسلام قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، طیب حسین اعوان،محولہ بالا،ص ۱۲۶

37۔القرآن،۴۹:۹

38۔تفہیم القرآن،مولانا مودودی سورہ حجرات آیت ۹

39۔اسلامی قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، طیب حسین اعوان،محولہ بالا،ص ۱۲۷

40۔منہاج سہ ماہی ،حصہ دوم،جلد۲،لاہور،شمارہ نمبر۳،ص ۱۶۷، جولائی ۱۹۸۴ء

41۔ادب القاضی،ترتیب وتدوین محمود احمد غازی،ترجمہ محمود احمد غازی،اسلام آباد،ادارہ تحقیقات اسلامی ۱۹۸۳ء،ص ۴۵۳

42۔ایضاً،ص ۴۵۳

43۔ھدایہ،کتاب ادب القاضی،دھلی،کتب خانہ رشیدیہ،۱۳۵۸ھ،جلد سوم،ص ۱۱۴ تا ۱۱۶

44۔ایضاً،ص ۱۲۵

45۔ادب القاضی،ترتیب وتدوین محمود احمد غازی،بحولہ بالا،ص ۴۲۹

46۔ایضاً،ص ۴۱۱

47۔ایضاً،ص ۴۰۸

48۔اسلام قانون اور مظلوم پاکستانی عورت،طیب حسین اعوان،بحولہ بالا،ص ۱۳۰

49۔بدائع الصائع،علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی،مطبوعہ قاھرہ،۱۹۱۰ء ،جلد ہفتم،ص ۳

50۔اسلام قانون اور مظلوم پاکستانی عورت،طیب حسین اعوان،بحولہ بالا،ص ۱۳۰ تا ۱۳۱

51۔ایضاً،ص ۱۳۲

52۔چٹھی نمبر ۱۴۸۳،مورخہ ۲۵ فروری ۲۰۰۰ء،رجسٹرار ھائی کورٹ پشاور

53۔چٹھی نمبر ۱۴۸۳،مورخہ ۲۴ فروری ۲۰۰۰ء،اسٹیٹ رجسٹرار لاہور،ھائی کورٹ

54۔چٹھی،مورخہ ۱۰ مارچ ۲۰۰۰،رجسٹرار ھائی کورٹ سندھ

55۔چٹھی نمبر ۱۷۷۳،مورخہ ۲۵ فروری ۲۰۰۰،رجسٹرار عدالت عالیہ آزاد جموں کشمیر مظفر آباد

56۔عورت اسلامی معاشرہ میں،سید جلال الدین عمری،لاہور،اسلامک پبلی کیشنز،۱۹۹۵ء،ص ۲۱۹

57۔ایضاً،ص ۲۲۶ تا ۲۲۷

58۔ایضاً ص ۳۳۴ تا ۳۳۵

59۔عورت اسلامی معاشرہ میں،سید جلال الدین عمری،بحولہ بالا،ص ۲۳۵

60۔ایضاً،ص ۲۳۵ تا ۲۳۶

61۔مشرق ومغرب کے سیاسی افکار،اصغر علی شاہ جعفری،سید،لاہور،نیو بک پیلس اردو بازار،س۔ن،ص ۵۰۷

62۔مادر کائنات،سرکار زینی جارچوی،محولہ بالا،ص ۲۴۱ تا ۲۴۲

63۔اسلام قانون اور مظلوم پاکستانی عورت،طیب حسین اعوان،محولہ بالا،ص ۱۲۴

64۔ایضاً،ص ۱۲۴

65۔عورت جنسی تفریق اور اسلام،لیلیٰ احمد،ترجمہ خلیل احمد،محولہ بالا،ص ۲۹۸
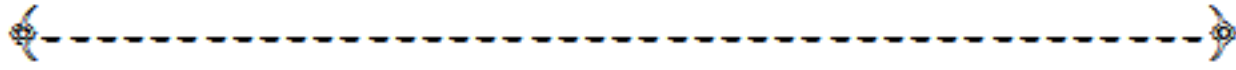
﴿اختتامیہ﴾

میں اپنے مقالہ ''عصر حاضر میں خواتین کی شہادت کی ضرورت اوران کا شرعی مقام'' میں موضوع کے حوالے سے مختلف پہلوؤں سے تحقیق وتقابل وتجزیہ پیش ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

شہادت ایک اہم ترین فریضہ ہے قرآن حکیم اورحدیث رسول ﷺ میں اس کو اہمیت دی گئی ہے۔ اسلامی قانون میں شہادت کو بنیادی درجہ حاصل ہے کسی بھی مقدمہ میں شہادت چاہے وہ زبانی ہو تحریری ہو یا قرائن اس کی اہمیت مسلم قرار دی گئی ہے۔ اسلام بحیثیت گواہ ایک مسلمان پر ذمہ داریاں عائد کرتا ہے اوراس کو سچائی کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام نے گواہ کے لئے شرائط مقرر کررکھی ہیں جن کا ''تعلق'' گواہ کے کردار واخلاقیات سے ہے، اگران پر پورا اترتا ہے تو اس کی گواہی قابل قبول ہے۔ قرآن حکیم میں لفظ شہادۃ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

خواتین کی شہادت کے حوالے سے ائمہ اربعہ کے نقطہ نظر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ:

☆ عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں نصف ہے۔

☆ عورت مخصوص معاملات میں جن کا تعلق عورتوں سے ہو تو گواہی دے سکتی ہیں اوراس سلسلے میں ان کی گواہی مکمل تسلیم ہوگی۔

☆ حدوزنا کے مقدمات میں عورت کی گواہی قابل قبول نہیں۔

☆ مالی معاملات میں عورت کی گواہی آدھی تسلیم کی گئی ہے۔

☆ عورت ہر معاملے میں جس کے بارے میں وہ سمجھ بوجھ سکتی ہے گواہی دے سکتی ہے۔

☆ گواہی کی تمام شرائط جس میں بالغ ہونا، عاقل ہونا اور کردار کے حوالے سے جو شرائط ہیں ان پر پورا اترنے والی خاتون گواہی دے سکتی ہے اوراس کی گواہی مرد کے برابر ہوگی۔

بعض مفکرین نے عصری تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے گذشتہ تصورات میں تبدیلی کے لئے اقدامات کئے ہیں اور یہ تجزیہ پیش کیا ہے کہ اسلام کے اولین دور کے تقاضے اوراس وقت کے سماج کی حالت ایسی تھی کہ خواتین تعلیمی امور سے محروم تھیں لہٰذا وہ اکیلے کسی امر کے بارے میں اتنی سمجھ بوجھ کی مالک نہ تھیں۔ اس لئے قرآن حکیم نے اس وقتی ضرورت کے تحت دوعورتوں کی گواہی کے وقت موجود رہنے کی تلقین کی ہے۔

تمام تر تجزیات اور مباحث کی روشنی میں یہ امر ثابت ہوا کہ اسلام کی عادلانہ روح مرد اور عورت میں تفریق کی قائل نہیں ۔البتہ ہر دور کے فقہاء کی آراء کو آخری فیصلہ کے طور پر عقیدہ کی طرح قبول کر لینے سے مسائل پیدا ہوئے ہیں ۔حالانکہ ہر دور اپنے ساتھ بے شمار تبدیلیاں لاتا ہے ۔اور قانون سازی میں تبدیلی آتی ہے ۔اب گذشتہ دور کے قوانین کو جدید دور میں لاگو کرنے کی اگر کوشش ہوگی تو اس کے درست نتائج نہیں نکلیں گے ۔لہٰذا ضروری ہے کہ ہر دور کے فقہاء کی جماعت عصری تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تدوین قانون کے عمل کو جاری رکھیں اور اسلام کی عادلانہ اصولی رہنمائی کی روشنی میں قوانین بنائیں ۔
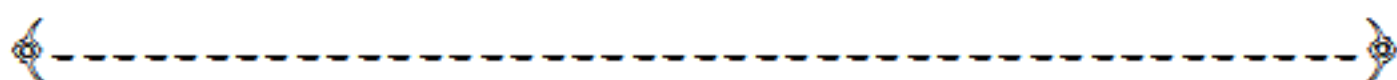
ضمیمہ:

پاکستان کے چاروں صوبہ جات میں اور آزاد کشمیر کی ھائی کورٹس، سپریم کورٹس اور سیشن کورٹس کے جوڈیشل افسران اور جج صاحبان کے اعداد و شمار ملاحظہ ہوں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستانی معاشرے میں خواتین کو عدلیہ میں کس قدر شمولیت کا موقع دیا گیا ہے۔

اعداد و شمار

نمبر شمار	نام صوبہ	اسامی نام	کل تعداد	مرد	عورتیں
۱	سرحد	جج ھائی کورٹ	۱۱	۱۰	۱
		رجسٹرار	۰۱	۰۱	ـ
		سیشن جج	۲۱	۲۱	ـ
		جوڈیشل مجسٹریٹ	۲۷	۲۶	۱
		سول جج	۱۳۲	۱۱۳	۱۰ (52)
۲۔	پنجاب	جج ھائی کورٹ	۴۰	۳۹	۱
		رجسٹرار	۱	۱	ـ
		سیشن جج	۸۱	۸۱	ـ
		ایڈیشنل سیشن جج	۱۹۹	۱۹۹	ـ
		سول جج	۴۳۸	۴۲۷	۱۱
		جوڈیشل مجسٹریٹ	۳۳	۳۳	ـ (53)
۳۔	سندھ	جج ھائی کورٹ	۲۰	۲۰	ـ
		رجسٹرار	۱	۱	ـ
		سیشن جج	۲۲	۱۶	۶
		ایڈیشنل سیشن جج	۸۹	۸۲	۷
		سول جج	۹۵	۷۸	۱۷
		جوڈیشل مجسٹریٹ	۱۱۹	۱۱۰	۹ (54)

نمبر شمار	نام صوبہ	اسامی نام	کل تعداد	مرد	عورتیں
۴۔	آزاد جموں کشمیر	جج ھائی کورٹ	۵	۵	۔
		رجسٹرار	۱	۱	۔
		سیشن جج	۷	۷	۔
		ایڈیشنل سیشن جج	۳	۳	۔
		سول جج	۳۲	۳۲	۔ (55)

کتابیات

۱۔ آیت اللہ سید محمد شیرازی، (مترجم، علامہ اختر عباس) **کتاب الحدود والتعزیرات**، لاہور، موسسۃ الرسول الاعظم ۱۴۰۴ء

۲۔ آزاد، مولانا ابوالکلام، **ترجمان القرآن**، اسلامی اکادمی، لاہور، ۱۹۸۲ء

۳۔ ابراہیم انیس ورفاقہ، **المعجم الوسیط**، طبع قاہرہ، الطبعۃ الثانیہ، ۱۹۸۲ء

۴۔ ابن تیمیۃ، **السیاسۃ الشرعیۃ**، کلام کمپنی، تیرتھ داس روڈ، کراچی، س ندارد

۵۔ ابن حجر عسقلانی شافی، **فتح الباری**، لاہور، دارنشر الکتب اسلامیہ۔ ۱۴۱۰ھ

۶۔ ابن حبان، ابوحاتم البستی، **صحیح ابن حبان**، تحقیق عبدالرحمٰن محمد عثمان، المکتبۃ السلفیۃ، مدینۃ المنورۃ، ۱۹۸۰ء

۷۔ ابن العربی المالکی، **شرح صحیح الترمذی**، المطبعۃ المصریہ بی الازھر، ۱۹۳۱ء، جلد ۶

۸۔ ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل دمشقی، **سیرت النبی** ﷺ، مترجم، ھدایت اللہ ندوی، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۹۹۶ء

۹۔ ابن کثیر، ابوالفداء، اسماعیل دمشقی **تفسیر ابن کثیر**، المکتبۃ الموسسۃ الریان، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۵ء

۱۰۔ ابن منظور، افریقی، **لسان العرب**، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۸ء

۱۱۔ ابن ھشام، **سیرت ابن ھشام** (اردو)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۶۲ء

۱۲۔ ابن منظور الافریقی ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم، **لسان العرب**، طبع بیروت، ۱۹۵۵ء جلد ۳،

۱۳۔ ابوبکر احمد بن علی حصاص رازی حنفی، **احکام القرآن**، سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۴۰۰ھ

۱۴۔ ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیھقی، **السنن الکبری**، دارالفکر، بیروت، (سن ندارد)

۱۵۔ ابوبکر علاؤالدین بن مسعود الکاسانی، **البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، لاہور،

مرکز تحقیق دیال سنگھ ۱۹۸۷ء
۱۶۔ ابواسحاق شیرازی شافعی دارالفکر، **المھذب**، بیروت، سن ندارد
۱۷۔ ابوالاعلیٰ مودودی، **تفہیم القرآن**؛ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۲ء
۱۸۔ ابوالاعلیٰ مودودی، **حقوق الزوجین**، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۲ء
۱۹۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، **تاریخ طبری**: نفیس اکیڈمی، کراچی: ۱۹۷۷ء
۲۰۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، **تفسیر جامع البیان**، الطبعہ الثالثہ، مصطفیٰ البابی، مصر: ۱۳۷۳ھ
۲۱۔ ابوداؤد سلیمان بن اشعث، **سنن ابی داؤد**، مطبع مجتبائی، لاہور: ۱۴۰۵ھ
۲۲۔ ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذی، **جامع الترمذی**، نور محمد کارخانہ کتب، کراچی: سن ندارد
۲۳۔ ابوعبدالرحمٰن، **سنن النسائی**؛ احمد بن اشعث السنائی کراچی: نور محمد کارخانہ کتب، سن ندارد
۲۴۔ ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی، **سنن الدارقطنی**؛ المطبع الفاروقی، دھلی (سن ندارد)
۲۵۔ ابوالحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، **صحیح مسلم بشرح النووی**؛ الیشابوری، بیروت: داراحیاء الثراث العربی، (سن ندارد)
۲۶۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی: **سنن ابوداؤد**، المکتبۃ الاثریہ، پاکستان، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۹۹ھ
۲۷۔ ابواسحاق شیرازی، بیروت، **المہذب**، مطبوعہ الفکر، س۔ن، جلد ۲۰، ص ۲۲۵
۲۸۔ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری، **لسان العرب**، نشر ادب الحوزۃ، قم ایران: ۱۴۰۵ھ
۲۹۔ ابومحمد علی بن احمد ابن حزم، **المحلی**، طبع قاہرہ، ۱۳۴۷ھ، جلد ۹۔
۳۰۔ اءبی ابراہیم اسمٰعیل بن یحیی المزنی الشافعی، **کتاب آلام، امام مصر**، بالمطبعۃ الکبریٰ الامیریہ، ۱۳۲۲ھ،
۳۱۔ ابی البرکات احمد بن محمد بن احمد االعلامہ، **الشرح الصغیر**، مصر، دارلمعارف، ۱۹۷۴ء، الجز الرالرابع
۳۲۔ ابی داؤد الحافظ المنذری، ابوسلیمان الخطابی معالم، **السنن بر حاشیہ مختصر سنن**، المصر، مکتبہ السنتہ المحمدیہ، س۔ن، ج ۵،

۴۳۔ احمد بن حنبل،**مسند احمد بن حنبل**، المکتب الاسلامی، بیروت، س۔ن

۳۴۔ احمد حسن، **حدود و تعزیرات**، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، رجب ۱۴۰۲ھ

۳۵۔ احمد علی سعید، سید، **اسلام اور عورت**، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۸۸۹ء

۳۶۔ احمد، شمس الدین، مولانا، **قانون شریعت کامل**، لاہور، رومی پبلیکیشنز، اُردو بازار، بار اوّل ۱۹۸۶ء

۳۷۔ احسن المسائل، کراچی، سعید اینڈ کمپنی، س۔ن، ص ۲۶۲

۳۸۔ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، **الدرایہ فی تخریج احادیث الہدا**، ملتان، شرکت علمیہ، س۔ن، کتاب الشھادات

۳۹۔ **اُردو انسائیکلو پیڈیا**، لاہور، فیروز سنز ۔ ۱۹۸۴ء

۴۰۔ ادارہ تحقیقات اسلامی، **اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد**، اپریل ۱۹۸۴ء

۴۱۔ اردو **دائرہ معارف اسلامیہ**، لاہور، زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۵ء، جلد ۱۱،

۴۲۔ اسلامی تعزیرات، **ضابطہ فوجداری بشمول زکوٰۃ عشر آرڈیننس**، کراچی، مکتبہ فریدیہ۔ ۱۹۸۱ء

۴۳۔ اصلاحی، امین احسن، **تدبر قرآن**، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۹ء

۴۴۔ اصلاحی، امین احسن، **اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام**، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۱۸ء

۴۵۔ اصغر علی شاہ جعفری، سید، **مشرق و مغرب کے سیاسی افکار**، لاہور، نیو بک پیلس اردو بازار، س۔ن

۴۶۔ البغوی، حسین بن مسعود، **شرح السنۃ**، مکتب الاسامی، بیروت، ۱۴۰۳۔۱۹۸۳ء

۴۷۔ الزبیدی السید محمد مرتضیٰ، **تاج العروس**، طبع بیروت، جلد دوم، ۱۹۶۶ء

۴۸۔ الجزیری، عبدالرحمٰن، **کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ**، دار الفکر، بیروت، لبنان: س ن وارد

۴۹۔ الرازی فخر الدین، **التفسیر الکبیر**، دار الکتب العلمیۃ، طہران، س ن

۵۰۔ الحاج مولوی فیروز الدین، **فیروز اللغات اردو**، لاہور، فیروز سنز، س۔ن۔، حصہ دوم،

۵۱۔ الطبری، ابی جعفر محمد بن جریر، **جامع البیان عن تاویل القرآن** (تفسیر طبری) دار السلام، القاھرہ، ۱۴۲۹۔۲۰۰۸م

۵۲۔ الغزالی، ابوحامد، **احیاء العلوم الدین**، دار الاحیاء الکتب العربیۃ، مصر، س ن

۵۳۔ الغزالی، ابو حامد، **مکاشفۃ القلوب**، دار الکتب العلیمۃ بیروت، ۱۹۹۲ء

۵۴۔ القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، **الجامع لاحکام القرآن** (تفسیر قرطبی)، مکتبۃ

۵۵۔ المقدسی محمد بن احمد بن قدامہ، **الشرح الکبیر علیٰ حاشیہ المغنی**، طبع مصر، ۱۳۲۴ھ، جلد ۷،

۵۶۔ النسائی، احمد بن شعیب، **سنن النسائی**، دار السلام، الریاض، ۱۹۹۹ء

۵۷۔ امام ابن قیم الجوزیہ، ترجمہ، پروفیسر طیب شاہین، **الطریق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیۃ**، ملتان،

۵۸۔ امام ابوعبدالرحمٰن الخلیل بن احمد الفراھندی، **کتاب العین**، ایران، دار الشجرۃ قم، ۱۴۰۵ھ، جلد ۳

۵۹۔ امام مسلم بن الحجاج، **الصحیح المسلم**، لاہور، خالد احسان پبلشرز، ۱۹۸۱ء

۶۰۔ امین احسن اصلاحی، مولانا، **پاکستانی عورت دوراہے پر**، لاہور، انجمن خدام القرآن، ۱۹۷۸ء

۶۱۔ امین محمد۔ **عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون**، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۸۹ء

۶۲۔ امیر علی سید، **عین الھدایہ**، لاہور، فاروقی کتب خانہ، مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۹۹ء

۶۳۔ انور محمد یوسف دبور، **نفاذ حدود میں شہادت کا اثر**، لاہور، ضیاء القرآن پبلکشنز، ۱۹۸۲۔

۶۴۔ **انسائیکلو پیڈیا** آف برٹانیکا، لاہور، فیروز سنز، س۔ن،

۶۵۔ اورنگ زیب عالمگیر، **فتاویٰ عالمگیری**، لاہور، قانونی کتاب خانہ، ۱۹۷۹ء، جلد ۵،

۶۶۔ ایڈوکیٹ، ایس این غوری، **قوانین شریعت**، کراچی، مکتبہ فریدی، ۱۹۶۶ء

۶۷۔ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی، شیخ، **الھدایہ**، طبع کتب خانہ رشیدیہ، دھلی، ۱۳۵۸ھ، جلد ۳

۶۸۔ پانی پتی، قاضی ثناء اللہ، **تفسیر مظہری**، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۳۹۳ء

۶۹۔ پرویز، غلام احمد **قرآنی قوانین**، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۷۸ء

۷۰۔ پیرزادہ شمس الدین نور، مفتی، **خواتین کی اسلامی معاشرت**، کراچی، زم زم پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء

۷۱۔ پیر محمد کرم شاہ الازھری، **ضیاء النبی**، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور: ۱۹۱۳ء

۷۲۔ پطرس البستانی، دار المعرفۃ، بیروت، **دائرۃ المعارف**، سن ندارد

۷۳۔ تراب احمد، **قانون شہادت** (۱۸۷۲ء)، کراچی، مکتبہ فریدی، ۱۹۷۹ء

۷۴۔ تقی عثمانی، **نفاذ شریعت اور اس کے مسائل**، کراچی، مکتبہ دار العلوم ۱۹۹۲ء

۷۵۔ تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر **اسلامی قانون شہادت**، لاہور، پی ایل ڈی پبلشرز، ۱۹۸۸ء

۷۶۔ تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر، **اسلامی نظام عدالت**، راولپنڈی، مطبوعات حرمت، ۱۹۷۸ء

۷۷۔ تنزیل الرحمٰن ڈاکٹر، **جرم و سزا کا اسلامی فلسفہ**، اسلام آباد، مطبع خورشید پرنٹرز لمیٹڈ ۱۹۸۲ء

۷۸۔ ابن القیم الجوزیہ، **حاشیہ مختصر سنن ابی داؤد**، الحافظ المنذری و معالم السنن لابی سلیمان

۷۹۔ ثناء اللہ پانی پتی، **التفسیر المظہری** بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ: ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء

۸۰۔ ثناء اللہ غوری، **قانون شہادت**، کراچی، مکتبہ فریدی، ۲۰۰۱ء

۸۱۔ جامع حسن **الغات اردو**، لاہور، اورئنٹیل بک سوسائٹی

۸۲۔ جلال الدین عمری، سید، **عورت اسلامی معاشرہ میں**، لاہور، اسلامک پبلکشنز، ۱۹۹۴ء،

۸۳۔ جمیل احمد، **الجرائم التعزیریہ بین الشریعہ والقانون**، اسلام آباد، الجامعہ اسلامیہ العالیہ ۱۹۸۶ء

۸۴۔ جمیل جالبی، **قانون شہادت ۱۹۸۴ء**، اسلام آباد مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء

۸۵۔ چٹھی نمبر ۱۴۸۳، مورخہ ۲۵ فروری ۲۰۰۰، رجسٹرار ھائی کورٹ پشاور

۸۶۔ چٹھی نمبر ۱۴۸۳، مورخہ ۲۴ فروری ۲۰۰۰ء، اسٹیٹ رجسٹرار لاہور، ھائی کورٹ۔

۸۷۔ چٹھی، مورخہ ۱۰ مارچ ۲۰۰۰، رجسٹرار ھائی کورٹ سندھ

۸۸۔ چٹھی نمبر ۱۷۷۳، مورخہ ۲۵ فرور ۲۰۰۰، رجسٹرار عدالت عالیہ آزاد جموں کشمیر مظفر آباد

۸۹۔ حافظ ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، **امام سنن ابن ماجہ**، لاہور، فرید بک سٹال، س۔ن، جلد دوم

۹۰۔ حفیظ الرحمٰن صدیقی **قرارداد پاکستان سے اسلامی قوانین تک**، کراچی، طاہر سنز ۱۹۸۱ء

۹۱۔ حفظ الرحمٰن سیوھاروی، مولانا **کیا عورت انسان نہیں؟**، پشاور، الجمیعۃ اکیڈمی، س۔ن۔

۹۲۔ حسین بن محمد راغب علامہ اصفہانی، **المفردات**، ایران، مکتبہ مرتضویہ، ۱۳۴۲ھ

۹۳۔ حامد علی، **اسلامی قوانین ۱۹۷۹ء (نظام مصطفٰی کی طرف مثبت قدم)** کراچی، دی آئیڈیل پبلشرز، س۔ن

۹۴۔ خالد رحمٰن، سلیم منصور **عورت خاندان اور ہمارا معاشرہ**، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی، اسٹڈی، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء

۹۵۔ خالد علوی، **اسلام کا معاشرتی نظام**، الفیصل اردو بازار، لاہور سن ندارد۔

۹۶۔ دین ملک محمد، **حدود کی وکالت**، لاہور، ایلفا براؤ ۱۹۸۶ء

۹۷۔ رشید رضا محمد، **حقوق النسآء فی الاسلام**، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۴ء

۹۸۔ رضوی، اظہار حیدر، **اصول قانون**، کراچی۔ مکتبہ فریدی، ۱۹۸۱ء

۹۹۔ رفیع اللہ شہاب، پروفیسر **عورتوں کے بارے قرآنی احکام**، لاہور، دوست ایسوسی ایٹس، ۱۹۹۲ء

۱۰۰۔ راغب اصفہانی، امام، اردو ترجمہ شیخ الحدیث مولانا محمد عبدہ فیروز پوری **مفردات القرآن**، لاہور، اھل حدیث اکادمی، ۱۹۷۱ء،

۱۰۱۔ سید قاسم محمود، **اسلامی انسائیکلوپیڈیا**، کراچی، شاہکار بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۴ء

۱۰۲۔ سید قطب، مترجم سید معروف شاہ شیرازی **تفسیر فی ظلال القرآن** ادارہ منشورات، لاہور۔

۱۰۳۔ سلیم رستم باز اللبنانی **المحلہ شرح**، الہند طبع فی مطبعۃ لکشمی فریس بدیھی عاصمۃ، ۱۳۸۹ھ،

۱۰۴۔ سلیمی محمد لطیف، حافظ **عورت کی دیت** مصر و پاکستان کے مسودہ ہائے قانون کا علمی محاکمہ، لاہور، مکتبہ سرمد اردو بازار، س۔ن۔

۱۰۵۔ سید محمد انور، **اسلام میں عورت کی گواہی آدھی نہیں**، لاہور، مشعل، س۔ن،

۱۰۶۔ سید محمد متین ھاشمی، مولانا، **اسلام کا قانون شہادت**، لاہور، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، جلد اول ۱۹۸۰ء،

۱۰۷ سنن الدار قطنی ،، طبع دھلی، ۱۳۱۰ھ، جلد دوم،

۱۰۸۔ سنن ابو داؤد،، طبع نولکشور، ۱۲۹۳ھ، جلد دوم، ابواب القضاء

۱۰۹۔ سلیمان بن اشعت، **سنن ابو داؤد**، لاہور، مطبع مجتبائی، ۱۴۰۵ھ

۱۱۰۔ سرکار زینی جارچوی، **مادر کائنات، کراچی**، شمع بک ایجنسی، ۲۰۰۰ء

۱۱۱۔ شاہ محمد جعفر پھلواروی، مولانا، **اجتہادی مسائل**، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۵۹ء

۱۱۲۔ شاہ ولی اللہ، **حجۃ اللہ البالغہ** (اردو ترجمہ)، لاہور، المکتبہ السّلفیہ ۱۹۷۵ء

۱۱۳۔ شبلی نعمانی، **سیرۃ النعمان**، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، س۔ندارد

۱۱۴۔ شبلی نعمانی، **سیرت النبی**، محمد سعید اینڈ سنز، کراچی، س۔ندارد

۱۱۵۔ شمس الدین محمد بن احمد السرخسی، **المبسوط**، دار المعرفہ بیروت: ۱۳۹۸ھ

۱۱۶۔ صدیق شبلی ڈاکٹر، **بین الاقوامی کانفرنس جائنٹ فورم، جدید دنیا میں اسلامی قوانین اور خواتین**، (نظر ثانی ۱۱۷رشید جالندھری، ڈاکٹر) اسلام آباد، باشتراک ویمن ڈیولپمنٹ فنڈ، ۲۰۰۰ء

۱۱۷۔ صبحی محمصانی، (مترجم شیخ عنایت اللہ)، **فلسفہ شریعت اسلام**، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۵ء

۱۱۸۔ صنعانی محمد بن اسماعیل، **سبل الاسلام شرح بلوغ المرام**، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی ، کویت، ۱۴۱۸۔۱۹۹۸ء

۱۱۹۔ صبحی عمصانی، ڈاکٹر، (ترجمہ مولوی محمد احمد رضوی) فلسفہ شریعت اسلام،، لاہور، مجلس ترقی ادب ، ۱۹۸۱ء،

۱۲۰۔ صدارتی حکم نمبر 1 مجریہ آرڈیننس، **قانون شہادت**، لاہور، لاءٹائمز پبلکیشنز ۱۹۸۴ء

۱۲۱۔ عبداللہ مرعی بن محفوظ حامی، **اسلام اور دیگر مذاہب و معاشروں میں عورت کے حقوق و مسائل**، ترجمہ مفتی ثناءاللہ محمود، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۱ء،

۱۲۲۔ طاسین، مولانا **فکر و نظر**، سہ ماہی مجلّہ، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی، جنوری تا مارچ 1991ء،

۱۲۳۔ ظفیر الدین، مولانا، **اسلام کا نظام عفت و عصمت**، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۵۴ء، جلد ا

۱۲۴۔ عبدالرحمٰن الجزائری، **کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ**، لاہور، محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، ۱۹۸۲ء

۱۲۵۔ عبدالرحمان الجزیری، (ترجمہ منظور احسن عباسی) **کتاب الفقہ (جز پنجم شرعی حدود)** لاہور، اکیڈمی، س۔ن

۱۲۶۔ عبدالرحمٰن ابن خلدون (اردو ترجمہ از احمد حسین) **تاریخ ابن خلدون**، نفیس اکیڈمی، کراچی،

جون ۱۹۷۷ء

۱۲۷۔ عبدالسلام الترمانینی ،**تاریخ قانون**، جامعہ حلب،کلیہ الحقوق ،سوریا ۱۹۶۴ء

۱۲۸۔ عبدالقادر،عودہ،**اسلام اور انسانی قانون**، کراچی ،صفا اکیڈمی ،۱۹۶۷ء

۱۲۹۔ عبدالقیوم جالندھری **قوانین اسلامی ممالک**، مکتبہ فکر وعمل ،لائپور: ۱۹۸۵ء

۱۳۰۔ عبدالقیوم ندوی ،**اسلام اور عورت**، سویرا آرٹ پریس ،۱۹۵۲ء

۱۳۱۔ عبدالماجد دریا آبادی ،مولانا ،**القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر**، کراچی ،تاج کمپنی لمیٹڈ ،س۔ن ۔۱۹۵۲

۱۳۲۔ عبدالمالک عرفانی **اسلامی قانون شہادت**، لاہور، قانونی کتب خانہ، ۱۹۸۰ء

۱۳۳۔ عبدالسمیع الابی ، **جواھر الاکلیل** ،ادارۃ القرآن ،۲۰۰۱ء ،جلد ۲

۱۳۴۔ عبدالقدوش ھاشمی **مجلۃ الاحکام** (اردوترجمہ) کراچی ،مکتبہ اسحاق ،۱۹۶۶ء، باب اول شہادت

۱۳۵۔ عاشق الٰہی بلندشہر مہاجر مدنی ،مفتی ،(مترجم عبدالغنی طارق)،**التسہیل الضروری المسائل القدوری**، کراچی

۱۳۶۔ عثمانی محمد تقی ،**شرعی عدالت عظمٰی کے ۸ فیصلے** ،کراچی ،ادارۃ المعارف ،س۔ن۔

۱۳۷۔ عزیز احمد، **اصول قانون**، لاہور، پاکستان اکیڈمی ،س۔ن

۱۳۸۔ عمادالدین ابوالفداء حافظ اسماعیل ابن کثیر ،**تفسیر ابن کثیر**، امجد اکیڈمی ،لاہور: ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء

۱۳۹۔ عمادالدین ابوانور حافظ ،**البدایہ النسایہ**، کراچی ،نفیس اکیڈمی ،۱۹۸۷ء

۱۴۰۔ علی امیر سید ،**عین الہدایہ**، لاہور ،امجد اکیڈمی ،جلد دوم ،س۔ن

۱۴۱۔ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی ،**بدائع الضائع** ،مطبوعہ قاھرہ ،۱۹۱۰ء ،جلد ۲۔

۱۴۲۔ علی بن ابی بکر المرغینانی الھدایہ ،شیخ برہان الدین ،طبع کتب خانہ رشیدیہ ، دھلی ، ۱۳۵۸ھ ، کتاب الشھادات ،جلد سوم ،

۱۴۳۔ علی حسن ،پروفیسر ،**آئینہ اردو لغت**، خالد بک ڈپو ،لاہور ،۲۰۰۴ء

۱۴۴۔ علی بن ابی بکر الھیثمی ،**مجمع الزوائد**، مطبع قاھرہ ،س۔ن ،جلد چہارم

۱۴۵ علامہ ،ایران ،ٹوستہ نہایہ ،محمد بن اثیر الجذمی ،مطبوعاتی ،۱۳۶۴ھ ،جلد ۲

۱۴۶۔ علامہ، مصر، **ابن قدامہ المقدسی حنبلی**، مطبعہ سلیپنہ المقنع ابن قدامہ المقدسی، س۔ن، جلد ۳،
۱۴۷۔ علامہ، (ترجمہ علامہ میمن جونا گڑھی) **تفسیر ابن کثیر**، کراچی، نور محمد اصح المطالع وکارخانہ تجارت، س ن
۱۴۸۔ غازی احمد، **کتاب الحدود**، کوئٹہ ڈسٹرکٹ کورٹ، س۔ندارد
۱۴۹۔ غلام رسول، پروفیسر، **مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ**، علمی کتاب خانہ، لاہور ۱۹۸۶ء
۱۵۰۔ غلام رسول سعیدی، **شرح صحیح مسلم**؛ فرید بکسٹال، لاہور: ۱۹۹۱ء
۱۵۱۔ غلام کبیر یا خان، **کتاب الحدود**، ڈسٹرکٹ کورٹ، کوئٹہ، س۔ندارد
۱۵۲۔ غوری، ثناءاللہ، **قوانین شریعت**، کراچی، المحمود پبلشرز جون ۱۹۸۷ء
۱۵۳۔ غوری ثناءاللہ، **نفاذ شریعت آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۸ء** کراچی، مکتبہ فریدی اردو کالج، جون ۱۹۸۸ء
۱۵۴۔ فخر الدین الرازی **تفسیر کبیر**، دارالفکر، بیروت: ۱۳۹۸ء
۱۵۵۔ فرید وجدی آفندی، مترجم: ابوالکلام آزاد **مسلمان عورت**، المکتبہ الاثریہ، سانگلہ ھل، س۔ندارد
۱۵۶۔ کرم شاہ محمد، ضیاء القرآن، **ضیاء القرآن** پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۸۲ء
۱۵۷۔ **فیروز الدین**، مولوی، **فیروز اللغات اردو**، فیروز سنز، لاہور ۱۹۸۳ء
۱۵۸۔ کلیم، خلیل احمد، **مجموعہ تعزیرات پاکستان**، کراچی، لبنی پبلیکیشنز ۱۹۷۶ء
۱۵۹۔ کلیم، خلیل احمد، **مجموعہ ضابطہ فوجداری**، کراچی، لبنی پبلیکیشنز، ۱۹۷۶ء
۱۶۰۔ کمال الدین ابن ھمام، علامہ، **فتح القدیر**، سکھر، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، س ن، جلد ۴،
۱۶۱۔ قاری محمد عادل مولانا حافظ (مترجم) **صحیح بخاری شریف**، لاہور، مکتبہ انسانیت اردو بازار ۱۹۵۸ء
۱۶۲۔ قاسم محمود، **شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا**؛ شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی؛ ۱۹۸۴ء
۱۶۳۔ قاضی حسین احمد، **شریعت بل اور اس پر اعتراضات کا جائزہ**، لاہور، متحدہ شریعت محاذ ۱۹۸۶ء
۱۶۴۔ قاسمی، مجاہدالاسلام، **اسلامی عدالت**، نئی دہلی قاضی پلشرز، اردو بازار۔س۔ن
۱۶۵۔ قاضی محمد ثناءاللہ پانی پتی، علامہ، **تفسیر مظہری اردو**، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۹۷ء
۱۶۶۔ قطب شہید، سید، (ترجمہ سید معروف شاہ شیرازی)، **فی ظلال القرآن**، لاہور، ادارہ منشورات

۱۶۷۔ لیلیٰ احمد، (ترجمہ خلیل احمد) **عورت جنسی تفریق اور اسلام**، لاہور، مشعل، ۱۹۹۲ء

۱۶۸۔ منظور احمد، **شہادت کی شرعی حیثیت**، کراچی، اسلامک لاء ریسرچ اینڈ ایجوکیشن ٹرسٹ، ۱۹۹۶ء

۱۶۹۔ ملا نظام الدین، **فتاویٰ عالمگیری**؛ حامد اینڈ کو، لاہور: سن ندارد

۱۷۰۔ مجلّہ، **عورت کی معاشی وتمدنی سرگرمیاں اسلام کی نظر میں**، ملتان، عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ س۔ن شمارہ نمبر ۲۹۲

۱۷۱۔ محمد بن اسماعیل بخاری، **صحیح بخاری**، لاہور، دینی کتب خانہ، ۱۹۷۷ء، جلد ۹

۱۷۲۔ محمد بن سعد، **طبقات ابن سعد**: (اردو ترجمہ) نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۱ء

۱۷۳۔ محمد بن عیسیٰ ترمذی، **جامع الترمذی**، کراچی، محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، س۔ن،

۱۷۴۔ محمد تقی عثمانی، **عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہوا؟**، کراچی، مکتبہ دارالعلوم ۱۹۷۷ء

۱۷۵۔ محمد تقی عثمانی، مترجم محمد عبداللہ میمن، **فقہی مقالات**، کراچی، میمن اسلامک پبلکیشنز، ۱۹۹۴ء

۱۷۶۔ محمود احمد غازی، **ادب القاضی**، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی

۱۷۷۔ محمد رفیق چوہدری، **حد رجم**، لاہور، مکہ بکس، ۱۹۸۱ء

۱۷۸۔ محمد شفیع، مفتی، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، **(امداد المفتین کامل)**، کراچی دارالاشاعت، ۱۹۴۸ء، جلد ۲

۱۷۹۔ محمد طارق محمود چغتائی، حکیم، **خواتین کی اسلامی زندگی کے سائنسی حقائق**، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء

۱۸۰۔ محمد ظفر الدین، **اسلام کا نظام عفت وعصمت**، مکتبہ نذیریہ، لاہور، ۱۹۷۵ء

۱۸۱۔ محمد علی الصدیقی کاندھلوی، مولانا، **معالم القرآن**، طبع سیالکوٹ، ۱۹۷۶ء، جلد سوم

۱۸۲۔ محمد عبدالحق الحقانی **تفسیر فتح المنان المشہور تفسیر حقانی**، علامہ، دھلی، دارالاشاعت تفسیر حقانی، ۱۳۵۷ھ، جلد ۱

۱۸۳۔ محمد علی، مولانا، **بیان القرآن** لاہور، مطبع کریمی، ۱۳۴۰ھ، جلد ۱

۱۸۴۔ محمد عبداللہ بن احمد بن محمود بن قدامہ، امام، **المغنی، الشرح الکبیر**، مصر، مطبعۃ المنار، ۱۳۴۸ھ، جلد سوم

۱۸۵۔ محمد علی صدیقی کاندھلوی، مولانا، **معالم القرآن**، سیالکوٹ، ادارہ تعلیمات قرآن ۱۹۷۶

۱۸۶۔ محمد فاروق خان، ڈاکٹر، رضوانہ فاروق، ڈاکٹر، **اسلام اور عورت**، لاہور، دارالتذکیر، ۲۰۰۴ء

۱۸۷۔ محمد لطیف، پروفیسر، **صنف نازک کی حاکمیت**، راولپنڈی، کتب خانہ رشیدیہ، ۱۹۹۸ء

۱۸۸۔ محمد متین ھاشمی **اسلامی نظام عدل کا نفاذ، مشکلات، ان کا حل**، مرکز تحقیق دیال سنگھ، لاہور، سن ندارد

۱۸۹۔ محمد متین ہاشمی، **اسلامی حدود و اوران کا فلسفہ**، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۸ء

۱۹۰۔ محمد مالک کاندھلوی، مولانا محمد میاں صدیقی کاندھلوی، مولانا **سراج الھدایہ**، اردو ترجمہ ھدایہ، لاہور
ملک سراج الدین اینڈ سنز، ۱۵۶۷ء

۱۹۱۔ محمد مظہیر الدین صدیقی، **اسلام میں حیثیت نسواں**، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۵۳ء

۱۹۲۔ محمد یوسف، **اسلام اور سزائے رجم**، پشاور، جامعہ عربیہ حدیقۃ العلوم، ۱۴۰۲ھ

۱۹۳۔ محمد یاسین شیخ، پروفیسر **عورت بحیثیت حکمران**، پنو عاقل سندھ، لطیف اکیڈمی، ۱۹۸۹ء

۱۹۴۔ محمد متین ہاشمی، **اسلام حدود و اوران کا فلسفہ**؛ سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور: ۱۹۸۸ء
اسلامی قوانین (حدود، قصاص و دیت، تعزیرات)

۱۹۵۔ محبت حسین اعوان، **اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت**، کراچی، مکتبہ بخاری، ۲۰۰۲ء

۱۹۶۔ مبارک علی، ڈاکٹر، **تاریخ اور عورت**، لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۲ء

۱۹۷۔ مرزا مقبول بیگ، **اردو لغت**، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۲۹ء۔

۱۹۸۔ مجلس انتظامیہ جامعہ پنجاب، **اردو دائرہ معارف اسلامیہ**، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۴۶ء

۱۹۹۔ مجلّا احکام العدلیہ، (دفعہ ۱۶۸۴)، لاہور، پنجاب اوقاف اکیڈمی، س۔ن

۲۰۰۔ مسلم بن الحجاج القشیری، **صحیح المسلم**، مکتبہ دارالسلام، ریاض، ۱۹۹۷ء

۲۰۱۔ معین الدین ندوی، **سیر الصحابہ**؛ ادارہا اسلامیات، لاہور: ۱۴۰۷/۱۹۸۷ء

۲۰۲۔ مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن**؛ ادراۃ المعارف، کراچی، ۱۹۹۰ء

۲۰۲۔ **مقالات شریعت مل**، بمقام سمر کیمپ باڑہ گلی، ہزارہ پشاور، فیکلٹی علوم اسلامیہ عربی، پشاور یونیورسٹی
۱۹۹۱ء

۲۰۳۔ منیب الرحمٰن، مولانا، **اصول فقہ اسلام**، کراچی، مکتبہ فریدی، ۱۹۷۹ء

۲۰۴۔ مولانا امین احسن اصلاحی، **تفسیر تدبر قرآن**، دار الاشاعت اسلامیہ، لاہور ۱۹۲۷ء جلد ا

۲۰۵۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی، **تفسیر معارف القرآن**، مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد، ٹنڈو الہ یار، ۱۳۸۲ھ جلد ا

۲۰۶۔ مدیع الزمان، علامہ، **جائزہ الشعور**، کراچی، محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، س۔ن، جلد اول

۲۰۷۔ نجم الدین ابوجعفر، **الحلی**، مطبوعہ بیروت شرائع الاسلام، س۔ن، جلد ۲

۲۰۸۔ نعمانی، شبلی، **شمس العلماء**، الفاروق، کراچی۔ دارالاشاعت طبع اول ۱۹۹۱

۲۰۹۔ نعیم صدیقی، **عورت معرض کشمکش میں**، لاہور، الفیصل، ۱۹۹۸ء

۲۱۰۔ نقوش، مدیر، محمد طفیل، لاہور، ادارہ فروغ اردو، جنوری ۱۹۸۳ء، جلد دھم، شمارہ نمبر ۱۳۰

۲۱۱۔ واجد علی شاہ واجد، **الحدود**، کراچی، پبلشرز ابوالساجع اے ۴۴۹ جے بلاک ناظم آباد، اشاعت اول ۱۹۹۲ء

۲۱۲۔ وحید الزمان، **لغات الحدیث**، نعمانی کتب خانہ، لاہور، ۲۰۰۵ء

۲۱۳۔ وحید الزمان، تیسر الباری **شرح صحیح البخاری**، امجد اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸، ۳، ۱۹۸۸ء

۲۱۴۔ وحید الزماں، علامہ، **موطا امام مالک**، لاہور، اسلامی اکادمی اردو بازار، اشاعت رجب ۱۴۰۲ھ

۲۱۵۔ وحید الدین خان، مولانا، **خاتون اسلام**، کراچی، فضلی سنز، ۱۹۸۶ء

۲۱۶۔ ہاشمی، محمد متین، **اسلامک قانون شہادت**، حصہ فوجداری، لاہور مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری ٹرسٹ جلد اول ۱۶ اگست ۱۹۸۱

۲۱۷۔ ہاشمی، محمد متین، **اسلامی حدود**، لاہور انجمن اصلاح المسلمین ۱۹۸۸ء

۲۱۸۔ یوسفی رفیق یار خان، **قاضی عدالتوں کا آرڈیننس ۱۹۸۲ء**، کراچی، مکتبہ فریدی اردو کالج طبع اول فروری ۱۹۸۴ء

۲۱۹۔ یوسفی، رفیق یار خان، **مجموعہ تعزیرات پاکستان بشمول اسلامی تعزیرات**، کراچی، مکتبہ فریدی اردو کالج طبع چہارم اکتوبر ۱۹۹۲ء

220۔ Afzal-ur-Rehman Subject Index of Quran Islamic Publication. Lahore 3rd Edition 1991

﴿جرائد ومجلات﴾

☆ سہ ماہی فکر ونظر، اسلام آباد، جنوری تا مارچ ۱۹۹۱ء

☆ سہ ماہی منہاج، لاہور، جلد ۲، شمارہ نمبر ۳، جولائی ۱۹۸۴ء

☆ ہفت روزہ ایشیا، لاہور، اپریل ۲۰۰۱ء

☆ روزنامہ جنگ، کراچی، سنڈے میگزین، ۲۵ جولائی ۲۰۰۴ء

☆ ماہنامہ چراغ راہ، نظریہ پاکستان نمبر، جلد ۱۴، شمارہ نمبر ۱۲، ۱۹۶۰ء

☆ ماہنامہ طلوع اسلام، لاہور، فروری، ۱۹۹۴ء

☆ ماہنامہ نقوش، جنوری ۱۹۸۳ء، جلد دہم، شمارہ نمبر ۱۳۰

"THE NECESSITY AND SHARI'AH STATUS OF THE EVIDANCE OF WOMEN IN PRESENT ERA"

(Ph.D. THESIS)

RESEARCHER
MS. NAZIA AZIZ

(RESEARCH SUPERVISOR)
DR. ABDUL RASHID
(S.I)
Prof. MERITORIOUS

Department of Sheikh Zayed Islamic Centre
Faculty of Islamic studies
University of Karachi.

November, 2010

ABSTRACT

Topic; "THE NECESSITY AND SHARI'AH STATUS OF THE EVIDANCE OF WOMEN IN PRESENT ERA"

ALHAMDULLAH:

My thesis has been completed. It comprises an introduction six chapters conclusion and bibliography of more then 200 selected books.

The first chapter of this thesis deals briefly with the meaning and importance of shahadat (witness) with special reference to Quran and Hadith. This chapter is divided into two units. After reading this chapter the origin of the word shahadat and its meaning is easily understood.

The second chapter of my thesis deals with the questions from the commentary of Muslim jurists (Ummah). In this chapter a detailed discussion and explanation on the topic is made in the light of the views of the great muslim Ummah Imam Abu Hanifa, Imam Ahmed Bin Jambal and Imam Shafai(R.A) and other scholars of the same school of thought.

The third chapter of my thesis is dealt with the basis differences between man and women witness of their Individual and mutual aspects and further more the status of women's witnesses is explained in brouder prospect i.e in the history of Islam.

The forth chapter discusses the importance, and status of women's shahadat (witnesses) in Muslim and non-Muslim societies further more this chapter includes the views of different Islamic scholars.

The fifth chapter of my thesis included the evaluation of a declined society and women's witness. In this chapter one can also find the evaluation of law in connection with the status of women's witness not only in the laws of Muslim sonely but also the constitution or law in non muslim society. Furthermore suggestions for change in the constitution and are also given. This chapter is divided into three units.

suggestion for chagnge in the constitution and are also given. This chapter is divided into three units.

The sixth and the last chapter deals with the characteristics of women's witnesses (Sahadat) in modern era moreover in this chapter a women role as a witness, advocate and as judge is highlight need two sub topics are also covered in this chapter.

In the last of the thesis a conclusion has been extracted from the findings and analysis and a bibliography has been appended for ready reference.

In the end i am grateful to my beloved teacher Dr. Abdul Rashid (Sitara-i-Imtiaz) Meritorious Professor who has guided me to complete my thesis his co-operation and valued suggestion enable me to complete the thesis on time.

My greateful thanks are due to Higher Education Commission (HEC) that persuaded me to write this thesis who extanded its help not only through money but by the number of suggestion to improve and complete my thesis. Special mention must be made to the HEC for its financial support and all other fovowrs. I am thankful to HEC for the involvement in improving and completing this thesis.

Much of th ecredit of my work, however goes to the HEC who provided me with necessary facilities to complete the taske under Prof. Dr. Abdul Rashid Supervision may ALLAH the Almighty amply reward the mangement of HEC and all the who were helpful in some way or after in making the book available to veaders and accept this humble effort in his cause. AMEEN

Nazia Aziz D/o Abdul Aziz
Candidate for Ph.D.
Under the Supervisor of
Prof. Dr. Abdul Rashid (S.I)
Department of S.Z.I.C.
University of Karachi.

ACKNOWLEDGEMENT

My greateful thanks are due to **HIGHER EDUCATION COMMISSION (HEC)** that persuaded me to write this thesis who extanded its help not only through money but by the number of suggestion to improve and complete my thesis. Special mention must be made to the HEC for its financial support and all other favours. I am thankful to HEC for the involvement in improving and completing this thesis.

Much of th ecredit of my work, however goes to the HEC who provided me with necessary facilities to complete the taske under the supervision of Prof. Dr. Abdul Rashid (S.I). May ALLAH the Almighty amply reward the mangement of HEC and all the who were helpful in some way or other in making the book available to veaders and accept this humble effort in HIS cause.

AMEEN

Nazia Aziz D/o Abdul Aziz

Candidate for Ph. D.

Under the Supervisor of

Prof. Dr. Abdul Rashid (S.I)

Department of S.Z.I.C.

University of Karachi.